

ساحل کی تمنا کون کرے..... زندگی کے نشیب و فراز سے آشنا کرتا بشری مسرور کا خوبصورت ناول

کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

ساحل کی تمنا کون کرے

کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

<http://kitaabghar.com> بشری مسرور

<http://kitaabghar.com> مصنفہ:

علم و عرفان پبلشرز

الحمد مارکیٹ، 40۔ اردو بازار، لاہور

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

فون 042-7352332-7232336

کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

<http://kitaabghar.com> اس ناول کے جملہ حقوق بحق مصنفہ (بشری مسرور) اور پبلشرز

(علم و عرفان) محفوظ ہیں۔ ادارہ علم و عرفان نے اردو زبان اور ادب کی ترویج کیلئے اس

کتاب کو kitaabghar.com پر شائع کرنے کی خصوصی اجازت دی ہے، جس

کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

کے لئے ہم انکے بے حد ممنون ہیں۔

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

(کتاب کے آخر میں ادارہ علم و عرفان کی شائع کردہ کتب کی مکمل فہرست ملاحظہ کیجئے۔)

کتاب گھر کی پیشکش

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

<http://kitaabghar.com>
<http://kitaabghar.com>

ساحل کی تمنا کون کرے

نام ناول

بشریٰ مسرور

مصنفہ

گل فرازا احمد

ناشر

علم و عرفان پبلشرز، لاہور

<http://kitaabghar.com>

زاہدہ نوید پرنٹرز، لاہور

مطبع

انیس احمد

کمپوزنگ

جولائی 2009ء

سن اشاعت

200/= روپے

قیمت

<http://kitaabghar.com>
<http://kitaabghar.com>

..... ملنے کے پتے

علم و عرفان پبلشرز

الحمد مارکیٹ، 40۔ اردو بازار، لاہور

فون 7352332-7232336

سیونٹھ سکائی پبلیکیشنز

غزنی سٹریٹ الحمد مارکیٹ 40۔ اردو بازار لاہور

فون 7223584 موبائل 0300-4125230

☆..... کتابی شکل میں ملنے کے پتے.....☆

مکتبہ قابل اردو بازار، لاہور
کتاب سرائے الحمد مارکیٹ اردو بازار، لاہور
فہیم بکڈ پو، راجپوت مارکیٹ اردو بازار، لاہور
اشرف بک انجینیئرنگ چوک راولپنڈی
فضل سبز اردو بازار، کراچی
ویکم بک پورٹ اردو بازار، کراچی
کتب خانہ رشید یہ راجہ بازار راولپنڈی
سعید بک بینک اسلام آباد
کیپٹل بکڈ پو، اردو بازار، راولپنڈی
سعید بک بینک، پشاور
یونیورسٹی بک انجینیئر خیر بازار، پشاور
حافظ بک انجینیئر اقبال روڈ، سیالکوٹ
بک سنٹر اردو بازار، سیالکوٹ
پنجاب بکڈ پوسٹر روڈ، گجرات
سلطان بک بیس، گجرات
فائن بکس امین پور بازار، فیصل آباد
نیو مکتبہ دانش امین پور بازار، فیصل آباد
مقبول بک انجینیئر چوک پاک گیٹ، ملتان
الکریم نیوز انجینیئر، اوکاڑہ
چوہدری بکڈ پو بین بازار، دینہ
عمر بک سنٹر جی ٹی روڈ، سرائے عالمگیر
تکلیل بکڈ پو، سمندری
مسلم بک لینڈ، بینک روڈ، مظفر آباد
نیو ہاؤس کتاب گھر، جناح روڈ، وہاڑی
ہلال کاپی ہاؤس لیاقت روڈ، میان چنوں
نیفیس بکڈ پو بین بازار، میانوالی
خالد کتاب محل، سیالکوٹ روڈ، اگوکی
پاکستان بکڈ پو بین بازار، جلال پور جٹاں
جہلم بک کارنر، جہلم
منور بک ڈپو گجرات

خزینہ علم و ادب الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور
مشتاق بک کارنر الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور
اسلامی کتب خانہ، فضل الہی مارکیٹ، اردو بازار، لاہور
کتاب گھر سٹی چوک، راولپنڈی
علی شیشیز، حیدری چوک، لالہ موسیٰ
رحمن بک ہاؤس اردو بازار، کراچی
احمد بک کارپوریشن اقبال روڈ کٹی چوک راولپنڈی
مسٹر بکس سپر مارکیٹ اسلام آباد
مکتبہ ضیائیہ بوہڑ بازار، راولپنڈی
گڈ بکس شاپ صدر بازار، راولپنڈی
بختیار سنز قصہ خوانی بازار، پشاور
نگلش بکڈ پو اردو بازار، سیالکوٹ
ماڈرن بکڈ پو سیالکوٹ کینٹ
کھوکھر بکسٹال مسلم بازار، گجرات
بلال بکڈ پو، گجرات
کتاب مرکز امین پور بازار، فیصل آباد
کتب خانہ مقبول عام امین پور بازار، فیصل آباد
شریف سنز کارخانہ بازار، فیصل آباد
کارواں بک سنٹر، ملتان کینٹ
دارالکتاب کالج روڈ، لیہ
الیاس کتاب محل کچہری بازار، جڑانوالہ
ڈار برادرز تحصیل بازار، جہلم
چاندھر بکڈ پو، ڈسکہ
یونائیٹڈ بک ہاؤس، کچہری روڈ، منڈی بہاؤالدین
شمالیہ بک انجینیئر محلہ چوہدری پارک، ٹوبہ ٹیک سنگھ
میاں ندیم بین بازار، جہلم
اسلامی کتب خانہ، حافظ آباد
کارواں بک سنٹر، بہاولپور
گلکسی بکس، خان آرکیڈ، کچہری روڈ، سرگودھا
النور بک کارنر محمدی پلازہ، میر پور آزاد کشمیر

کتاب گھر کی پیشکش

<http://kitaabghar.com>

کتاب گھر کی پیشکش

انٹرنیٹ
<http://kitaabghar.com>کتاب گھر کی پیشکش
پیارے اللہ میاں کے نام
جس نے مجھے میری اوقات سے بڑھ کر نوازا،<http://kitaabghar.com> اور ہمیشہ اپنے لطف و کرم کے حصار میں رکھا۔

(اللہ اکبر)

کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

<http://kitaabghar.com> کتاب گھر کا پیغامادارہ کتاب گھر اردو زبان کی ترقی و ترویج، اردو مصنفین کی موثر پہچان، اور اردو قارئین کے لیے بہترین اور دلچسپ کتب فراہم کرنے کے لیے کام کر رہا ہے۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں تو اس میں حصہ لیجئے۔ ہمیں آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔ کتاب گھر کو مدد دینے کے لیے آپ <http://kitaabghar.com>۱۔ <http://kitaabghar.com> کا نام اپنے دوست احباب تک پہنچائیے۔

۲۔ اگر آپ کے پاس کسی اچھے ناول/کتاب کی کمپوزنگ (ان بیج فائل) موجود ہے تو اسے دوسروں سے شیئر کرنے کے لیے

کتاب گھر کو دیجئے۔ کتاب گھر کی پیشکش

۳۔ کتاب گھر پر لگائے گئے اشتہارات کے ذریعے ہمارے سپانسرز کو وزٹ کریں۔ ایک دن میں آپ کی صرف ایک وزٹ

<http://kitaabghar.com> ہماری مدد کے لیے کافی ہے۔

کتاب گھر کی پیشکش

پیش لفظ

اک عرصے سے میرے دوست و احباب کا یہی تقاضا تھا کہ میں اپنے لکھے ہوئے ناولز اور نئے و پرانے، مطبوعہ و غیر مطبوعہ افسانوں کا مجموعہ کتابی شکل میں منظر عام پر لاؤں۔ کیونکہ لوگ میری تحریریں پڑھنا چاہتے ہیں، مگر میں ان کی یہ فرمائش ہمیشہ مسکراتے ہوئے، یہ کہہ کر ٹال دیتی تھی کہ ”ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں“۔ لہذا کتابیں شائع کرانے کا فیصلہ (کم از کم میرے خیال میں) قبل از وقت ہوگا، مگر میری اس ٹال مٹول سے بھی احباب کے جوش و خروش میں کوئی کمی نہیں آئی اور ”مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی“ کے مصداق شائقین کا اصرار بھی بڑھتا ہی چلا گیا۔ حتیٰ کہ مجھے اپنا پہلا ناول ”ساحل کی تمنا کون کرے“ کے نام سے منظر عام پر لانا ہی پڑا۔

اس سے قبل یہ ناول ماہنامہ ”ریشم“ میں سلسلے وار کہانی کی صورت چھپ چکا ہے اور تب بھی قارئین نے اسے بے حد پسند کیا تھا۔ اس وقت اس ڈائجسٹ کے مدیر اعلیٰ مصطفیٰ ہاشمی صاحب تھے اور وہ بھی مجھ سے اس ناول کو کتابی شکل دینے کے لئے کئی بار اصرار کر چکے تھے..... مگر تب میرا اس جانب زیادہ رجحان نہیں تھا۔ اس کے بعد اتفاق سے ”ریشم“ ڈائجسٹ میرے زیر ادارت آ گیا، اور مجھے اس کی ”مدیر“ بننے کا اعزاز حاصل ہوا اور چوں کہ میں اس سے قبل ماہنامہ پاکیزہ اور خواتین ڈائجسٹ کے علاوہ دوسرے کئی رسائل و جرائد میں افسانے اور ناولز لکھا کرتی تھی اس لئے قارئین پہلے ہی میرے نام سے مانوس اور تحریروں کے دلدادہ تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ماہنامہ ”ریشم“ میں میرا نام دیکھتے ہی بے اختیار کھنچے چلے آئے، اور بے حد قلیل عرصے میں ماہنامہ ”ریشم“ نے مارکیٹ میں اپنی جگہ بنالی، اور پھر جب میں نے اس میں اپنا ایک نیا سلسلے وار ناول ”سہاگن“ کے نام سے شروع کیا تو قارئین ایک بار پھر عشق کراٹھے اور مجھ پر اپنی تحاریر کو کتابی شکل میں لانے کے لئے نئے سرے سے دباؤ بڑھ گیا۔

اور چوں کہ ”سہاگن“ کی ابھی کچھ اقساط باقی تھیں تو اس لئے میں نے کتابی شکل میں لانے کے لئے اپنے ناول ”ساحل کی تمنا کون کرے“ کا انتخاب کیا۔ کہ جو آپ سب کو یقیناً بہت پسند آئے گا۔

اس ناول کو عملی شکل دینے میں جن افراد نے مجھ سے تعاون کیا۔ ان میں سرفہرست میرے شریک زندگی مسرور احمد صاحب رہے کہ جن کی

باب 1

کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

وہ بھی کچھ عرصے پہلے تک آج کل کی عام لڑکیوں کی مانند تھی جو فون پر اپنے فریڈز کے ساتھ بے تکان چٹیں ہانکتی ہیں۔ شارٹ سیلو کی (Low Neck) قمیص، ٹخنوں سے اونچی سلوار پر پہن کر ہائی ہیل جوتی کی نوک پر ٹھک ٹھک چلتی ہیں تو ہوا کے ایک ہلکے سے اشارے پر بھی ان کی بڑی چاکوں والی قمیص کا اگلا پچھلا دامن چٹنگ کی طرح پرواز کرنے لگتا، اور کتنے ہی من چلے اس نظارے سے اپنی آنکھیں سینکتے ہیں۔

وہ جو کمپیوٹر پر چیٹنگ کے ذریعے لڑکوں سے فریڈ شپ کر کے نہ جانے کون سے جذبوں کو تسکین پہنچاتی ہیں۔ جن کے گلے میں دوپٹہ نسوانیت کا طوق بن کر جھولتا رہتا ہے، جو قہقہہ لگاتی ہیں تو زمین و آسمان کا نپ اٹھتے ہیں مگر..... چند ہی اسلامی کتب کے مطالعہ نے فلک ناز فاروقی کی شخصیت کو یکسر تبدیل کر دیا تھا۔ اسے تو معلوم ہی اب ہوا تھا کہ ایک مسلمان گھرانے میں آنکھ کھولنے کے باوجود وہ اپنی مذہبی تعلیمات کے برعکس زندگی گزارتی رہی ہے۔ تب ہی اس کے ڈارک براؤن سلکی بالوں پر اسکارف آگیا تھا وہ تو بہ شکن جسمانی اعضاء جو مکمل کپڑے پہننے کے باوجود بھی ان کی بہترین فننگ کے باعث چھپائے نہ چھپتے تھے۔ ان کو ڈھیلے ڈھالے گاؤن نے اپنی پناہ میں لے لیا۔ اب اس کا زیادہ وقت میوزک سننے اور فون پر اپنی سہیلیوں سے چٹیں لڑانے کی بجائے گھر کی کام کاج، عبادات اور اسلامی کتب کے مطالعہ میں گزرنے لگا اور پھر جب ایم اے کے لئے مضمون کا انتخاب کا مرحلہ آیا تو اس نے ایم اے اسلامیات میں ایڈمیشن لے لیا۔ اسی دوران امریکا سے چھٹیوں پر امی کی ایک دوست طیبہ ولید پاکستان آئیں تو انہیں فلکی بے حد پسند آئی اور انہوں نے اپنے بیٹے میراب جو ایم بی اے کر کے ایک امریکی کمپنی میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھا، کے لئے فلکی کا رشتہ مانگ لیا۔ ان دنوں میراب امریکی کمپنی کی جانب سے پاکستان میں موجود ایک برانچ میں اپنی ذمہ داریاں نبھاتا تھا۔

گھر میں سبھی کو یہ رشتہ مناسب لگا تو فلکی نے بھی سب کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔ تفریحاً چھوٹے موٹے عشق لڑانے تو اس نے کب کے ترک کر دیے تھے اور ان دنوں اپنے ہونے والے مجازی خدا کا تصور ہی اس کے لئے بے حد خوش کن تھا۔ ہمیشہ کسی کا ہو جانے کا خیال ہی اسے بے حد آسودگی عطا کرتا تھا۔

فلکی کے گھر والوں نے میراب کے گھر والوں کے پرزور اصرار پر فلک ناز کی ایک دو سالہ پرانی فوٹو میراب کے دیکھنے کے لئے بھجوا دی۔ جس میں وہ جدید لباس پہنے، سہیلیوں کے درمیان مسکرا رہی تھی اور میراب نے وہ تصویر دیکھتے ہی فلکی سے شادی کے لئے ہاں کر دی تھی یوں دونوں گھرانوں میں زور و شور سے شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں مگر امریکا کے آزاد ماحول میں پروردہ میراب کے دل میں ایک سوال اکثر بڑی شدت سے چٹکیاں لیا کرتا کہ ایک خوش شکل لڑکی جسے موقع کی مناسبت سے پہننے اور ہنسنے کا ڈھنگ بھی آتا ہو اور وہ کو ایجوکیشن میں بھی زیر تعلیم رہی ہو تو کیا اس کا کبھی کوئی عاشق نہ رہا ہوگا۔ اسے اپنے گھر والوں سے معلوم ہوا تھا کہ اب اس فوٹو سے فلک ناز بہت مختلف دکھائی دیتی ہے اور باقاعدہ حجاب لیتی ہے۔ یہ یکسر تبدیلی کسی عشق میں ناکامی کا شاخسانہ تو نہیں۔ شکوک و شبہات کا ناگ اس کے اندر پھنکائیں مارنے لگتا اور اپنی اسی سوچ کا اظہار وہ اپنی

نئی نویلی دلہن سے پہلی رات کے بغیر نہ رہ سکا۔

”دیکھئے آج سے ہم ایک نئی زندگی کی ابتدا کر رہے ہیں اور ہمیں چاہیے کہ اگر ہم سے دانستہ یا نادانستگی میں کوئی غلطی ہوگئی ہو تو اسے خدا کو حاضر و ناظر جان کر ایک دوسرے سے معاف کرائیں اور نئے سرے سے ایک صاف شفاف زندگی کا آغاز کریں۔“

فلک ناز حیران تھی اس لیے چپ بیٹھی رہی۔ اس سے ایسی کوئی فاش غلطی بھی سرزد نہیں ہوئی تھی کہ جس کا وہ آج مجازی خدا کے روبرو اعتراف کرتی۔

”بڑی گھنی ہے۔“ میرا ب نے سوچا۔

”دیکھیے کسی کو پسند کرنا کوئی گناہ نہیں ہوتا، کبھی آپ نے بھی کسی کو چاہا ہوگا تو یہ کوئی ایسی بری بات نہ تھی، یقین مائیے اگر آپ مجھے بتا دیں گی تو اس کا اثر ہماری نئی زندگی پر بالکل بھی نہیں پڑے گا۔“

جب اس میں کوئی بری بات ہی نہ تھی تو تم اتنے پریشان کیوں ہو رہے ہو۔ فلکی نے سوچا۔ اس نے نظر اٹھا کر اوپر دیکھا۔

شادی کی پہلی رات کے حوالے سے سنی سنائی تمام رومینٹک کہانیاں اور رومانس کی توقعات دم توڑ رہی تھیں۔

”مجھ پر ٹرسٹ نہیں ہے آپ کو؟“ وہ براہ راست فلکی کی خوبصورت آنکھوں میں جھانک کر بولا۔

”فلکی دیکھیے! میں کسی گھٹے ہوئے ماحول کا پروردہ مرد نہیں ہوں کہ کسی چھوٹی موٹی بات کا برا مان جاؤں گا۔ میری زیادہ تر لائف امریکا میں گزری ہے۔ جہاں شادی کیے بغیر بھی ساتھ رہنا برا نہیں سمجھا جاتا اور چھوٹا موٹا عشق معشوقی تو ایک عام سی بات ہے۔ کئی مرتبہ ڈانس پارٹیوں میں ڈانس کے دوران امریکی لڑکیاں بے خود ہو کر مجھے بھی چوم لیتی تھیں۔ اس لیے میں ایسی باتوں کو کبھی ماسند نہیں کرتا اور ہاں اب تم کہیں یہ مت کہہ دینا کہ چون کہ یہ ایک اسلامی ملک ہے اس لیے یہاں ایسا نہیں ہوتا۔ جذبات تو یہاں کے لوگوں کے بھی ہوتے ہوں گے۔ البتہ منظر عام پر نہیں لائے جاتے ہوں گے۔“

وہ پینترے بدل بدل کر میدان میں اتر رہے تھے۔

”جی بیگم فلک ناز صاحبہ! ہمدن گوش ہوں۔“ وہ اس کا اقرار جرم سننے کو بے تاب تھا مگر کس بات کا اقبال جرم.....؟ جب فلکی نے ایسا کچھ کیا ہی نہیں تھا۔

”میرا یقین کیجئے۔ میرا کبھی کسی سے کوئی لوافیر نہیں رہا۔ میں تنہائی میں کبھی کسی مرد سے نہیں ملی۔ آپ میری زندگی میں آنے والے پہلے مرد ہیں۔“ فلکی نے آہستہ سے سرو اوپر اٹھا کر جواب دیا۔

وہ شاطرانہ ہنسی ہنسا۔ ”چلو مان لیا مگر ہے نا آخر حیرت انگیز بات کہ تم جیسی خوش شکل خوش اطوار لڑکی آس پاس ہو مگر اس کی طرف کبھی کوئی مرد بھی متوجہ نہ ہوا ہو۔ کیا تمہارے سب کزنز اور کلاس فیلوز کے عاشقانہ صفات سے مکمل طور پر محروم تھے؟“

فلکی کو اس لمحے وہ انتہائی چپ لگے۔ اس نے تمام حیا بالائے طاق رکھ کر اپنا گھونگھٹ پیچھے کیا اور سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ اس وقت انہیں مطمئن کرنا

زیادہ ضروری لگا تھا اسے۔ وہ کمر کس کے مباحثے پہ اتر آئی کہ زمانہ طالب علمی میں بہترین مقرر بھی رہ چکی تھی اور دلائل دینا بھی خوب جانتی تھی۔

”میں نے تو نہیں کہا کہ کبھی کوئی مرد میری طرف متوجہ نہ ہو سکتا تھا۔“

شادی کے ابتدائی دنوں میں ہی فلکی کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کا شوہر انتہائی شکی مزاج اور کینہ پرور انسان ہے۔ عیاری و مکاری میں تو وہ اپنا جانی ہی نہیں رکھتا اور منافقت اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔

بہر حال جو بھی تھا، اسے اب زندگی تو میراب کے سنگ ہی بتا تھی۔ سو وہ تقدیر پر صابر و شاکر ہو رہی۔ میراب جس امر کی فرم میں ملازم تھا، اس کی طرف سے اس کا تبادلہ پاکستانی برانچ میں کیا گیا تھا اور اسی کمپنی کی طرف سے اسے فرنشڈ بنگلہ اور نئے ماڈل کی کار بھی دی گئی۔

فلک کی ساس اور نند اس کی شادی کے تیسرے ہی روز امریکا روانہ ہو گئی تھیں کہ ان لوگوں کی مستقل رہائش تو وہیں کی تھی اور پھر اس کی ساس وہاں کسی اسپتال میں بطور گنا کا لوجسٹ جاب بھی کرتی تھیں اور ان کی چھٹی ختم ہونے کو ہی لہذا فلکی کا خیال رکھنے کی تاکید اور جلد امریکا لے کر آنے کی تلقین کرتیں وہ بالآخر واپس امریکا چلی گئی تھیں۔

شادی کے دو چار روز بعد سے ان دونوں کی دعوتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا اور اس کا آغاز فلکی کے لیے میکے والوں کی طرف سے ہوا۔ جہاں فلکی کی امی اور بہنوں وغیرہ نے اس کی خالہ کے گھر کے نزدیک ہونے کی وجہ سے انہیں بھی اس شام فلکی کے ساتھ ہی کھانے پر انوائٹ کر لیا تھا، تاکہ ذرا شغل رہے گا اور فلکی کی کزنز اس سے مل بھی لیں گی۔ فلکی کی بہنوں اور بھابی نے مل کر کھانے پر اچھا خاصا اہتمام کر ڈالا تھا۔ کھانا کھانے کے دوران آپس میں ہلکا پھلکا ہنسی مذاق بھی جاری تھا۔ کہ دفعتاً فلکی کے خالہ زاد نے روئے سخن اس کی جانب موڑا۔

”یہ اپنی فلکی کچھ بدلی بدلی سی نہیں لگ رہی؟“ اور سنجیدگی سے کھانا کھاتی ہوئی فلکی ایک دم گڑباز سی گئی۔

”بھئی بدلی ہوئی تو لگے گی ہی، پہلے مس فلکی تھی اور اب مس میراب ہے۔“ خالہ نے اسے پیار سے دیکھ کر کہا۔

”فلکی تمہاری وہ موٹی سی کپڑے والی گڑیا کہاں ہے اب، جو تمہیں کبھی بے حد عزیز ہوا کرتی تھی۔ کہیں اسے بھی تو اپنے ساتھ سرال نہیں لے گئیں؟“ غفی نے اسے شرارت سے دیکھا اور سبھی ہنس دیے۔

”یہ گڑیا والا کیا قصہ ہے؟“ میراب نے تجسس سے پوچھا۔

”دراصل بچپن میں فلکی کے پاس کپڑے اور روئی سے بنی ایک موٹی تازی گڑیا تھی۔ جسے یہ ہر وقت گود میں لیے گھومتی تھی۔ خالہ جان نے اسے ریشمی کپڑے کا غرارہ ہی کر پہنا رکھا تھا۔“ فلکی کی کزن نے تفصیل بتائی۔ غفی فلکی کی گڑیا کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑا رہتا تھا۔

فلکی نے اپنی اس چندے ماہتاب قسم کی گڑیا کا نام رکھا تھا شیم آرا۔ بس پھر کیا تھا، غفی کے ہاتھ فلکی کو تنگ کرنے کا بہانہ آ گیا، جہاں فلکی کو اس کی گڑیا سمیت دیکھتا نعرہ لگاتا۔

شیم آرا، پھنا غرارہ
نکے کی شکر، نکے کا پارہ
اور یہ اسے مارنے کو لپکتی۔

میراب نے بھرپور قسم کا تہقہہ لگایا۔

”تو وہ اب تاریخی گڑیا کدھر ہے؟“ اس نے پوچھا۔

”پتا نہیں.....“ فلکی منمنائی۔

”ویسے شادی کے بعد اپنی فلکی کچھ نکھری گئی ہے۔“ اس کی کزن نے فتویٰ دیا۔

”سچ بتائیں میری بھائی! آپ نے اسے کون سے واشنگ پاؤڈر میں غوطہ دیا ہے، اب یہ پوچھ لینا تم.....“ عفی نے کرن کی باریک سی آواز بنا کر نقل اتاری۔ تو سب ہنس دیے۔

”تو بہ ہے عفی! تم چپ رہو۔“ کرن خفا ہو گئی۔

”بھئی! اس کے چہرے پر خوشیوں کا عکس ہے، اس لیے نکھری اور پیاری لگ رہی ہے۔“ کسی نے کہا۔

”نکھری گئی ہے یا بلدی کی طرح زرد پڑ گئی ہے۔“ احمر بھائی نے بغور اس کی طرف دیکھا۔ ”مجھے تو یہ پہلے سے کمزور اور پتلی لگی ہے۔“

”نہیں نہیں، میکہ یاد آتا ہوگا..... اس لیے۔“

”لو بھلا میکہ اور فلکی کو یاد آتا ہوگا، بڑی بے مروت ہے، میری بھائی کیا ملے کہ سب سگی ساتھی بھول گئی ہے۔“ عاصمہ بولی۔

”اجی ہم چیز ہی ایسی ہیں۔“ میرا ب نے کھٹکھار کر اپنے کالر کھڑے کیے۔

”اس کا کریڈٹ تو ہمیں جاتا ہے۔“

”جی نہیں یہ دعا ہم ہی نے اسے دی تھی کہ

۔ میکہ کی کبھی یاد نہ آئے

سراں میں اتنا پیار ملے۔“

بھائی نے پیار سے اس کی طرف دیکھ کر کہا اور میرا ب مسکرا دیا۔

سب ہنس بول رہے تھے اور فلکی کے کانوں میں خطرے کی گھنٹیاں بج رہی تھیں، حالانکہ میرا ب خود بھی سب کے درمیان بیٹھا خوب چہک رہا تھا اور گھر والے اس کی خوش مزاجی کے گرویدہ ہو رہے تھے مگر جانے کیوں فلکی کا دل اندر سے کانپ رہا تھا۔ اور پھر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔

☆☆☆

گھر میں داخل ہوتے ہیں اس نے اپنی ٹائی کھول کر دیوار پر دے ماری۔ بوٹ اتار کر ہوا میں اچھالے اور تیزی سے فلکی کی جانب مڑا۔

”تمہارے رشتے دار انتہائی ذلیل اور جاہل لوگ ہیں اور تمہارے بہن بھائیوں کو مذاق کا ذریعہ برسنس نہیں ہے اور تمہارے سارے کزنز.....

انتہائی چیپ لوگ..... ہونہہ..... اور ذرا تم اپنے گھر والوں کو تو دیکھو، نام دعوت کا کر کے باقی سارے رشتے داروں کو وہاں نازل کر لیا۔ مجھے ایسے استعجز خانے میں زیادہ دیر بٹھرنے کی ذرا عادت نہیں ہے۔ رش اور شور و غل سے سر میں درد ہونے لگتا ہے میرے۔ خواہ مخواہ ہی کھانے کے بعد چائے کے بہانے اتنی دیر

روک کر بٹھائے رکھا۔ ذرا احساس نہیں تھا کسی کو کہ نیا شادی شدہ جوڑا ہے، اسے رات گئے تک یوں روکے رکھنا مناسب نہیں۔“

”تو آپ منع کر دیتے چائے کے لئے۔“ فلکی ڈرتے ڈرتے بولی۔

”واہ! میں کیوں منع کرتا، تم نہیں بول سکتی تھیں کچھ۔ مگر تمہیں تو خود سب کے درمیان مزہ آرہا تھا کہ گھر آنے کو دل ہی نہیں چاہا اور وہ غشی کیوں تمہارے غم میں مرا جا رہا تھا؟ آج اسے کچھ زیادہ ہی تمہارے سنگ پیتا زمانہ یاد آرہا تھا اور ہاں وہ احمر..... وہ کیوں بار بار کنکھیوں سے تمہیں دیکھے جا رہا تھا۔ بڑی کمزور اور زرد لگی تھیں تم اسے۔ سچ سچ بتائی دو اب ان دونوں بھائیوں سے کون تمہارا زیادہ عاشق تھا؟“ غصے میں اس کی زبان کمینگی کی آخری حدوں کو چھو رہی تھی ”اور تم..... تم دونوں ہی سے نظریں پڑا رہی تھیں۔“ وہ طنزیہ نظر اس پر ڈال کر مسکرایا۔

”میرو.....!“ فلکی احتجاجاً چلا اٹھی۔ رفتہ رفتہ اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو رہا تھا۔ ”میں آپ کو ایسا نہیں سمجھتی تھی.....“

”میں بھی تمہیں ایسا نہیں سمجھتا تھا..... وگرنہ اگر دل میں چور نہیں تھا تو پھر کیوں وہاں سب کے سچ گونگے کا گڑ کھائے چپ چاپ بیٹھی تھیں۔ سب سے ہنس بول کیوں نہیں رہی تھیں۔ ان فیکٹ تم اپنے عاشقوں کو یہ باور کرانا چاہتی تھیں کہ مجھ سے شادی کر کے تم بالکل بھی خوش نہیں ہو.....“

”پلیز.....! میر..... سناپ اٹ.....!“ وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپائے رو دی۔

اور پھر خالہ کے لاکھ اصرار کرنے اور بار بار فون کرنے کے باوجود بھی وہ ان کے ہاں کی دعوت قبول نہ کر سکی بلکہ ناسازی طبع کا بہانا بنا کر معذرت کر لی۔

اب تو اس نے اپنے میکے کی طرف سے ملنے والی ہر دعوت ہی نظر انداز کرنا شروع کر دی تھی۔

☆☆☆

کتاب گھر کی پیشکش پارس

رخسانہ نگار عدنان کی خوبصورت تخلیق..... معاشرتی اصلاحی ناول پارس کہانی ہے ایک لالہ ابالی کمسن لڑکی کی، جس کی زندگی اچانک اُس پرنا مہربان ہو گئی تھی۔ یہ ناول ہمارے معاشرے کے ایک اور چہرے کو بھی بخوبی اور واضح طور پر دکھاتا ہے اور یہ پہلو ہے ہائی سوسائٹی اور ان میں موجود برگر فیملیز اور نئی بگڑی ہوئی نسل۔ پارس ایک ایسے نوجوان کی کہانی بھی ہے جو زندگی میں ترقی اور آگے بڑھنے کے لیے شارٹ کٹ چاہتا تھا۔ قسمت نے ان دونوں کو ملا دیا اور کہانی نے نیاز خ لے لیا۔ پارس ناول کتاب گھر کے **رومانسی معاشرتی** **اصلاحی ناول** سیکشن میں پڑھا جاسکتا ہے۔

اس دوپہر میرا نسبتاً جلدی گھر آ گیا تھا۔ کھانا تو تیار ہی تھا فلکی نے جھٹ پٹ میز پر لگوادیا۔

”آج شام تم تیار رہنا۔ کمپنی کی طرف سے پی سی میں ڈنر پر انوائیٹڈ ہیں۔“ وہ اطلاع دے کر ٹیکسین سے ہاتھ پونچھتا اٹھ کھڑا ہوا۔ ”اور رجم بخش سے کہنا مجھے شام پانچ بجے تک ضرور جگا دے، میں فی الحال کچھ دیر آرام کے بعد شام کو دم جاؤں گا اور اب تم کچھ دیر کمرے میں آ کر ریٹ کرلو۔“ وہ فلکی سے کہہ کر جواب کا انتظار کیے بغیر اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھ گیا۔

شام کو میرا بچہ اور اسکوئش کورٹ سے گیمز کے بعد واپس آیا تو فلکی پارٹی اٹینڈ کرنے کے لئے پوری طرح تیار تھی۔

ڈارک براؤن ہلکے پھلکے کام والی ساری کے ساتھ نازک سی جیولری پہنے، ہاتھوں پر اسکن کلر گلوڑ چڑھائے، لایٹ سے میک اپ کے ساتھ ساری سے میچ کرتا گاؤن پہنے اور بالوں کو ریشمی اسکارف سے ڈھانپے وہ میرا بچہ کو ذرا بھرنے بھائی۔

”سخت واہیات لگ رہی ہو اس خیمے میں گھسی۔“ اس نے ناک چڑھا کر اس کے ڈھیلے ڈھالے گاؤن کی طرف اشارہ کیا۔ ”چلو اتارو اسے فوراً اور یہ کیا ڈاکوؤں کی طرح منہ پر ڈھاننا باندھ لیا ہے؟“ اس نے فلکی کا حجاب چٹکی میں پکڑ کے چہرے سے تقریباً گھسیٹ لیا۔

”سنو فلک ناز غفاری! کہ میری اپنی فرم میں بے حد ریسپیکٹ ہے اور تم ایسے حلیے میں وہاں گئیں، تو خواہ مخواہ مذاق بنے گا اور لوگ سمجھیں گے کہ میں نے تمہیں پابند سلاسل کر رکھا ہے، تنگ نظری اور جہالت کا لیبیل لگ جائے گا مجھ پر۔ میرے غیر ملکی دوست سوچیں گے کہ مسلمان اپنی بیویوں کو آزاد فضا میں سانس بھی نہیں لینے دیتے شاید۔“

فلکی دم بخود رہ گئی۔

”جاؤ جا کر اپنا حلیہ درست کرو۔ صرف دس منٹ ہیں تمہارے پاس۔“ وہ حکم دے کر جھپاک سے واش روم میں جا گھسا۔

چینج کر کے واپس آیا تو کمرے کے پتوں بیچ اسی طرح کسی سوچ میں گم سم کھڑی فلکی کو دیکھ کر اس کا پارہ ہائی ہو گیا۔ ”یہ شامیانہ اتارنا نہیں گیا تم سے ابھی تک؟“ وہ دھاڑا۔ ”پہلے اتنی دیر ہو گئی۔ اوپر سے تمہارے نخرے ہی ختم ہو کے نہیں دے رہے۔“

”مگر میرا..... اس طرح بے پردگی کا عذاب.....“

”وہاٹ.....؟“ وہ فلکی کی بات کاٹ کر چلایا۔

”پھر وہی بکواس..... سنو!..... یہ کس کو امپریس کرنا چاہتی ہو تم۔ شوہر کے پسندیدہ روپ میں تو ڈھلنا نہیں تم کو..... آج مجھے بتا ہی ڈالو.....“ اس نے مٹھی میں اس کے ریشمی بال جکڑ کر فلکی کے سر کو دائیں سے بائیں کئی جھٹکے دے ڈالے۔ درد کی شدت سے فلکی کے لبوں سے سسکی نکل گئی۔

بال نوچنے کی تکلیف سے چہرہ نیلا پڑ گیا۔

”اسلام میں بے پردگی کی مذمت کی گئی ہے۔“ وہ بمشکل منمنائی۔

”اور شوہر کا حکم کیا درجہ رکھتا ہے یہ کسی نے آج تک نہیں بتایا تمہیں.....؟ بیٹھی رہو گھر میں پردے کی بو بونی۔“ اس نے ایک جھٹکے سے اسے بیڈ پر گٹھا۔ ”تم اس قابل ہی نہیں ہو کہ تمہیں کہیں باہر اپنے ساتھ فنکشن پر لے جایا جاسکے۔“

وہ سخت غصے کے عالم میں گاڑی کی چابی اٹھا کر باہر نکل گیا۔

فلکی دیر تک اسی کیفیت میں بستر پر پڑی روتی رہی۔ اسے یاد آ رہا تھا کہ اس نے پڑھا تھا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”سب عورتوں سے اچھی وہ عورت ہے کہ جب شوہر اس کی طرف نظر کرے تو وہ اس کو خوش کر دے۔“

اف..... کیسی بد بخت تھی فلکی کہ جس کی تمام تر کوششوں کے باوجود اس کا شوہر اس سے خفا ہی رہا تھا۔ تو گویا اس کا شمار آپ کے فرمان کے مطابق اچھی عورتوں میں نہیں تھا۔ تبھی اس نے دل کڑا کر کے ایک فیصلہ کیا اور اٹھ کر لباس تبدیل کرنے کے بعد نئے عزم کے ساتھ وضو کیا اور نماز عشا ادا کر کے اپنی ازدواجی زندگی کی خوشیوں کے لئے دعا کی۔

اگلے روز حسب معمول میراب کے آفس جانے کے بعد ناشتہ کیا اور پھر تیار ہو کر ڈرائیور کو شہر کے معروف بیوٹی پارلر چلنے کا حکم دیا اور جب ایک طویل عرصے بعد بالوں کو جدید انداز میں ترشوا کر، آئی بروز بنوائیں تو اسے اپنا آپ آئینے میں اجنبی لگا۔ ویکنگ تھریڈنگ، فیشل اور فیس پالش کے مراحل سے گزرنے کے بعد نہ جانے کیوں اسے ایسا لگا کہ اس کا چہرہ ایک انوکھی نورانی سی چمک سے محروم ہو گیا ہے اور یہ چھلا چھلا اور رگڑائی کے زور پر لال سرخ منہ ہرگز کسی شیخ وقتہ نمازی اور حجاب لینے والی خاتون کا نہیں ہو سکتا مگر وہ چپ چاپ آنسو پیتی گھر آ گئی۔ جہاں آ کر اس نے اپنا گاؤن اور حجاب بکس کے اندر پرانے کپڑوں کی تہہ میں چھپایا اور دونوں ہاتھ چہرے پر رکھ کر زار و قطار رونے لگی۔ جیسے کوئی اپنے کسی پیارے کو منوں مٹی تلے دفنا کر دیتا ہے۔ البتہ میراب آفس سے واپس آیا تو اسے اس روپ میں دیکھ کر زیر لب مسکرا دیا۔ اپنے مد مقابل ایک کمزور عورت کو زیر کر کے اس کی مردانگی کو عجیب سی تسکین ملی۔

”بھئی ویسے تمہاری ماں ہے بڑی شاطر عورت۔“ وہ تنہائی میں فلکی کے گھر والوں کا تذکرہ اسی بدتمیزی سے کرتا۔ اب فلک نے بھی برا منانا ترک کر دیا تھا۔ بھلا فائر ایفیل کی بری بھلی بات کا کیا ماسند کرنا۔ وہ آج چھٹی والے دن لان میں کرسی ڈالے اخبار پڑھ رہا تھا کہ دفعتاً جانے کیا یاد آ گیا تھا۔

”برہیمانے اپنی پچھنی چپری باتوں سے میری سیدھی سادی ماں کو شیشے میں اتار کر نہ صرف اپنی احمق لڑکی ہمارے گلے منڈھ دی بلکہ اس کا تمام جہیز بھی صفائی سے بچا گئی۔ چلو اب یہی جہیز تمہاری چھوٹی بہن کے کام آ جائے گا۔“ وہ عجیب استہزائیہ ہنسی ہنسا۔

”آپ نے خود ہی زبردستی منع کر دیا تھا کہ میرا گھر تو نقل فرشتہ ہے لہذا مجھے کسی شے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ورنہ جہیز تو تیار ہی تھا۔“ فلکی نے دھیرے دھیرے یاد دلایا۔

”لوجی، ہم نے ذرا جھوٹ موٹ کی عاجزی دکھائی اور تمہاری اماں جھٹ بچ مان گئیں۔ ویسے اپنے مطلب کی بات وہ جلدی سمجھ لیتی ہیں۔ وہ بے ہودہ سی ہنسی ہنس کر بولا۔

”میرے گھر والوں کو عیاری و مکاری دکھانا جو نہیں آتی۔ جب آپ نے محض اپنی واہ واہ کرانے کے لئے جہیز لینے سے انکار کیا تو وہ اسے واقعی آپ کا بڑا پین سمجھتے تھے۔“

فلکی کے لہجے میں کوئی ایسی بات ضرور تھی کہ میراب چونک اٹھا اور اس سے پیشتر کے وہ کوئی سخت بات جواباً کہتا کہ اس کی نظر گیٹ سے اندر داخل ہوتی سفید آٹو پر پڑی۔

جہاں سے چند لمحوں بعد فلکی کی امی اتر کر انہی کی جانب قدم بڑھا رہی تھیں۔

”آئیے امی..... السلام علیکم!“ وہ فوراً لمبوں پر مسکراہٹ سجائے خوش دلی سے ان کے استقبال کو آگے بڑھا۔

”آج یقیناً آہی گیا کہ واقعی دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ بے شک فلک سے پوچھ لیجئے۔ میں ابھی آپ کو ہی یاد کر رہا تھا۔“

”تو گھر چلے آتے بیٹا!“ امی نے سادگی سے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر دعا دی جب کہ فلکی چپ چاپ اس کے پیچھے کھڑی شوہر کو یکدم پینتر ابدلتے دیکھ رہی تھی اور پھر میراب نے ہی اصرار کر کے امی کو دوپہر کے کھانے پر روک لیا۔ وہ ان کے سامنے مجسم ادب بنا خدمت میں پیش پیش تھا۔ امی آپ کمر کے پیچھے یہ گاؤں کیے لگا لیں، یہ رکھ لیں، وہ پی لیں، ادھر آ کر لیٹ جائیں.....

اور امی میراب کی فرماں برداری پر نہال ہوئی جا رہی تھیں۔

”ارے خوش رہو بیٹا! جیتے رہو۔ اپنی ماں کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنے رہو۔ میری فلکی خوش نصیب ہے کہ اسے تمہارے جیسا شریک سفر ملا اور مجھے تو اللہ تعالیٰ نے داماد کی شکل میں ایک اور بیٹا دے دیا۔“ بھیا کی آٹو کا ریمب ڈرائیور میراب نے اسی وقت واپس بھجوا دی کہ میں خود امی کو جا کر چھوڑ آؤں گا۔

اور واقعی مغرب کے بعد وہ امی کے بار بار اصرار پر انہیں جا کر واپس گھر چھوڑ آیا تھا۔

”پورے ہفتے انتظار کے بعد ایک دن چھٹی کا آتا ہے اور وہ بھی تمہاری اماں کی خدمتوں کی نذر ہو گیا۔“ رات کو وہ اپنے بیڈروم میں بستر پر لیٹا سگریٹ سلگائے مسلسل فلکی کی جان جلاتا رہا۔

اور پھر جب میراب کا تادم اسلام آباد کی برانچ میں ہوا تو سب سے زیادہ خوش فلکی ہی تھی۔ اب میکہ دور ہونے کے باعث کم از کم میراب اسے گھر والوں کی باتیں لے کر زچ تو نہ کر سکے گا۔

نیا گھر، نیا ماحول اور نئی جگہ فلکی کو بے حد پسند آئی۔ فلکی نے کچھ سکون کا سانس لیا۔ آج کل میراب کے پاس نئے آفس کی مصروفیات میں الجھ کر تنگ کرنے کا زیادہ موقع نہیں مل رہا تھا یا پھر وہ رفتہ رفتہ اپنی ٹوبہ لئے پر آمادہ تھا۔

میراب اپنی روش ترک کر رہا تھا یا پھر فلکی کی خاموش خدمت دھیرے دھیرے رنگ لارہی تھی۔ بہر حال جو بھی تھا ان دنوں گھر میں خاصا امن تھا۔

پچھلے کئی روز سے فلکی کی طبیعت خراب تھی۔ ذرا نیکی سے سرائٹھاتی تو زوردار چکر آنے لگتے۔ مغرب کا وقت ہونے والا تھا اور کمرے میں ملگجے سا اندھیرا اتر آیا تھا مگر اس کے اندر اٹھ کر لائٹ آن کرنے کی بھی ہمت نہ تھی۔ آج تو اس نے کھانا بھی نہیں بنایا تھا۔ یہ فرض رحیم بخش نے ہی ادا کیا تھا۔ تبھی میراب کمرے میں آ گیا اور ہاتھ بڑھا کر لائٹ آن کر دی۔ وہ شاید ابھی گیمرز سے واپس آیا تھا۔

لان ٹینس کا ریکٹ ہاتھ میں تھامے وہ کافی تھکا تھا سا لگ رہا تھا۔ بیڈ کے پاس پڑی کرسی پر بیٹھ کر اس نے اپنے جاگرز کھولے اور ایک نظر بیڈ پر پڑی فلکی پر ڈالی۔ ایک دم سے اسے یاد آیا کہ یہ وقت تو فلکی کے سونے کا نہیں ہے، وہ تو ہر نماز پر وقت ادا کیا کرتی ہے جب کہ اب تو مغرب کی نماز بھی قضا ہونے والی ہے۔ تب وہ اٹھ کر اس کے قریب چلا آیا۔

”فلک! اٹھو! فلک!“ وہ بے اختیار اس کے نرم بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا۔

”فلکی! میری جان اٹھو! دیکھو مغرب کی نماز نکل رہی ہے تمہاری۔ مائی سویٹ ہارٹ۔“ وہ اس پر جھک آیا۔

عجب متضاد شخصیت کا مالک تھا میرا ب۔ کبھی دھوپ کبھی چھاؤں۔ گھڑی میں تولہ، گھڑی میں ماشا۔ محبت جتانے میں آتا تو انتہا کر دیتا۔ غصے میں ہوتا تو کمینگی کی ساری حدیں کر اس کر جاتا۔ میانہ روی اس کے مزاج کا خاصا نہیں تھی۔

”پلیز میرا! میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“ وہ کسمائی۔

”کیا ہوا تمہیں!؟“ وہ اس کے گریز پر چونکا۔

”بس ابکیاں سی آرہی ہیں، وومیٹنگ (Vomiting) کے ساتھ زوردار چکر سے محسوس ہو رہے ہیں۔“

”کیا کھایا تھا دن میں؟ کہیں فوڈ پوائزن تو نہیں ہو گیا تمہیں۔“ وہ واقعی اس کے لیے پریشان سا لگ رہا تھا۔

”پتا نہیں کیا ہے!؟“ فلک بے بسی سے منمنائی۔

”دراصل تم ہر وقت گھر میں گھسی رہتی ہو اس لیے بھی دل گھبرا رہا ہوگا۔ چلو ذرا چیکنج کر کے فریش ایئر میں آ جاؤ۔“

”پلیز میرا! مجھے یہیں لیٹا رہنے دیں۔“

”چلو چلو شاباش! ہری آپ! میں بھی بس شاور لے کر ابھی آتا ہوں۔“ وہ فلکی کا احتجاج اور التجا نظر انداز کر کے وارڈ روب سے اپنا پستنی شلوار سوٹ اٹھا کر ہاتھ روم میں گھس گیا۔

وہ خود پر جبر کر کے بمشکل تمام تیار ہو کر باہر آئی تو میرا ب گاڑی اسٹارٹ کیے اس کا منتظر تھا۔ اسے دیکھ کر میرا ب کے لبوں پر مسکراہٹ ریگ گئی۔ میرا ب کا موڈ شاد و نادر ہی کبھی اتنا اچھا ہوتا تھا چنانچہ فلکی نے اسی کو غنیمت جانا۔

وہ اسے ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں لے آیا۔ ”میں نے سوچا کئی روز ہو گئے باہر نہ رہی نہیں کیا تم نے۔ تم بھی کیا سوچتی ہو گی مگر یہاں آفس میں کام ہی اس قدر تھا کہ بس!۔“

فلکی بے بسی سے مسکرا دی۔ اس نے بڑی بمشکل سے قے کو حلق کے اندر روک رکھا تھا۔

میرا ب کیا کہہ رہا تھا، کیوں مسکرا رہا تھا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ سر بری طرح چکرار ہا تھا اور پھر جب ویٹرنے کھانا سامنے لا کر رکھا تو اس کی خوشبو سے ہی فلکی کا جی بری طرح اُوب گیا اور وہ ابکیاں لیتی ہوئی واش روم میں جا گھسی۔

میرا ب اس کی حالت دیکھ کر پریشان ہوا تھا تھا۔ جیسے تیسے کھانا ختم کیا اور فلک کو لے کر اپنے ایک دوست کے گھر پہنچا جس کی بیوی شہر کی

مشہور گانا کا لو جھٹ تھی۔

اس نے اچھی طرح سے فلکی کا چیک اپ کیا اور یہ خوشخبری سنائی کہ فلکی ماں بننے والی ہے۔ فلکی کی تو خوشی کی انتہا نہ تھی مگر میراب نہ جانے کیوں چپ سا ہو گیا۔ گھر آ کر فائلیں اٹھا کر کمپیوٹر پر جا بیٹھا اور فلکی نہ سمجھتے ہوئے اس کے رویے پر حیران سی آ کر اپنے بیڈ پر لیٹ گئی۔ رجم بخش اسے دودھ میں اوٹلین ملا کر دے گیا تھا۔ تبھی فون کی گھنٹی بج اٹھی اور یہ خبر اس پر بجلی بن کر گری کہ شبانہ آپا جو کہ فلکی سے صرف ڈیڑھ برس بڑی تھیں اور جن کی شادی میٹرک کرتے ہی اپنے ماموں زاد سے ہو چکی تھی، اب وہ بیوہ ہو گئی تھیں۔ احسان بھائی (شبو آپا کے شوہر) کا ٹرک سے ایکسڈینٹ ہوا تھا جس میں وہ جانبر نہ ہو سکے اور اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

”تم آرہی ہو فلکی؟“ امی فون پر اس سے پوچھ رہی تھیں۔

”جنازے پر پہنچ سکو تو قتل پر پہنچ جانا۔ سوئم تو دو روز بعد ہی ہوگا۔“ تب فلکی سوچ میں پڑ گئی اور امی کو بتا ہی ڈالا کہ ان دنوں ڈاکٹر نے اسے سفر سے منع کر رکھا ہے۔ تب امی نے اسے اپنا خیال رکھنے کی تاکید کرتے ہوئے فون بند کر دیا۔ شبو آپا کے دکھ کے خیال سے وہ کتنی دیر آزرہ رہی اور میراب کمرے میں آیا تو وہ خود پر قابو نہ رکھ سکی اور اس کے کاندھے پر سر رکھے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ تب وہ اسے دیر تک تھکتا رہا۔

فلکی سوچ رہی تھی کہ میراب باپ بننے والی خبر پر بے حد خوش ہوگا مگر اس کا رویہ عجیب مبہم سا تھا اور پھر اگلے چند روز میں اس نے فلکی سے انوکھی فرمائش کر دی۔

”تم پہلی فرصت میں اپنا ابارشن کراڈالو۔“

”مگر کیوں؟؟؟“ فلکی سراپا احتجاج بن گئی۔

”چوں کہ مجھے پریکٹنسی کے زور پر پھولی پھولی بے ڈھپ خواتین اچھی نہیں لگتیں۔ اتنا زبردست فگر ہے تمہارا۔ سارا ستیاناس ہو جائے گا۔“ نہایت اطمینان سے جواب ملا۔

”مگر شرعی رو سے یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ ایک جان کے قتل کے مترادف ہے یہ.....“ فلکی نے تمام تر ہمت یکجا کر کے کمزوری آواز میں دلیل دی۔

”ابھی جان ہی کہاں پڑی ہے بچے میں۔ تیسرے مہینے کے بعد جا کر یہ مسئلہ ہوتا ہے۔“ پریکٹنسی سے متعلق اس کی معلومات حیرت انگیز تھیں۔ اس کی زبان سے امریکی شہریت بول رہی تھی۔ جہاں ٹین ایجر زلزلے کیوں میں ابارشن نارمل سی بات تھی اور جہاں نا جائز اولاد پیدا کرنے میں بھی کوئی حرج نہ سمجھا جاتا تھا۔

جیسے جیسے دن گزرتے جائیں گے تو تمہارے لیے معاملہ زیادہ رسکی ہوتا جائے گا۔ اسی لیے تو کہہ رہا ہوں کہ میں نے ڈاکٹر عالمہ افتخار سے بات کر لی ہے لہذا تم کل ہی اس کے کلینک جا کر اس سے نام لے لو اور جتنی جلدی ہو سکے اس مصیبت سے چھٹکارا حاصل کر لو۔“

”مصیبت.....؟“ فلکی حیران رہ گئی۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی نعمت یا رحمت سے فیض یاب کرنا چاہا رہا تھا اور میرا سے مصیبت گردان رہا تھا۔

اپنی ہونے والی اولاد کو اپنے خون کو۔ فلکی نے ایک دزدیدہ نظر اس پر ڈالی۔ وہ اسے اس کی مامتا کے قتل کا فرض سوچ کر بستر پر آڑا تر چھالینا اپنے سامنے پڑے میگزین میں شائع ہونے والی ایک ماڈل کی رنگین فوٹو میں اس کے مہین لباس تلے نسوانی خدو خال کا بڑی دلچسپی سے جائزہ لے رہا تھا۔ فلکی کو یاد آیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”سب عورتوں سے اچھی وہ عورت ہے کہ جب شوہر اس کی طرف نظر کرے تو اسے خوش کر دے اور جب وہ کوئی حکم دے تو اس کی اطاعت کرے اور اپنی جان و مال میں اس کو ناخوش کر کے اس کی مخالفت نہ کرے۔“ پھر وہ کیوں میرا ب سے اختلاف کر رہی تھی۔ یہاں تو ”جان“ و مال بھی میرا ہی تھا۔ تب وہ سینے میں اٹھتی چیخوں کو دبا کر ایک بار پھر راضی بہ رضا ہو گئی۔

میرا ب کے چہرے پر سارا ”کام“ بروقت اور ٹھیک طرح سے ہو جانے پر گہرا اطمینان چھایا ہوا تھا۔ فلک کے ہاسپٹل سے گھر آنے کے بعد بھی میرا ب نے اس کا کافی خیال رکھا۔ اپنے سامنے بٹھا کر اسے سب ڈٹ کر کھلاتا۔ کبھی لازم سے ملک شیک بنوا کر اپنے سامنے پلاتا، زبردستی ساتھ آؤٹنگ پر لے جاتا اور آفس سے واپسی پر بھی اس کی دلجوئی میں مصروف رہتا۔ وہ اس کا اتنا خیال رکھتا کہ خود فلکی شرمندہ سی ہو جاتی۔

اور ایک دن جب امی کا فون فلکی کی خیریت معلوم کرنے کے لئے تو وہ انہیں دھیرے دھیرے سے تفصیل بتا رہی تھی۔

”وہ امی میں ہاتھ روم میں سلپ ہو گئی تھی اس لیے.....“

اپنے جھوٹ پر وہ خود حیران ہو رہی تھی۔ وقت آہستہ آہستہ منافقت سکھار ہا تھا۔ امی کی ہی زبانی اسے معلوم ہوا کہ اب آپاعدت کے بعد مستقل طور پر اپنے میکے چلی آئیں گی۔

☆☆☆

سلگتے چہرے

ضو بار یہ ساحر کے جذبات نگار قلم سے ایک خوبصورت ناول..... اُن سلگتے چہروں کی کہانی جن پر بھی آنکھوں میں انتظار کا عذاب لو دے رہا تھا۔ ایک ایسی لڑکی کی داستان حیات جسے اپنے خوابوں کو کچل کر میدانِ عمل میں آنا پڑا۔ اس کے نزلِ محل جذبوں پر فرض کا ناگ بھٹن کاڑھے بیٹھا تھا۔ اس لئے محبت کو جانچنے پر کھنے کے فن سے وہ ناواقف تھی۔ لیکن اس سب کے باوجود دل کے ویرانے میں کہیں ہلکی ہلکی آنچ دیتا محبت کا جذبہ ضرور موجود تھا۔ وہ جو سائے کی طرح قدم قدم اسکے ساتھ رہا اس پر بیتنے والی ہر اذیت کو اُس نے بھوگا۔ وہ ادھوری لڑکی اُسے جاننے اور پہچاننے کی کوشش میں لگی رہی۔ مگر وہ عکس کبھی پیکر بن کر اسکے سامنے نہیں آیا اور جب وہ سامنے آیا تو بہت دیر ہو چکی تھی؟؟

یہ ناول کتاب گھر پر دستیاب ہے، جسے رومانی معاشرتی ناول سیکشن میں پڑھا جاسکتا ہے۔

”میں آپ کے لیے چائے لاتی ہوں۔“ فلک میراب کے لیے چائے بنانے کو اٹھنے لگی۔ اسے معلوم تھا کہ میراب کو آفس سے گھر آتے ہی سب سے پہلے چائے کی طلب ہوتی ہے جب کہ دوپہر کا کھانا وہ آج کل آفس میں ہی کھا لیتا تھا۔

”تم میرے پاس بیٹھو چائے رحیم بخش لارہا ہے۔“

رحیم بخش ٹرائی پاس رکھ کر گیا تو فلکی پیالوں میں چائے انڈیلنے لگی۔ اچانک ہی میراب کو لمبے بالوں والی گندی رنگت کی یہ معصوم سی لڑکی اپنے دل کی گہرائیوں میں اترتی ہوئی معلوم ہوئی جو اس کے تمام تر برے سلوک کے باوجود اپنے رشتے کی وضعداری نباہ رہی تھی اگر میراب بار بار کی سنہری زلفوں کا قیدی تھا تو اس میں اس لڑکی کا تو کوئی قصور نہ تھا۔ جسے ان دونوں کے گھر والوں نے میرو کے ساتھ مضبوط بندھن کی ڈور میں باندھ دیا تھا۔

”تمہارے بال بہت خوب صورت ہیں فلکی!“ وہ آج تعریف کیے بغیر نہ رہ سکا۔

”تھینک یو۔“ یہ کہتے ہوئے فلکی جس طرح بلش ہوئی وہ اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

”تم واقعی خالصتاً مشرقی لڑکی ہو۔“ وہ ہنس دیا۔ ”تمہیں دوسروں کو مودہ لینے کا ہنر آتا ہے۔ تبھی تو امریکا میں رہتی ہوئی میری ماں پاکستان آئی تو تمہیں دیکھتے ہی تم پر مر مٹی اور مجھے دو بول پڑھوا کر ہمیشہ کے لئے تمہارے حوالے کر دیا۔ اسے ڈر تھا کہ میں کہیں کسی امریکن لڑکی کے ہتھے نہ چڑھ جاؤں۔“ وہ ہنسا۔

”کیسا لگا آپ کو امی کا انتخاب.....؟“ نہ جانے کیوں فلکی اس کی آنکھوں میں دیکھ کر پوچھ ہی بیٹھی۔ حالاں کہ اس کا جواب تو وہ شادی کے بعد پہلے ہی دن سے لے کر اب تک اپنے رد عمل سے دیتا رہا تھا۔

”نو ڈاؤٹ..... تم بہت مضبوط توت ارادی کی مالک ہو۔“ وہ نکمیں سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے بولا۔ پتا نہیں یہ تعریف کی تھی کہ تنقید، مگر اتنا ضرور تھا کہ فلکی کو لگا کہ میراب کے دل کی کھڑکیاں رفتہ رفتہ فلکی کی طرف کھلنے لگی ہیں اسی شام وہ اسے اپنے ساتھ کپڑوں پر لے گیا اور اس کے ناں ناں کرنے کے باوجود اس کے لیے تین چار خوب صورت سوئس بیک کروادیے۔ وہ دلکش انداز میں سلگتا ہوا سگریٹ اپنے ہونٹوں کے کنارے دبا کر بیگز میں ڈپلے سوئٹوں کا جائزہ لیتا اور پھر جوا چھا لگتا بیگز سے کھینچ کر نکالتا۔

”یہ تم پر بہت چچے گا، ٹرائی روم میں لے جا کر ٹرائی کرو۔“ فننگ وغیرہ ٹھیک سے چیک کر لینا۔ ورنہ آئٹریشن کے لئے دے جائیں گے اور کل پک کر لیں گے۔“

فلکی تو بس اسے دیکھے گئی۔ یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ یہ کچھ عرصہ پہلے والا میراب ہے پھر وہ اسے وینچ لے گیا جہاں انہوں نے رات کا کھانا کھایا۔

”میں کل صبح آفس سے ہی دو روز کے لیے ملتان جاؤں گا۔“

”کیوں.....؟“ تنہائی کے خیال سے فلکی آزر رہی ہو گئی۔

”ایک ڈیلیکیشن آرہا ہے کمپنی کے وزٹ کے لئے۔ اسے وہاں ریسیو کر کے لانا ہے۔ ملتان والی فرم کا بھی دورہ ہے بس۔“

”اچھا.....“ فلکی چپ کر گئی۔

”تم بھی چلنا چاہو تو چلو.....“ میرو نے آفر کی۔

”نہیں..... میں کیا کروں گی جا کر۔“ فلکی نے کہا۔

”یہاں رہ کر بھی کیا کرو گی؟“ میرو نے فحش کا نٹالگ کرتے ہوئے کہا۔

”آپ کا انتظار.....“ فلکی نے جھکی پلکیں اٹھا کر جواب دیا اور میرا ب اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ ٹی پنک اور میروں کے امتزاج میں وہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔

☆☆☆

موبائل کی بیپ بج رہی تھی، فلکی نے موبائل اٹھا کر کال ریسیو کی ”ہیلو۔“
 ”فلکی کی بچی میں عفی بول رہا ہوں۔ اسلام آباد ایئر پورٹ سے مجھے اپنے گھر کا ایڈریس سمجھا۔ تاکہ ٹیکسی پکڑ کر جلدی پہنچوں اور ہاں کچھ پکا کر رکھا ہے ناں۔ ایمان سے بڑے زوروں کی بھوک لگی ہے۔“

”آں.....!“ فلکی چونک اٹھی۔ مگر میرا ب تو ملتان گئے ہوئے ہیں۔“ فلکی نے بے ساختہ کہا۔

”چلو یہ تو اور اچھا ہے ورنہ ان کی شرما شرمی میں مجھے پہلے مٹھائی وغیرہ کی دکان کے آگے رک کر کچھ لانا پڑتا اب تو خالی ہاتھ بھی آ جاؤں گا تو کوئی مضائقہ نہیں۔“ وہ بچوں کی طرح خوش ہو کر بولا۔ ”اچھا اب جلدی سے گھر کا پتہ دو ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ خفا ہو کر ہوٹل میں ٹھہر جاؤں اور تم گلے شکوے کرتی پھرو۔“

”خدا کرے کہ تم کسی ہوٹل میں ہی ٹھہر جاؤ۔“ فلکی نے سوچا مگر کہہ نہ سکی اور سمجھے دل کے ساتھ اپنے گھر کا پتہ سمجھانے لگی اور فون رکھ کر رحیم شاہ کو گیٹ روم ٹھیک کرنے کی ہدایات دے کر کھانا ٹیبل پر لگانے کے لئے برتن نکالنے لگی۔

☆☆☆

یہ گلیاں یہ چوہاں

کتاب گھر پر **عشق کا عین** اور **عشق کا شین** پیش کرنے کے بعد اب پیش کرتے ہیں **عشق کا شین (II)**
 عشق مجازی کے ریگزاروں سے عشق حقیقی کے گلزاروں تک کے سفر کی روداد..... امجد جاوید کی لازوال تحریر۔ **عشق کا شین (II)**
 کتاب گھر کے **معاشرتی رومانی ناول** سیکشن میں پڑھا جاسکتا ہے۔

”فلکی! کیا ہو گیا ہے تمہارے ذوق کو۔ باہر اتنا خوب صورت موسم ہے، بارش اب برسی کہ تب برسی اور تم ہو کہ کمرہ بند کئے اٹواٹی کھٹواٹی لیے پڑی ہو۔“ عفی دروازہ ٹاک کر کے اندر چلا آیا تھا۔ میں اکیلا بورہور ہا ہوں۔ کیا تمہارے گھر میں مہمانوں کے ساتھ ایسا سلوک کیا جاتا ہے کہ کھلا پلا کر گیٹ روم کی جانب ہانک دیا کہ بھئی جاؤ بس ہمارا دماغ مت کھاؤ۔“

وہ آکر اس کے بیڈ کے کونے پر ٹک گیا۔ ”چلو ذرا کارڈز نکالو۔ آؤ کارڈز کھیلتے ہیں۔“

”دل نہیں چاہ رہا عفی!“ فلکی نے جان چھڑانا چاہی۔

”تو پھر آؤ لاگ ڈرائیو پر چلتے ہیں۔ دسمبر جنوری کی بارش ہو تو آئس کریم کا ٹھنڈا ٹھار کپ بڑا مزہ دیتا ہے ڈاکٹر بیمار ہونے پر ٹانگ بھی

بڑے مزے کے دیتا ہے۔“

فلکی مسکرائی۔

”نہیں میں تمہیں آئس کریم کے بعد گرم کافی کاگ پلا دوں گا۔ تم چلو تو سہی۔“ اس نے اصرار کیا۔

”یہ المیہ فلموں کی ہیروئنوں والا لباس بدلو۔“ اس نے فلکی کے سیاہ لباس پر چوٹ کی۔ میں تمہارے غمگین ہوئے بغیر بھی میرا اب بھائی کے آنے پر انہیں بتا دوں گا کہ تم ان کی جدائی میں بے حد دکھی رہیں اور کالی شال لپیٹ کر المیہ گیت سنتی رہی ہو۔ وفاداری یوی کے پورے نمبر ملیں گے تمہیں۔ چلو اب اٹھ بھی جاؤ۔“

عفی نے فلکی کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور عین اسی لمحے دروازہ کھلا اور میرا اب اندر داخل ہو گیا۔ چند لمحے گم صم دروازے میں کھڑا رہا اور پھر ہونٹوں پر زہر آلودی ہنسی سجا کر ان دونوں کی طرف بڑھا۔ میرا اب کے چہرے کے تاثرات اور موقع محل کی نزاکت نے عفی اور فلکی کو وہیں جامد وساکت کر دیا تھا۔

”خوب..... تو یہاں یہ کھیل چل رہا ہے۔“ میرا اب بولا تو اس کے لہجے میں بادلوں کی سی گھن گرج تھی۔

”میرا اب بھائی..... میں دراصل فلکی کو کہہ رہا تھا کہ.....“ عفی ہمت پکڑ کر آگے بڑھا۔

”اسٹاپ اٹ..... مجھے مزید فوٹو بنانے کی ضرورت نہیں ہے اب۔ وہ شدید دھند اور موسم کی خرابی کی بنا پر میری فلائٹ کینسل ہو گئی اور میں آفس سے سیدھا گھر آ گیا۔ شاید یہی دکھانے کے لئے مجھے قدرت گھیر کر ادھر لے آئی۔ ورنہ فلکی بی بی کی معصومیت کا پردہ کس طرح چاک ہوتا۔“ اس نے طنزیہ نظریت بنی ہوئی فلکی کی طرف اچھالی۔

”آپ غلط سمجھ رہے ہیں میرا بھائی! فلکی میری سگی بہنوں کی طرح ہے۔ اگر اس کے اور میرے درمیان کوئی اور چکر ہوتا تو یہ آج آپ کے گھر میں موجود نہ ہوتی۔ میں حلف اٹھانے کو تیار ہوں۔“ عفی اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا اور خاموش کھڑے میرا اب کو دیکھ کر فلکی کی طرف مڑا۔

”میں جا رہا ہوں فلکی! دعا ہے کہ تم اپنے گھر میں سدا خوش رہو۔ کوئی پراہم تھا تو مجھے صاف صاف گھر آنے سے منع کر دیتیں لگی! کیوں بے کاری مروت میں ماری گئیں۔“ وہ فلکی کے سر پر ہاتھ رکھ کر مڑا اور گیٹ روم سے اپنا بریف کیس اٹھا کر باہر چل دیا۔

اس کے گھر سے چلے جانے تک میرا اب اسی طرح کمرے کے بیچ میں کھڑا رہا۔ فلکی اب بے آواز رو رہی تھی۔ تب میرا اب دھیرے

دھیرے چلتے فلکی کے عین سامنے آ کر رک گیا۔ دونوں ہاتھ فلکی کے شانوں پر رکھے اور آہستہ سے اسے مخاطب کیا۔

”فلکی.....! میں میراب ولد زریاب علی تمہیں اپنے پورے ہوش و حواس کے ساتھ طلاق دیتا ہوں..... طلاق دیتا ہوں..... طلاق دیتا ہوں۔“
”نہیں.....!“ فلکی کے حلق سے گھٹی گھٹی سی آواز نکلی۔

”یہ کیا کیا صاحب آپ نے.....؟“ رحیم بخش جو پلیٹ میں پانی کا گلاس رکھے اندر آنے کی اجازت طلب کر رہا تھا بلبلاتا اٹھا۔
”یہ اسی قابل تھی۔“ میراب فلکی پر نفرت بھری نگاہ ڈال کر باہر نکل گیا اور فلکی فرش پر جھکتی چلی گئی۔



قلمکار کلب پاکستان

﴿..... اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ مختلف موضوعات پر لکھ سکتے ہیں؟

☆..... آپ اپنی تحریریں ہمیں روانہ کریں، ہم ان کی نوک پلک سنوا دیں گے۔

﴿..... آپ شاعری کرتے ہیں یا مضمون و کہانیاں لکھتے ہیں؟

☆..... ہم انہیں مختلف رسائل و جرائد میں شائع کرنے کا اہتمام کریں گے۔

﴿..... آپ اپنی تحریروں کو کتابی شکل میں شائع کرانے کے خواہشمند ہیں؟

☆..... ہم آپ کی تحریروں کو دیدہ زیب و دلکش انداز میں کتابی شکل میں شائع کرنے کا اہتمام کرتے ہیں۔

﴿..... آپ اپنی کتابوں کی مناسب تشہیر کے خواہشمند ہیں؟

☆..... ہم آپ کی کتابوں کی تشہیر مختلف جرائد و رسائل میں تبصروں اور تذکروں میں شائع کرنے کا اہتمام کرتے ہیں۔

اگر آپ اپنی تحریروں کے لیے مختلف اخبارات و رسائل تک رسائی چاہتے ہیں؟

تو..... ہم آپ کی صلاحیتوں کو مزید نکھارنے کے مواقع دینا چاہتے ہیں۔

مزید معلومات کے لیے رابطہ کریں۔

ڈاکٹر صابر علی ہاشمی

قلمکار کلب پاکستان

0333 222 1689

qalamkar_club@yahoo.com

باب 2

کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

<http://kitaabghar.com><http://kitaabghar.com>

رحیم بخش پانی سے لبریز گلاس میز پر رکھ کر تیزی سے فلکی کی سمت لپکا۔

”خود کو سنبھالے بیگم صاحبہ! حوصلہ کیجئے۔“

”آں..... ہاں.....“ فلکی نے اپنی بند ہوتی آنکھوں کو جبراً کھول کر رحیم بخش کی جانب دیکھا جو تشویش بھری نظروں سے فلکی کی تیزی سے بدلتی ہوئی کیفیت کو جانچ رہا تھا۔

اگرچہ فلکی کے سینے میں درد کی شدید ٹیسیں اٹھ رہی تھیں، خود کو سنبھالنے کی کوشش میں فلکی اپنا بے جان پڑتا وجود کھیل کر قریب پڑی صوفہ چیر پر جا بیٹھی۔

”پانی پی لیجئے۔“ رحیم بخش نے پانی کا گلاس فلکی کی جانب بڑھایا۔

”نہیں رحیم بخش..... اب اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اب بہت بہتر ہوں، اس لئے تم بے شک کمرے سے جا سکتے ہو۔“ فلکی نے دھیرے سے کہا۔ ناچار رحیم بخش گلاس ہاتھ میں تھامے کمرے سے باہر نکل گیا۔

زندگی میں یک دم ہی اتنی تاریکی چھا گئی تھی کہ اب کچھ بھائی نہیں دے رہا تھا۔

تب فلکی تمام تر حوصلے کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔

دیکھتے ہی دیکھتے حالات ایسے بے قابو ہوئے کہ فلکی یہاں اجنبی ہو گئی تھی، اسے تو صفائی کا موقع بھی نہیں دیا گیا تھا اور سزا سنا دی گئی تھی، تقدیر کے بے رحم ہاتھوں نے کھڑے کھڑے فلکی کے قدموں تلے سے زمین کھینچ لی اور سر سے سائبان نوج ڈالا۔ فلکی نے ایک سرسری نظر اپنے گرد و پیش پر ڈالی، چند لمحوں قبل یہاں کی ہر شے اس کی ملکیت تھی، اور اب..... اب کچھ بھی اپنا نہیں رہا تھا۔ میرا بسمیت۔

ایک ٹھنڈی آہ بھر کے فلکی ڈرینگ روم میں پڑا اپنا سوٹ کیس گھسیٹ لائی، اور وارڈروب کھول کر اس میں لٹکے دو چار سوٹس بیگز سے

کھینچے اور یونہی تہ لگائے بغیر گول مول کر کے سوٹ کیس میں ٹھونس لئے، پھر اپنے بکھرے ہوئے بالوں کو سمیٹ کر انہیں کلپ کیا، بستر پر پڑی اپنی سیاہ شال اٹھا کر کندھوں پر ڈالی اور سوٹ کیس ہاتھ میں تھامے نپے تلے قدم اٹھاتی ”المیر“ سے ہمیشہ کے لئے باہر نکل آئی۔ رحیم بخش کی اس پر نظر پڑی تو فلکی کے پیچھے دوڑا۔

”بیگم صاحبہ بیگم صاحبہ..... جیسی لادوں یا پھر ڈرائیو چھوڑ آتا ہے آپ کو.....“ فلکی افسردگی سے مسکرا دی اب بھلا وہ اس کی بیگم صاحبہ کہاں رہ گئی تھی!!!

اور اب اسی ناتے اسے ڈرائیور کی خدمات لینے کا بھی کوئی حق نہیں تھا۔

”بہت شکریہ رجم بخش!! ابھی کوئی نہ کوئی سواری مل جائے گی مجھے، بس اب تم گھر جاؤ، اللہ نگہبان.....“

اگرچہ فلکی کا تمام وجود حالات کے بے رحم تھپیڑوں کی زد پر تھا اور اس کے سوچنے سمجھنے کی طاقت سلب ہو چکی تھی، ہاتھ پاؤں لرز رہے تھے، اور آنکھوں میں اُمڈتے آنسو بار بار اس کے سامنے کا منظر دھندلا دیتے تھے مگر جب وہ بولی تو اس کی آواز میں وہی وقار اور ٹھہراؤ تھا، جو فلکی کے مزاج کا خاصہ تھا۔ رجم بخش کا پورا وجود دھیرے دھیرے لرز رہا تھا، خود پر ضبط کی کوشش میں اس کے لب کپکپا رہے تھے اور ”خدا حافظ فلکی بی بی“ کہتے ہوئے اس کا گلہ رندہ گیا تھا۔

فلکی نے بھی اپنی پتھلی کی پشت سے گالوں تک آنے والے آنسو پونچھ ڈالے اور اپنے سامنے سے آنے والی ٹیکسی کو ہاتھ دے کر روکا اور اپنا سوٹ کیس ٹیکسی کی ڈیگی میں رکھوانے کے بعد پچھلا دروازہ کھول کر اندر بیٹھتے ہی ڈرائیور کو رولپنڈی ریلوے اسٹیشن چلنے کے لئے کہا۔ شام گہری ہو چلی تھی، آسمان گہرے سیاہ بادلوں کی لپیٹ میں تھا۔ دسمبر کی سرد ہوا ہڈیوں میں گودا جمانے پر تلی کھڑی تھی، اور فلکی نے اس وقت صرف ہاف سیلو سوئٹر پہنا ہوا تھا، اور اس کی شال بھی بس نارمل سی تھی، گھر کے اندر گیس ہیٹرز آن ہونے کی وجہ سے فلکی کو باہر کے ٹمپرچر کا اندازہ ہی نہیں ہوا تھا، یونہی نکل کھڑی ہوئی تھی، اور اب ٹھٹھر رہی تھی۔

ٹیکسی تیزی کے ساتھ اسلام آباد کی کشادہ سڑکوں اور تاریکی کا حصہ بنے درختوں کو پیچھے چھوڑتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی، فلکی کا دل جیسے کوئی اپنی مٹھی میں لے کر مسل رہا تھا۔ انہی سڑکوں پر وہ کتنی ہی بار میراب کے ساتھ کار میں بیٹھی گھوما کرتی تھی، کبھی جو میراب ترنگ میں آتا تو ایک ہاتھ سے اسٹیرنگ تھام کر دوسرا بازو فلکی کے گرد حائل کر دیا اور پھر بڑے اسٹائل سے فلکی کی جانب سر جھکا کر گنگنا تا۔

تیرا ساتھ ہے کتنا پیارا

کم لگتا ہے جیون سارا

تیرے ملن کی لگن میں

ہمیں آنا پڑے گا

دنیا میں دوبارہ.....“

وہ شرارت سے فلکی کے پہلو میں چٹکی بھرتا۔

”خدا کے لئے میرو، دھیان سے ڈرائیور کرونا.....!“

”وہ دیکھو..... دیکھو گاڑی.....“ سامنے کی طرف سے تیزی سے آتی گاڑی دیکھ کر فلکی کی روح فنا ہو جاتی، وہ اسے چھوڑ کر دونوں ہاتھوں سے اسٹیرنگ تھام لیتا، گاڑی زن سے گزر جاتی، تب میراب دوبارہ شوخ ہو جاتا۔

”اتنا پیار ہے تمہیں زندگی سے؟“

”ہاں۔“ فلکی اقرار کر لیتی۔ ”ظاہر ہے خدا کی دی ہوئی نعمت ہے، عزیز تو رکھنا چاہئے نا۔“

”اور مجھ سے؟؟ مجھ سے کتنا پیار ہے تمہیں؟“ وہ سڑک سے نظریں ہٹا کر براہ راست فلکی کی آنکھوں میں جھانکتا۔

”کوئی پیمانہ پیرا ماننے کا آج تک ایجاد نہیں ہوا، کیسے بتاؤں؟“ فلکی بے بسی ہو جاتی۔

”پھر بھی.....؟“ میراب اصرار کرتا۔ ”کچھ تو انداز ہو آخر۔“

”بس یوں سمجھ لو کہ شاید اپنی زندگی سے بھی زیادہ۔“ فلکی سر جھکا لیتی۔

”سچ بتاؤ فلکی تم نے اس سے پہلے بھی کیا کسی سے اتنا پیار کیا تھا؟“ میراب گردن موڑ کر غور سے اس کی طرف دیکھتا۔

”نہیں، ہرگز نہیں۔“ فلکی مضبوط لہجے میں کہتی۔

”امیزنگ!!!“ میراب اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر ہولے سے دباتے ہوئے خود کلامی سی کرتا۔

”شاید جنسی کو ایک جھٹکا لگا.....“ فلکی اپنے خیالات کی دنیا سے واپس نکل آئی، اسپید بریکر آ گیا ہوگا، اس نے سوچا۔

اسلام آباد پیچھے رہ گیا تھا۔ فلکی نے سوچا کہ اس کے اور میراب کے درمیان فاصلہ طویل تر ہو رہا ہے، کبھی نہ ختم ہونے کے لئے۔

کہاں تو فلکی کو کبھی لگا کرتا تھا کہ میراب کے دل کی کھڑکیاں اب کہیں جا کر دھیرے دھیرے اس کی سمت کھلنا شروع ہوئی ہیں، اور کہاں

یک دم ہی اس کی سمت جانے والا ہر راستہ بند ہو گیا تھا۔ پھر ریلوے اسٹیشن آ گیا تھا۔ ڈرائیور نے برق رفتاری سے فلکی کا سوٹ کیس باہر نکالا۔

فلکی نے ٹیکسی والے کو فارغ کر کے ٹکٹ گھر کی کھڑکی سے ٹکٹ خریدا اور پلیٹ فارم کی جانب بڑھ گئی۔

ٹرین آنے میں ابھی کافی دیر تھی، فلکی فرسٹ کلاس کے ویٹنگ روم کی جانب بڑھ گئی، اتفاق سے ویٹنگ روم اس وقت خالی تھا۔ یہ بھی فلکی

کو غنیمت ہی لگا تھا، اس وقت اسے خود کو نا مل کرنے کے لئے تنہائی درکار تھی۔ فلکی نے اپنا پرس کندھے پر ڈالا اور ویٹنگ روم سے ملحقہ واش روم

میں چلی گئی۔

واش بیسن کا ٹل کھول کر اپنی جلتی ہوئی آنکھوں پر نچ بستہ پانی کے چھینٹے مارنے سے اسے خاصا سکون محسوس ہوا تھا۔ مگر ساتھ ہی اتنی دیر سے

رکے ہوئے آنسو پلکوں کی باڑھ توڑتے ہوئے اس کے گالوں سے بہہ نکلے، نہ جانے کتنی ہی دیر فلکی بے آواز روتی رہی، روتے روتے اس کی ہچکیاں

بندھ گئیں۔ اسے بار بار ایک ہی خیال ستا رہا تھا کہ گھر پہنچ کر وہ کس منہ سے سب کے سامنے اپنے اوپر ٹوٹے والی اس اچانک افتاد کا ماجرا سنا پائے گی۔

کیا واقعی سب لوگ اس کی بے گناہی کا یقین کر لیں گے۔ بطور خاص بھائی، ان کا کیا رد عمل ہوگا،؟؟؟

مگر فی الحال فلکی کے پاس خود اپنے کسی سوال کا جواب نہ تھا۔ تب اس کا دھیان بھٹک کر غمی کی جانب چلا گیا کیا سوچنا ہوگا غمی بھی، اتنی

بے اعتبار لڑکی تھی فلکی! بس اتنی ہی وقعت تھی اس کی میراب کے آگے۔ جانے غمی، ابھی اسلام آباد میں ہی کہیں ٹھہرا ہوگا یا پھر واپس جا چکا ہوگا، ابھی

تو فلکی کو یہ بھی معلوم نہ ہو سکا تھا کہ غمی اسلام آباد آیا ہی کیوں تھا!

فلکی کے چہرے سے پانی کے ننھے ننھے قطرے ٹپ کر اس کا گریبان بھگور رہے تھے، وہ پرس میں سے رومال نکال کر اپنا چہرہ صاف کرنے

لگی، رورو کر فلکی کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں، اور پوٹے متورم۔ فلکی نے دوبارہ پرس کھول کر یونہی اندر جھانکا تو اسے سامنے ہی کا جل نظر آ گیا، اس نے فوراً دونوں آنکھوں میں کا جل کی ایک ایک سلائی پھیر لی، ابھی تو اسے ٹرین کی فرسٹ کلاس میں باقی مسافروں کے ساتھ سفر بھی کرنا تھا اور فلکی نہیں چاہتی تھی کہ اس کی حالت دگرگوں نظر آئے۔ شاید بھی ہونٹوں پر ہلکی سی لپ اسٹک کی تہہ بھی جمالی تھی۔

اسے گھر پہنچنے تک بڑی بہادری سے اپنی تمام تر ہمتوں کو یک جا کر کے اپنی حالت بہتر اور حواس برقرار رکھنا تھے، ریل میں تو ہر طرح کے مسافر سفر کرتے ہیں اور کچھ تو گھر سے نکلتے ہی، لاچار، بے بس اور تنہا لڑکیوں کو پھانسنے کی خاطر ہیں جب کہ فلکی اپنی ظاہری حالت سے ہرگز تنہا اور مجبور نظر آنا نہیں چاہتی تھی۔

بالوں میں برش کرنے کے بعد سراجھی طرح چادر سے ڈھانپ کر فلکی دوبارہ ویٹنگ روم میں آ بیٹھی۔
 ”ہے گرم انڈے (گرم انڈے)۔“ گرم انڈے بیچنے والا ویٹنگ روم کے سامنے سے صدا لگا تا گزر گیا۔
 ایک نوجوان جو جانے کب سے فلکی کو تنہا دیکھ کر تاڑ رہا تھا۔ اس کی تنہائی کا فائدہ اٹھا کر بڑی جرأت سے ویٹنگ روم کے دروازے کے باہر آن ٹھہرا۔

مانا جناب نے پکارا نہیں

کیا میرا ساتھ بھی گوارا نہیں
 اپنی باغی آواز میں گانے کا سراٹھاتا وہ فلکی کو خاصا قابلِ رحم لگا، مگر پھر اپنی تنہائی کا احساس اسے خوف میں مبتلا کر گیا۔ اگر یہ لڑکا آگے بڑھ کر کوئی بدتمیزی کرے تو فلکی کیا کر سکے گی بھلا اس کا؟؟

اچھی صورت بھی کیا برے شے ہے

جس نے ڈالی بری نظر ڈالی

ایک سرگوشی ماضی کا سینہ چیر کر فلک کے کانوں میں دم توڑ گئی فلکی چونکی اور بے چینی سے اپنی جگہ پر پہلو بدل کر رہ گئی۔ ہے گرم آندے.....
 وہی لڑکا شاید دوبارہ ادھر آ رہا تھا، فلکی کو اس کی اس طرف آمد اچھی لگی، ویٹنگ روم کے سامنے پہنچ کر انڈوں والے لڑکے نے ایک نظر اندر بیٹھی فلکی کی طرف دیکھا اور دوسری نظر دروازے پر ڈٹے ہوئے لڑکے پر ڈالی۔

”ہے گرم ما.....“

لیلیٰ اولیلیٰ کیسی تولیلیٰ

ہر کوئی چاہے تجھ سے ملنا کیلا

انڈوں والے لڑکے کی آواز اب برآمدے میں گونج رہی تھی، فلکی دل ہی دل میں قرآنی آیات کا ورد کرتی رہی، یا اللہ میری حفاظت فرما، آخر خدا خدا کر کے دروازے پر موجود لڑکا دفعان ہوا تو فلکی نے شکر کا سانس لیا۔ جوں جوں ٹرین کے آنے کا وقت قریب آ رہا تھا اسٹیشن پر رش بڑھتا جا

رہا تھا۔ فلکی بھی سوٹ کیس گھسیٹ کر باہر آ گئی اور پھر ایک قلی کو بلا کر سوٹ کیس اس کے حوالے کر دیا، اسی قلی کی کوشش سے فلکی کو کھڑکی کے ساتھ والی نشست بھی مل گئی تھی۔

اگرچہ ٹرین میں اس کی ہمسفر خواتین نے فلکی سے گپ شپ کرنا چاہی مگر فلکی نیند کا بہانا کر کے منہ پر چادر کا پلو ڈال کر سوتی بنی۔ حالاں کہ تمام راستے گھر والوں کا سامنا کرنے کا خیال اسے پریشان کرتا رہا، اور وہ خیالات کے تانے بانے بنتی رہی، اور بالآخر جب وہ اپنے آبائی شہر ملتان کے ریلوے اسٹیشن پر اتری تو صبح کے ساڑھے تین بجے تھے، آسمان پر سیاہ چادر تھی، اور ستارے جگمگا رہے تھے، ٹرین نے فلکی کے اندازے سے کافی پہلے اسے یہاں پہنچا دیا تھا، اگرچہ رات کا آخری پہر تھا مگر اسٹیشن پر زندگی جاگ اٹھی تھی، عجب چہل پہل کا سماں تھا فلکی کے ساتھ چند اور مسافر بھی یہاں اترے تھے، قلی آگے بڑھ چڑھ کر اپنی خدمات پیش کر رہے تھے۔ فلکی سوچ میں پڑ گئی اس وقت تو سبھی گھر والے سو رہے ہوں گے کیا ایسے میں وہ انہیں بے آرام کر کے وہ اندوہناک خبر سنا ڈالے جو ہمیشہ کے لئے سب کا سکون غارت کر دے گی یا پھر چپ چاپ اسٹیشن پر ہی ٹھہر کر صبح ہونے کا انتظار کرے!

جب کشتی ثابت و سالم تھی

ساحل کی تمنا کس کو تھی؟

اب ایسی شکستہ کشتی پر

ساحل کی تمنا کون کرے!

فلکی چونکی، اس کے قریب ہی مونگ پھلیوں والا، ریڑھی پر رکھا ٹرانزسٹرن رہا تھا، جانے رات کے اس پہر کون سا اسٹیشن غزلیں سنار رہا تھا، جسے ٹھیلے والا کانوں پر اونی کنٹوپ چڑھائے، اسٹول پر بیٹھا محویت سے سن رہا تھا۔

جو آگ لگائی تھی تم نے اس کو تو بجھایا اشکوں نے

جو اشکوں نے بھڑکائی ہے اس آگ کو ٹھنڈا کون کرے گا!!

فلکی کا دل یہاں سے ہٹنے کو نہیں چاہ رہا تھا مگر اسی وقت ایک قلی آ کر سامان اٹھانے کی پیشکش کرنے لگا تو مجبوراً فلکی کو اس کے پیچھے قدم بڑھانا پڑے۔

دنیا نے ہمیں چھوڑا اے دل!

ہم چھوڑ کر نہ دیں کیوں دنیا کو

اور فلکی نے گردن موڑ کر دیکھا، وسل دیتی ٹرین کا انجن دھیرے دھیرے آگے ریگ رہا تھا، تب بے اختیار اس کا دل چاہا کہ بھاگ کر جائے اور اس انجن کے آگے ریل کی پٹری پر اپنا سر رکھ دے۔

دنیا کو سمجھ کر بیٹھے ہیں

اب دنیا، دنیا کون کرے!

حبیب ولی محمد کی آواز فلکی سے دھیرے دھیرے دور ہو رہی تھی۔ سچ کتنے جرأت مند ہوتے ہیں وہ لوگ، جو اگر کچھ ٹھان لیں تو پھر وہ کر کے ہی چھوڑتے ہیں خواہ خوشی ہی کیوں نہ ہو فلکی میں تو اس کی بھی ہمت نہ تھی۔
وہ تو اس سے ایسا سچھی تھی کہ جس کا آشیانہ اندھی کے تیز جھوٹوں کی زد میں آ کر تنکا تنکا بکھر چکا تھا اور اس کے بازو اپنی قوت پر واز کھو چکے تھے۔

☆☆☆

فلکی کے گھر سے چلے جانے کے بعد میراب ٹی وی لاؤنج میں آ گیا اور ٹی وی آن کر کے سامنے صوفے پر براجمان ہو گیا، شاید وہ لامتناہی سوچوں سے اپنی جان چھڑانا چاہتا تھا، اور دھیان بنانے کو ٹی وی کے آگے آ بیٹھا تھا اور نہ میراب کو ٹی وی دیکھنے سے کوئی خاصی دلچسپی تو تھی نہیں، مگر بار بار چینلز بدلنے کے باوجود بھی اسے کوئی پروگرام نہ بھایا تو وہ ٹی وی آف کر کے ڈائینگ ٹیبل پر آ بیٹھا۔
”رحیم بخش! کھانا لگاؤ۔“ اس نے صدا لگائی۔

ٹیبل پر برتن لگے ہی ہوئے تھے اور بھلا آج برتن لگے ہی کتنے تھے!!!

ایک پلیٹ چپاتی رکھنے کے لئے، ایک پلیٹ سالن نکالنے کے لئے، ایک گلاس، کانا چھری اور بس۔
رحیم بخش جلدی سے گرم سالن ڈونگے میں نکال لایا اور ہاٹ پاٹ میں گرم چپاتی نکال کر میراب کے سامنے رکھی پلیٹ میں رکھنے لگا۔
”پانی ڈالو آپ کے لئے؟“

ایک ایک میراب کے کانوں میں فلکی کی آواز گونجی

”آں ہاں ڈال دو“ میراب بڑبڑاپا۔

”نہیں نہیں کچھ نہیں، بس تم جا کر کھانا کھا لو رحیم بخش اگر کچھ چاہئے تو پھر میں تمہیں پکاروں گا۔“
لقمے میراب کے حلق میں پھنس رہے تھے۔ جنہیں وہ پانی کے ساتھ اندر دھکیل رہا تھا۔ ساتھ بڑی خالی کرسی بار بار اس کا منہ چڑا رہی تھی، ٹیبل کے عین درمیان میں سجا گلدستہ جیسے میراب سے فلکی کا ہی پوچھ رہا تھا، پتا نہیں آج ہر طرف یہ کیسی بے چینی سی پھیلی ہوئی تھی ورنہ روز تو جب فلکی ساتھ ہوتی تھی تو بڑے آسودہ ماحول میں کھانا کھایا جاتا تھا۔

جہاں میراب کی پلیٹ کا سالن ختم ہونے کو آتا، فلکی دھیرے سے اور ڈال دیتی، اس کی روٹی کا آخری نوالہ ہاتھ میں ہوتا اور فلکی ہاٹ پاٹ سے گرم چپاتی نکال کر آگے رکھ چکی ہوتی، وہ گلاس کی جانب نظر اٹھاتا اور وہ لبالب بھر دیتی۔

”یہ سلا تو لیں، آج یہ ریشمین سلا دینے نے خود ایک ریشمی بک سے دیکھ کر بنایا ہے، ذرا ٹرائی تو کریں۔“
”میرو! آج میں نے زردہ بنایا، پلیز مذاق اڑائے بغیر کھا لینا، فرسٹ ٹائم ٹرائی کیا ہے، ذرا ٹیسٹ تو کریں۔“

وہ زبردستی اس کی پلیٹ پر کر دیتی، شاید اسے رحیم بخش نے بتایا ہوگا کہ میراب کو سویٹ ڈشز زیادہ مرغوب ہیں تبھی اکثر رات کے کھانے پر کچھ نہ کچھ ٹھہا ضرور موجود ہوتا۔

کبھی فروٹ ٹرائفل، کبھی زردہ اور کبھی کھیر.....

جانے کس نے فلکی کو بتا دیا تھا کہ مرد کے دل تک پہنچنے کا راستہ اس کے معدے سے ہو کر گزرتا ہے۔

”کتنی پاگل تھی فلکی!!!“

مرد کا دل بھلا اپنے اصل مقام پر ہوتا ہی کب ہے؟

اپنی پسند کی عورت نظر آ جائے تو اس کا دل اس کی آنکھوں کے اندر دھڑک اٹھتا ہے۔

پسند کی شے چھونے کو مل جائے تو دل اس کی ہتھیلیوں میں آ کر دھک دھک کرنے لگتا ہے۔

جب محبوب سرکش بھی ہو، اور حسین بھی اور اسے بے حد عزیز بھی ہو، تو یہی دل کسی کے قدموں کی دھول بن جاتا ہے۔

”اور فلکی کیا تھی؟؟“

نہ میراب کی پسند میں ڈھلی عورت، نہ کوئی شوخ حسینہ اور نہ اس کی من پسند محبوبہ۔

تب وہ کسی بھی راستے سے جاتی، خواہ کچھ بھی کرتی مگر میراب کے دل کے پٹ بند ہی ملتے۔

چوں کہ مرد اپنے دل کا دروازہ ہمیشہ بند رکھتا ہے، البتہ چھوٹی موٹی درزیں اور روشن دان تازہ، خوشگوار، اور معطر ہوا کے جھونکوں کے لئے ضرور کھلے رکھتا ہے لیکن باب قلب وہ اپنی زندگی میں صرف ایک بار دوبار ہی کھولتا ہے، جب کسی کومن کے سنگھاسن پر جگہ دینی ہو تب یا پھر اٹھا کر وہاں سے باہر پھینکنا ہو، (کسی فالٹو کا ٹھکبھاڑی طرح) اس وقت بمشکل دو چار لقمے لے کر میراب کھانے کی ٹیبل سے اٹھ کھڑا ہوا۔

وہاں سے وہ دھیرے دھیرے چلتے ہوئے اپنے بیڈروم میں آیا تو بے ساختہ اس کی نظر بیڈ تلے رکھی فلکی کے چپلوں کی جوڑی پر پڑی، میراب کا دل لمحے بھر کے لئے دھڑک اٹھا۔ چپلیں ایسے قرینے سے رکھی تھیں جیسے منتظر ہوں فلکی آ کر انہیں اپنے پاؤں میں ڈالے گی۔

ایک ٹھنڈی آہ کھینچ کر وہ پلٹا اور لاؤنج میں پڑے بک شیلف سے وقت گزاری کی خاطر ایک انگریزی ناول اٹھا کر اپنے بیڈ پر آ گیا، جیسے ہی میراب نے اپنی کمر کے پیچھے سہارے کی خاطر لگانے کے لئے تکیہ کھینچا، تکیے کے نیچے فلکی کا میرون کلر کا دوپٹہ تھہ ہوا رکھا تھا۔

میراب چونکا، جیسے تکیے تلے سے خود فلکی نکلی آئی ہو پھر کسی انجانے احساس کے تحت، میراب نے دوپٹہ اٹھا کر اپنے چہرے پر لگا لیا، دوپٹے سے فلکی کے وجود کی بھینی بھینی سی خوشبو پھوٹ رہی تھی، انیس، انیس فلکی کا پسندیدہ پرفیوم تھا، اور اس کے وجود میں اس کی مہک رچ بس گئی تھی، ایک ٹھنڈا سانس بھر کے میراب نے دوپٹہ ایک طرف ڈال دیا۔

ناول پڑھنے میں بھی میراب کا دل نہیں لگا، تب رحیم بخش کو جلد کام کاج ختم کرنے کے بعد اپنے کمرے میں جانے کی ہدایت کرتے ہوئے وہ ٹی وی لاؤنج کے ایک کونے میں بنے، اپنے باریک بین کی جانب بڑھ گیا، اگرچہ مے نوشی بہت عرصہ ہوا وہ ترک کر چکا تھا، مگر آج شدت سے

اس کی طلب ہو رہی تھی۔

وہاں ہر قسم کی شراب موجود تھی، میراب نے گھر پر اپنے غیر ملکی دوستوں کی تواضع کا سامان جمع کر رکھا تھا، شیشے کی الماری کھول کر اس نے بیئر کی بوتل نکالی اور لاؤنج میں بیٹھ کر اپنے لئے پیگ بنایا۔

<http://kitaabghar.com> مجھے پینے کا شوق نہیں <http://kitaabghar.com>

پیتا ہوں غم بھلانے کو

تیری یادیں مٹانے کو

پیتا ہوں غم بھلانے کو

دفعۂ نیفہ اس کے ذہن کے نہاں خانوں میں گونج اٹھا، تب اسے یاد آیا کہ امریکہ میں اس کے ہمراہ کالج میں ایک انڈین لڑکی پڑھا کرتی تھی، جو اکثر بڑے شوق سے یہ سوگ سنا کرتی تھی۔

کبھی کبھار شاعری بھی کیسا سچ بولتی ہے!

آئینے کا روپ اختیار کر کے انسان کے مد مقابل آکھڑی ہوتی ہے تب اس کے درد کا بت بے لباس ہونے لگتا ہے۔ اچانک میراب کی نظریں سامنے لگے وال کلاک کی جانب اٹھ گئیں۔

ابھی تو رات کے صرف ساڑھے بارو بجے ہیں، فلکی کو گھر سے گئے چند ہی گھنٹے ہوئے تھے تو کیا وہ ابھی سے فلکی کے لئے اداس ہو رہا تھا۔ اس چلتر لڑکی کے لئے جو مصمصیت کا ڈھونگ رچا کر اتنا عرصہ اسے بے وقوف بناتی رہی۔ ورنہ میراب کو تو پہلے روز سے ہی شبہ تھا کہ دنیا کی کوئی بھی عورت اتنی پاک باز نہیں ہوتی جتنا فلکی خود کو پوز کر رہی تھی۔

وہ کسی خیال کے تحت اٹھا اور آگے بڑھ کر فلکی کے گھر کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ اگرچہ ابتداء میں اس کے ہاتھ ذرا سے لرز، مگر پھر جوش کم ہمتی پر غالب آ گیا۔

<http://kitaabghar.com> پہلو! دوسری جانب سے کامران بھائی کی نیند میں ڈوبی آواز اُبھری۔

”ہاں میرا آب! کہو کیسے ہو؟“ بھیا کی نیند اس وقت میرا آب کی آواز سن کر ہی غائب ہو گئی تھی خدا خیر کرے انہوں نے سوچا۔

”سوری بہت غلط وقت پر آپ کو ڈسٹرب کیا..... وہ دراصل..... آپ کو بتانا یہ تھا کہ.....“

”ہاں ہاں کہو..... میں سن رہا ہوں، سب خیریت تو ہے نا؟“

کامران بھائی کا دل کسی انجانی خبر کے متوقع احساس سے ہی بری طرح دھڑک رہا تھا۔

”دراصل فلکی واپس اپنے گھر آ رہی ہے، شاید راتے میں ہوگی، چوں کہ میں نے اسے آج شام کو طلاق دے دی ہے، وجہ وہ خود جو مناسب سمجھے گی آپ کو بتا دے گی۔“ میراب نے بے نیازی سے کہا۔ ”البتہ فلکی کے لئے چند روز قبل میں نے ایک نئے ماڈل کی کاربک کرائی تھی،

اس کو سالگرہ کے تحفے میں دینے کے لیے، اب وہ گاڑی اس کے حق مہر کے عوض اس تک پہنچ جائے گی، بس یہی بتانا تھا مجھے، میرا بے بات ختم کر کے فون کا چونکا واپس کریدل پر ڈال دیا، حالاں کہ دوسری طرف کامران بھائی ہیلو ہیلو ہی کرتے رہ گئے تھے۔

اس کے بعد وہ دوبارہ اپنے باریک جانب چلا آیا اور اپنے لئے بیئر کا ایک پیگ مزید بنایا فون کی گھنٹی پھر بج اٹھی تھی۔

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

میرا بے بیئر کی چسکیاں لے رہا تھا۔

جب فون کی گھنٹی ذرا وقفے کے بعد پھر بجے لگی تو میرا بے کو اٹھنا ہی پڑا۔ اسے معلوم تھا کہ دوسری طرف فلکی کے کامران بھائی ہی ہوں گے اس نے آگے بڑھ کر لائن کاٹ دی، پھر کسی بے اختیار جذبے کے تحت اس کی انگلیاں امریکا میں لیزا کے گھر کا نمبر ڈائل کرنے لگیں۔

اس گھڑی میرا بے کو کسی سہارے کی اشد ضرورت محسوس ہو رہی تھی اور لیزا سے بڑھ کر اس کا دکھ بانٹ لینے کی صلاحیت بھلا کس میں تھی۔

”کم آن لیزا!.....! مجھے سمیٹ لو آ کر۔“ وہ فون پر ہی بکھرنے لگا۔

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

☆☆☆

موٹر رکشہ پھٹ پھٹ کی آواز کے ساتھ اسی شہر کی مانوس سی سڑکوں پر دوڑ رہا تھا جہاں فلکی پل کر جوان ہوئی تھی، یہاں کا چپہ چپہ جیسے فلکی کا آشنا تھا۔ ایک عجیب سے احساس کے تحت اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ رکشہ اب گلگشت کا لوئی کی مانوس سڑکوں پر رواں دواں تھا، فلکی نے اسے کھبے کے ساتھ بنے گھر کے سفید گیٹ کے پاس ٹھہرنے کے لئے کہا۔

رکشہ روک کر ڈرائیور نے فلکی کا سوٹ کیسی نیچے اتار دیا۔ ڈرائیور کو پیسے دے کر فلکی گیٹ کے سامنے آ کر رک گئی ایک دن اسی گیٹ سے قرآن پاک کے سائے تلے رخصت ہو کر اس نے میرا بے کے ساتھ نئی زندگی کا آغاز کیا تھا۔

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

اس روز دلہن بنی فلکی کے دل میں کتنے ارمان، کتنی آرزوئیں اور امنگیں کروٹ لے رہی تھیں۔ زندگی میں کچھ کر دکھانے کا عزم تھا۔

اس نے سوچا تھا اپنی ازدواجی زندگی کو اتنا کامیاب اور خوشگوار بنائے گی کہ لوگ اپنی بیٹیوں کی تقدیر فلکی کی قسمت جیسی ہونے کی دعائیں کیا کریں گے۔

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

دونوں ہاتھوں سے پیار لٹائے گی بھی اور سینے گی بھی اور آج اپنے دل کے ہر ارمان کو فن پہنا کر، سہاگن سے طلاق تک کا سفر کر کے، وہ پھر اسی گیٹ کے سامنے کھڑی تھی، گویا جہاں سے سفر کا آغاز ہوا تھا وہیں جا کر اس کی کہانی کا خاتمہ بالخیر بھی ہو گیا تھا۔ فلکی نے ڈرتے ڈرتے، کانپتے ہاتھوں سے ڈورنیل بجائی۔ وہ خود کو گھر والوں کے تابڑ توڑ سوالات کا سامنا کرنے کے لئے ذہنی طور پر تیار کر رہی تھی۔

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

خلاف توقع پہلی گھنٹی پر ہی کامران بھائی نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ ان کے پیچھے بھائی، امی اور شبو آپا کے چہرے جھانکتے نظر آئے، فلکی کا ماتھا ٹھکا، آخر یہاں کے سب لوگ کیوں اس وقت ریڈارٹ ہیں۔ امی نے آگے بڑھ کر فلکی کو اپنے گلے سے لگالیا۔ جب کہ کامران بھائی کسی سوچ میں غم صم، خاموش کھڑے تھے۔

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

امی کے گلے لگی فلکی خود پر قابو نہ رکھ سکی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، پھر کسی خیال کے تحت کامران بھائی کی طرف مڑی ”وہ بھائی“

دراصل میں.....” ”کچھ مت کہو فلکی بس اندر چل کر آرام کرو، بعد میں باتیں ہوں گی، میں اتنی دیر اس نمازِ فجر ادا کر آؤں“ کامران بھیا کھدر کی گم لپیٹے باہر نکل گئے ”چلو اندر چلو شباش۔“ شبوآ پانے اسے چکار کر ساتھ لگا لیا اور اپنے ساتھ کمرے میں لے آئیں۔ جب کہ بھیا بھی بیڈروم سے ننھے معاذ کے رونے کی آواز سن کر ادھر چلی گئیں۔

اور نشو بھی چہرے پر جہان بھر کا تجسس سمیٹے اپنے بستر پر لحاف کے اندر دبکی، فلکی ہی کی منتظر تھی۔ کمرے میں بیٹھ کر آن تھا اور ہلکی سی خوشگوار حرارت ماحول کا حصہ بنی ہوئی تھی۔

امی کے پاس بیٹھ کر فلکی نے ہچکیوں کے درمیان ساری بات بتادی۔ فلکی کے منہ سے عفی کا نام سن کر شبوآ پانے لبوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کی تاکید کی۔

”.....بس چپ رہو۔ بھیا بھی کے آگے عفی والی بات مت کر دینا کہیں ورنہ بھیا بھی کے نشریاتی رابطے کے ذریعے کل تک یہ خبر پورے پاکستان میں پھیل چکی ہوگی کہ فلکی اور عفی..... عفی اور فلکی.....“ شبوآ پا کو سمجھ نہ آئی کہ کس طرح سمجھائیں۔ ”بس مجھے ڈر ہے کہ یہ مبالغہ آمیزی، بلا وجہ تمہاری زندگیوں میں زہر گھول کر رکھ دے گی۔“ آخر کار وہ دل کا خدشہ زبان تک لے ہی آئیں۔

”بتانا تو اب پڑے گا ہی..... ایسی باتیں بھی کہیں چھپتی ہیں بھلا۔“ امی نے بے بسی سے کہا۔

فلکی نے ایک نظرامی کے چہرے پر ڈالی جہاں ان کی پیشانی پر سوچ کی لکیروں کا عجیب جال سا بنا ہوا تھا، چہرے کا رنگ ماند پڑ گیا تھا اور امی کافی کمزور ہو گئی تھیں۔ ابھی تو ایک بیٹی کی بیوی کا دکھ ہی دل کا روگ بنا تھا کہ دوسری بھی اپنے ماتھے پر طلاق کا لیبل سجائے گھر آ بیٹھی تھی اور گھر بھی کس کا..... جوان بھائی اور بھانج کا۔

بھائی تو خیر خود بہنوں کے غم میں آدھا ہور ہا تھا مگر بھانج.....؟ اس کی پیشانی کے بل لاکھ کوششوں کے باوجود بھی کھل کر نہ دیتے۔ ماں کی دعاؤں پر بھلا کس کو شک گزر سکتا ہے مگر شاید دعاؤں میں کوئی کسر رہ گئی تھی، جو وہ بارگاہِ الہی سے شرف قبولیت کا درجہ حاصل نہ کر سکی تھیں۔ اتنی دیر میں شبوآ پا فلکی کے لئے بھاپ اڑاتا، گرم چائے کا پیالہ لے آئی تھیں، ساتھ میں نمک اور کالی مرچ کے اور ابلّا ہوا انڈا بھی موجود تھا۔ حلق سے چائے کا گھونٹ اتارتے ہی فلکی کو بڑا سکون محسوس ہوا اس وقت اس کے تھکے ہوئے اعصاب کو واقعی گرم گرم چائے اور بھر پور نیند کی اشد ضرورت تھی، مگر وہ کامران بھائی کی مسجد سے واپسی کی منتظر تھی تاکہ ان کے تاثرات جان سکے۔

کامران بھائی مسجد سے گھر آئے تو سیدھے فلکی ہی کے پاس چلے آئے اور امی نے فلکی کی بتائی ہوئی تمام تفصیل کامران بھائی کے گوش گزار کر دی تھی۔

”سچ بتاؤں امی.....!“ کامران بھائی بولے۔ ”مجھے تو امریکا کے ماحول میں پڑھا اور انگلینڈ میں پلا بڑھا وہ لڑکا پہلی نظر میں ہی اپنی فلکی کے لئے انتہائی غیر موزوں لگا تھا چوں کہ طیبہ آنٹی آپ کی بچپن کی دوست تھیں اس لئے آپ کا رجحان زیادہ تر انہی کے گھرانے کی طرف تھا، پھر ان لوگوں کا گھرانہ معاشرے کے شریف اور سلجھے ہوئے لوگوں شامل ہوتا ہے اس لئے میں خاموش ہو گیا تھا، پھر کچھ یہ تسلی بھی تھی کہ لڑکا ان دنوں پاکستان

ہی میں سیٹل ہے وگرنہ میں کبھی اس رشتے کے حق میں ووٹ نہیں دیتا۔“ کامران بھائی نے کہا۔

”بیٹا قسمتوں کا کچھ علم نہیں ہوتا۔ دیکھنے کو تو لڑکا اچھا ہی لگا تھا۔ بڑوں کا ادب اور چھوٹوں کا لحاظ کرنے والا پر دلوں کا بھی خدا کے علاوہ اور کے معلوم ہو سکتا ہے۔“ امی ٹھنڈی آہ بھر کر رہ گئیں۔

”بھائی.....! میں قسم کھاتی ہوں کہ میرا اور عفی کا آپس میں کبھی کوئی غلط تعلق نہیں رہا،“ فلکی پھر رونے لگی۔

کامران بھائی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی۔

”ہاں.....! مجھے معلوم ہے، یہ بھی کوئی وضاحت کرنے والی بات ہے بھلا؟ کامران بھائی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کے اسے تسلی دی۔

اور عفی تو بالکل بھی ایسا لڑکا نہیں ہے۔“ بھابھی جو، اب تک خاموش بیٹھی ساری بات سن رہی تھیں بڑے وثوق سے عفی کی گواہی دے رہی تھیں۔

فلکی نے صدمے کی سی کیفیت میں بھابھی کی جانب دیکھا اپنی فلکی بھی تو ایسی نہیں..... کاش بھابھی کی زبان سے جملہ ادا ہوا ہوتا۔

”اچھا فلکی تم اب آرام کرو اور دیکھو فی الحال کسی سے اپنی طلاق کا تذکرہ مت کرنا، اور سرین تم.....!“ بھیا نے بھابی کی طرف دیکھا۔ ”تم

بھی اس بات کا خاص خیال رکھنا کہ یہ بات اس گھر کی چار دیواری سے فی الحال باہر نہ جائے۔“ بھابھی سر ہلا کر رہ گئیں۔

”اچھا فلکی میں اب چل کر ناشتہ کرتا ہوں، تاکہ آفس کے لئے بروقت نکل سکوں۔“ کامران بھائی فلکی کے سر پر ہاتھ پھیر کر اٹھ گئے۔

بھابی بھی اٹھ کر ان کے پیچھے ہی چل دیں۔

فلکی نے بجے پر سر رکھ کر آنکھیں بند کر لیں اور پھر دفعۃً ایک خیال اس کے ذہن میں کوندا تو وہ بے چینی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

”امی..... کیا کسی نے میرے آنے سے پہلے ہی آپ لوگوں کو میرے آنے کی اطلاع کر دی تھی؟“

”کیا..... کیا عفی ادھر آیا تھا؟“

”نہیں بیٹا.....! دراصل میرا ب نے خود ہی کامران کو فون کر کے سب کچھ بتا دیا تھا۔“

”میر..... آپ..... نے۔“ فلکی کو حیرت کا جھکا لگا۔

چلو یہ بھی ایک طرح سے تو اچھا ہی ہوا۔ ورنہ فلکی کے لئے خود سے سب بتانا کتنا مشکل ہو جاتا۔ یہ بھی گویا میرا ب کا فلکی کے سر پر ایک

طرح کا احسان ہی تھا۔

شبوآ پاکی بیوگی کی عدت عنقریب ختم ہونے والی تھی اور فلکی کی طلاق کی عدت شروع ہو رہی تھی۔

☆☆☆

میرا ب ان دنوں کافی ڈسٹرب فیل کر رہا تھا۔ گھر آتا تو تنہائی اسے کاٹ کھانے کو دوڑتی اور پھر اس گھر میں قدم قدم پر فلکی کی یادیں بکھری

ہوئی تھیں، جن سے دامن بچانا میرا ب کے لئے مشکل ہو جاتا تھا۔

فلکی سے چند مہینوں کا تعلق اس کے لئے سوہا بن روح بن گیا تھا اور اس شام تو میرا ب بہت بے چین سا تھا۔ موسم کچھ ابر آلود سا ہو رہا تھا۔

رحیم بخش نے اسے کافی بنا دی تھی، اپنا کافی کالگ اٹھا کر میراب ٹیرس پر چلا آیا تھا مگر پانی دل جانے کیا چاہ رہا تھا۔ پھر یونہی بے کلم سا ہو کر اس نے فون کی طرف ہاتھ بڑھایا اور امریکا میں لیزا کے فلیٹ کا نمبر ڈائل کیا۔

”ہہ..... ہیلو.....“ لیزا کی سانسوں کا زیروم کوئی اور ہی کہانی بیان کر رہا تھا مگر میراب نے اپنے دھیان میں توجہ نہیں دی تھی۔“

”لیزا..... لیزا..... آئی ایم میراب علی فرام پاکستان.....“

Please, ring me after some time

”پلیز.....! کچھ دیر بعد فون کرنا۔“ دوسری جانب سے لیزا کی خمار میں ڈوبی آواز سنائی دی۔

”کیا ہوا ہے لیزا کو؟“ وہ قدرے حیران ہوا۔ یہ اس کی آواز کیوں بوجھل سی ہو رہی تھی۔ شاید سو رہی ہو۔“ اس نے سر کو جھٹکا اور پھر گک کی کافی ختم کر کے نہ جانے کیوں گاڑی کی چابی اٹھا کر بے مقصد ہی باہر نکل گیا۔

کافی دیر تک سڑکوں پر ادھر ادھر آوارہ گردی کے بعد اس کا دل گھر جانے کو نہ چاہ رہا تھا۔

اب کون منتظر ہے ہمارے لئے وہاں؟؟

شام ہو گئی ہے لوٹ کے گھر جائیں ہم تو کیا!!

دنیا سے خامشی سے گذر جائیں ہم تو کیا!!

اس نے یونہی ہاتھ بڑھا کر گاڑی کا ڈیک آن کیا تھا مگر گانے کی یہ آواز ماحول کو مزید اداس کر گئی۔

میراب نے بلا ارادہ ہی گاڑی کا رخ ایک فائیو اسٹار ہوٹل کی طرف موڑ دیا۔

”مجھے ایک رات کے لئے یہاں کمرہ چاہئے۔“ وہ ریسپشن پر کھڑا فرمائش کر رہا تھا۔

ہوٹل کے رجسٹر میں ضروری اندراج کے بعد وہ ریسپشن سے چابی لے کر لفٹ کے ذریعے دوسری منزل پر واقع اپنے کمرے میں آ گیا۔

ڈبل بیڈ والا کمرہ انتہائی آرام دہ تھا، میراب نے سب سے پہلے سائیڈ ٹیبل پر پڑے ٹیلی فون سے اپنے گھر کا نمبر ملایا۔

”رحیم بخش.....! آج رات تم کھانے پر میرا انتظار نہ کرنا بلکہ وقت پر گھر کے سب دروازے وغیرہ بند کر کے سو جانا، میں شاید آج رات

گھر نہیں آسکوں گا۔“

فون رکھ کر اس نے سر ہانے لگی گھنٹی کا بٹن دبایا۔ ذرا دیر بعد موب ویٹر حاضر تھا۔

”بیٹریا، ہسکی جو موجود ہو، فنانٹ لے آؤ۔“

کچھ ہی دیر کے بعد بیرا خوب صورت بلوریں گلاس اور بوتل ٹرے میں سجائے حاضر تھا۔

”ادھر رکھ دو۔“ میراب نے ٹیبل کی سمت اشارہ کیا۔

ویٹر کے جانے کے بعد میراب نے انٹرکام پر ریسپشن ملایا۔

”روم نمبر 120 سے بول رہا ہوں، کوئی اچھی سی لڑکی تو سمجھو یا۔“

رہسپشنسٹ دھیرے سے معنی خیز ہنسا۔

”کوئی خاص ڈیمانڈ سر؟“

”کوئی نہیں.....“ میرا ب دھیرے سے بولا۔

”آدھ گھنٹے تک پہنچ جاتی ہے۔“ رہسپشن پر موجود کلرک نے یقین دلایا۔

پچیس منٹ بعد دروازے پر ہلکی سی دستک سنائی دی۔

وہ جو کوئی بھی تھی، کسی شعلہ جوالہ سے کم نہیں تھی۔ شوخ سرخ لاٹنگ کوٹ پہنے، ہونٹوں کو سرخ لپ اسٹک سے سجائے، اپنے پرم شدہ بالوں میں انگلیاں پھیرتی، پنل ہیل کی ٹوک پر بڑی ادا سے اندر داخل ہوئی تھی۔ میرا ب نے خود کہہ کر اسے بلوایا تھا، مگر اب اسے لڑکی کو دیکھ کر شدید الجھن محسوس ہو رہی تھی۔ جس نے اندر داخل ہوتے ہی اپنا لاٹنگ کوٹ اتار کر صوفے کی بیک پر ڈال دیا تھا اور پھر ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے، بڑے مزے سے انگلیوں میں دبا سگریٹ لئے ایک ادا سے ہونٹوں کو گول کر کے سگریٹ کا دھواں فضا میں چھوڑ رہی تھی، وہ شاید میرا ب کے اگلے حکم کی منتظر تھی۔

اس سے قبل میرا ب سگریٹ پینے والی کئی لڑکیوں سے مل چکا تھا بلکہ یورپ اور امریکہ میں تو ہر دوسری عورت تمباکو نوشی کی عادی تھی، ڈرنک کرنا بھی ایک روٹین کی سی بات تھی مگر آج نہ جانے کیوں میرا ب کو اس لڑکی کی حرکتیں حقیقتان میں مبتلا کر رہی تھیں۔

”تم.....“ میرا ب نے اسے مخاطب کیا۔

”رمشا.....“ لڑکی بھرپور انداز سے مسکراتی، میرا نام رمشا ہے۔“

”تو مس رمشا.....! تم غلط روم میں آ گئی ہو۔“

”مطلب؟“ لڑکی نے الجھن آمیز نظروں سے میرا ب کی طرف دیکھا۔

”مطلب یہ کہ مجھے کسی ساتھی کی ضرورت نہیں ہے۔“ میرا ب اطمینان سے بولا۔

لڑکی جو سینڈل اتار کر اس وقت دونوں پاؤں ایک ادا سے ٹیبل پر رکھے سگریٹ کے کش لے رہی تھی، چونک اٹھی۔

”مگر مجھے تو فون پر اسی کمرے کا نمبر بتایا گیا تھا۔“ جواباً میرا ب شانے اچکا کر رہ گیا۔

”تو اس کا مطلب ہے مجھے کسی نے فول بنایا ہے۔“ لڑکی بڑبڑائی اور پھر ایش ٹرے میں سگریٹ بچھا کر اٹھ کھڑی ہوئی، اس کی پیشانی پر

سلوٹیں تھیں۔

شاید بھاری رقم ملنے کی امید توڑ گئی تھی اس لئے اس کا موڈ آف ہو گیا تھا۔

وہ تیزی سے اپنا کوٹ پہننے کے بعد اب اپنے سینڈل کے سنپ ٹائٹ کر رہی تھی۔

”سنو.....!“ اسے پرس اٹھا کر تیزی سے دروازے کی سمت قدم بڑھاتے دیکھ کر میرا ب نے پکارا۔

”یہ رکھ لو.....“ میراب نے ہزار کے چند نوٹ اس کی طرف بڑھائے۔ تمہارا قیمتی وقت ضائع ہوا جس کا مجھے واقعی افسوس ہے۔“

وہ دروازے کا پٹ تھا مے مسکرائی۔

”میں کبھی خیرات نہیں لیا کرتی مسٹر.....!“

اس کی آنکھوں میں ناراضگی کا مدہم سا شعلہ لپک کر بجھ گیا تھا اور پھر وہ منہ پھیر کر دروازے سے باہر نکل گئی اور چند لمحوں بعد میراب دوبارہ

ریسپشن ملارہا تھا۔

”کوئی دوسری لڑکی بھیجاؤ یا ر۔“

”اوکے۔“ ادھر سے جواب ملا۔

تھوڑے ہی وقفے کے بعد دوسری لڑکی آئی۔

شمار سوٹ میں سیٹھے سے گرم شال اوڑھے میراب کو قدرے غنیمت لگی۔

مگر گرم مسکراہٹوں کا تبادلہ ہوتے ہی لڑکی کے اطوار بدل گئے۔

شال اتار کر ایک جھکے سے بستر کی طرف اچھالی تو میراب نے دیکھا سیلیولیس ڈارک پر پل وی گلے کی قمیض میں خاصی جاذبِ نظر لگ

رہی تھی۔

لڑکی نے بالوں میں بندھی ہوئی کھول کر ایک اداسے اپنا سر جھکا تو شو لڈر کٹ براؤن رنگے ہوئے بال اس کے شانوں پر بکھر گئے۔

ایک تو بہ شکن انگڑائی لے کر وہ اپنی نشیلی آنکھوں کا زاویہ میراب پر مرکوز کرتے ہوئے بے تکلفی سے اس کی جانب جھکی۔

”ڈرنک بناؤں آپ کے لئے۔“

”ہوں.....“ میراب ہاتھ میں بیڑ کا گلاس تھا مے چونکا۔

ایک دم اسے یہ لڑکی بھی انتہائی فول، بلکہ نامعقول لگی۔ ڈرنک تو وہ لے رہا تھا پھر وہی رٹے رٹائے جملے..... جو شاید لڑکی کی ٹریننگ کا حصہ

تھے۔

”سنو.....!“ میراب نے اسے پکارا۔

”جی.....؟“ لڑکی خود اعتمادی سے کھل کر نہی۔

”تم اپنی یہ شال بستر سے اٹھاؤ اور پہلے کی طرح اپنے گرد لپیٹ لو۔“

”جی.....؟“ لڑکی قدرے حیران ہوئی۔

”مگر کمرے کا درجہ حرارت انتہائی موزوں ہے، مجھے تو ذرا بھر سردی محسوس نہیں ہو رہی۔“ وہ چپکی۔

”جو کہا..... وہی کرو..... فوراً۔“ میراب سختی سے بولا۔

لڑکی نے گھبرا کر شال اٹھا کر اوڑھ لی۔

”گڈ.....“ میرا ب نے فضا میں ہاتھ کا اگٹوٹھا کھڑا کر کے اسے شاباش دی۔

”اب وہاں سامنے پڑے صوفے پر بیٹھ کر مجھ سے باتیں کرو۔“

”صرف باتیں.....؟“ لڑکی اپنی مخصوص انداز میں ہنسی۔

”ہاں..... صرف باتیں۔“ میرا ب بولا تو لڑکی نے اسے کھوجنے والی نظروں سے دیکھا، ویسے تو بے چارہ ٹھیک ہی لگتا ہے۔

”مگر شاید کوئی پراہم ہو.....“ وہ سوچ کر رہ گئی مگر لڑکی سمجھ دار تھی، سو سمجھ گئی کہ میرا ب کو کس طرح کی کمپنی درکار ہے۔

”مگر باتوں کے لئے..... میری بھی ایک شرط ہے۔“ لڑکی بے تکلفی سے بولی۔

”.....؟“ میرا ب نے حیرت سے

دیباچہ پڑھنے کی حاجت محسوس نہیں کرتا اور کتاب اس کے لئے سرے سے غیر دلچسپ ہو جاتی ہے۔ جو پھر طاق پر پڑے پڑے اپنے نصیبوں کو روتی، گرد کی موٹی تہہ تلے دفن ہو جاتی ہے۔

لیکن.....

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

جو ہر ایک ورق کے پلٹے جانے پر روزانہ کسی نئے انداز میں ڈھل کر، نئی تحریر کی طرح اپنے مرد کے سامنے آئے اور پھر اسے اپنی ذات کے اسلوب بیان میں اس طرح الجھا کر رکھے کہ زندگی بھر اس کی دلچسپی ختم نہ ہو۔

اسی میں عورت کی کامیابی کا راز مضمر ہے کہ وہ اپنے مرد کے مزاج کو سمجھ لے اور اس کی نیت شوق کبھی بھرنے نہ دے کوئی ننھا بچہ سمجھ کر اس کی ٹہل سیوا کرے۔ اس کے ناز اٹھائے اور اپنی ذات اور خوشیوں کو پس پشت ڈال کر اپنے مرد کا خیال رکھے۔

خلوت ہو تو.....

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

مرد عورت کو ہمیشہ ایک منجھی ہوئی طوائف کے روپ میں دیکھنا پسند کرتا ہے، جو اسے بکھرنے سے پہلے سمیٹ کر اگلی شب تک کے لئے یکجا کر دے جب کہ عام زندگی میں وہ اپنی عورت کو انتہائی صابر، شریف، بامروت اور باکردار دیکھنا پسند کرتا ہے تاکہ اس کا شوہر کہلانے میں کسی قسم کی سبکی محسوس نہ ہو۔ بہر حال اتنا تو فلکی کی قربت کا میرا بپراثر ہوا تھا کہ اب اسے ورق ورق کر کے زیت کا صفحہ پلٹنا اور گھونٹ گھونٹ کر کے پینے کا سلیقہ آ گیا تھا۔ اسے معلوم ہو گیا تھا کہ ایک سانس میں جام ختم کر لینے سے پیاس بجھتی نہیں بلکہ تشنگی اور بھی سوا ہو جاتی ہے۔

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

یہ محض اتفاق ہی تھا کہ اب اسے کھلی ڈلی عورتوں کی بجائے ڈھکی چھپی اور اسرار کے پردے میں لپٹی عورت زیادہ متاثر کرنے لگی تھی۔ جسے پرت در پرت کھولا جائے اور کھول کر بھلا میرا بپا ڈھونڈنا چاہتا تھا۔

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

شاید ہر عورت کے اندر چھپی ہوئی ایک فلکی کیوں.....؟ مگر کیوں؟؟

فلکی تو میرا بپا کی زیست کا وہ باب تھی جسے اس نے پورا پڑھ لیا بغیر ہی بند کر دیا تھا اور اب شاید اسی لئے ایک الجھن ہی تھی جو اسے ہر وقت گھیرے رکھتی اور وہ خود سے الجھنے لگتا۔

میرا بپا ایک خواب کی سی کیفیت میں چادر میں لپٹی لڑکی کی سمت آگے بڑھا اور وہ بھی ڈھنی طور پر اسے سمیٹنے کو تیار تھی۔ لہذا چادر پھینک کر کھڑی ہو گئی۔

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

☆☆☆

صبح سویرے میرا بپا گھر آیا تو رحیم بخش نے بغور اس کی سمت دیکھا۔

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

میرا بپا کے منتشر بال، ملجے کپڑے اور شب بیداری کی غماز آنکھیں، اس کی گذشتہ شب کا فسانہ سناری تھیں، رحیم بخش کا دل دکھ گیا۔

گذشتہ کئی برس سے اس گھر کا نمک کھار ہا تھا اس لئے اسے اجڑتا ہوا نہیں دیکھ سکتا تھا۔ مگر وہ بے بس تھا، کچھ بھی تو نہیں کر سکتا تھا کہ آقا و غلام کی تفریق بھی تو قائم رکھنا تھی۔

”رجیم بخش میں ناشتہ نہیں کروں گا چوں کہ باہر سے ہی کر آیا تھا۔ تم بس میرے کپڑے نکال دو۔“ اب اسے آفس جانے کی جلدی تھی۔

”میں بس اتنی دیر میں شیو کر کے اور شاور لے کر ابھی آتا ہوں۔“ وہ چھپاک سے ہاتھ روم میں گھس گیا۔

جب وہ غلت میں صوفے پر بیٹھا اپنے سیاہ چمکتے ہوئے بوٹ کے تسمے باندھ رہا تھا تو رجیم بخش آ کر پاس کھڑا ہو گیا۔

”کیا بات ہے رجیم بخش.....؟ گھر کے خرچے کے لئے کچھ پیسے چاہئیں کیا؟“ میراب نے بغور اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

”نہیں صاحب.....! آپ کو بتانا تھا کہ..... رات امریکہ سے آپ کی امی کا فون آیا تھا۔“

”کیا.....؟“ میراب تسمے باندھنا بھول گیا۔

”اچھا تو کیا کہہ رہی تھیں می؟“

پہلے تو آپ کا پوچھا تب میں نے بتایا کہ آپ رات گھر نہیں ہوں گے اور کسی کام سے گئے ہیں۔

”پھر.....؟“ رجیم بخش سے اسے اسی سمجھ داری کی امید تھی، ”پھر فلکی بی بی کا پوچھنے لگیں۔“

”پھر..... پھر کیا کہا تم نے؟“ میراب نے بے صبری سے پوچھا اور اس سے پہلے کہ رجیم بخش کوئی جواب دیتا ٹیلی فون کی گھنٹی جینج اٹھی۔

میراب کا دل نہ جانے کیوں دھک دھک کرنے لگا۔

”لگتا ہے کہ یہ امریکہ سے بڑی بیگم صاحبہ کا فون ہوگا۔ چونکہ وہ کہہ رہی تھیں کہ وہ صبح دوبارہ فون کریں گی۔“ رجیم بخش نے لپک کر فون اٹھا لیا۔

”جی..... جی میراب صاحب ادھر میرے پاس ہی کھڑے ہیں میں فون دیتا ہوں انہیں۔“ رجیم بخش نے چونکا میراب کو تھما دیا۔

”یہ تم راتوں کو کہاں ہوتے ہو آج کل؟“

اس کے سلام کا جواب دینے کے بعد می نے پہلا سوال یہی کیا تھا۔

”وہ دراصل می آفس میں آج کل کام زیادہ ہے۔ ان فیکٹ آڈٹ ٹیم آئی ہوئی ہے نا، تو بس اس لئے.....“ میراب کو جلدی میں بہانا

سوچ گیا تھا۔

”چلو ٹھیک ہے۔ فلکی کہاں ہے آج کل.....؟“ میراب سوچ میں پڑ گیا۔ اب کیا جواب دے۔ جو سیدھا سادا، صحیح بتا دے تو یہ می کے لئے

بہت بڑا شاک ہوگا اور اگر وہ جھوٹ بولے تو.....

کیا پتا رجیم بخش نے سارا کچھ بتا ہی دیا نہ ہو۔ کہیں اسی لئے تو می یوں کرید کرید کر نہیں پوچھ رہی فلکی کا؟

میراب الجھن میں پڑ گیا۔

”کیا بات ہے میرو، تم چپ کیوں ہو؟ جواب کیوں نہیں دے رہے میری بات کا؟“

فلکی کہاں ہے؟ ٹھیک تو ہے نا وہ؟“ ممی کے لہجے میں کسی انجانے احساس کے تحت ہلکا سا ارتعاش تھا۔
 ”جی ممی.....“ بمشکل تمام میرا بھوک نکل کر بولا جب کہ رحیم بخش کچھ فاصلے پر کھڑا میرا ب کو ہی بغور دیکھ رہا تھا۔
 ”ہیلو.....!“

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

میرا ب کا ذہن تیزی سے سوچ کی منزلیں طے کر رہا تھا۔ آیا کہ ممی کو صاف صاف ساری بات بتا دے یا پھر.....

کم از کم اس وقت ان سے کوئی جھوٹ بول کر اور کوئی خوبصورت سا بہانا کر کے انہیں ٹال دے، ویسے بھی وہ اس وقت آفس سے لیٹ ہو

رہا تھا۔

”جی میں..... وہ فلکی دراصل اپنے گھر گئی ہوئی ہے۔“ وہ بمشکل اتنا ہی کہہ سکا۔

”ہاں وہ تو مجھے کل رحیم بخش نے بتا دیا تھا۔ مگر میں پوچھ رہی ہوں کہ فلکی میسے کیوں گئی ہوئی ہے۔“ ممی نے جلدی سے پوچھا۔

میرا ب چپ کر گیا شاید مناسب الفاظ کی تلاش میں تھا۔

”اوہ..... سمجھ گئی..... سمجھ گئی۔ تم شاید شرم رہے ہو۔ پہلی بار باپ بننے کے مرحلے سے گزر رہے ہو شاید اسی لئے۔“ ممی کی آواز میں خوشی کا

غصر نمایاں تھا۔ ”میری ہی مت ماری گئی جو سمجھ نہ سکی تھی، تو کب تک ہے فلکی کی Due ڈیٹ.....؟“

”جی.....؟“

میرا ب حیران تھا کہ اب کیا کرے۔

”ہیلو..... ہیلو.....“ ادھر سے ممی پکار رہی تھیں۔



دیوانہ ابلیس

عشق کا قاف اور پکار جیسے خوبصورت ناول لکھنے والے مصنف سرفراز احمد راہی کے قلم سے حیرت انگیز اور پراسرار

واقعات سے بھرپور، سلفی علم کی سیاہ کاریوں اور نورانی علم کی صوفشائیوں سے مزین، ایک دلچسپ ناول۔ جو قارئین کو اپنی گرفت میں لے کر ایک

ان دیکھی دنیا کی سیر کروائے گا۔ سرفراز احمد راہی نے ایک دلچسپ کہانی بیان کرتے ہوئے ہمیں ایک بھولی کہانی بھی یاد دلا دی ہے کہ گمراہی اور

ان دیکھی قہاتوں میں گھرے انسان کے لئے واحد سہارا خدا کی ذات اور اس کی یاد ہے۔ **کتاب گھر پر دستیاب ہے۔**

باب-3

کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

<http://kitaabghar.com><http://kitaabghar.com>

”سوری می.....! اس وقت تو مجھے آفس جانے کی جلدی ہے پہلے ہی آج کافی لیٹ ہو چکا ہوں۔“ بے قراری سے میرا ب نے گھڑی کی سوئیوں پر نظر ڈالتے ہوئے بے خیالی میں کہا۔

”ارے.....!!“ می حیران رہ گئیں۔ ”ابھی تو بقول تمہارے تم واپس آفس سے گھر پہنچے تھے۔ اب پھر آفس جا رہے ہو؟“ می کے لہجے میں ایسا کچھ ضرور تھا جسے صرف میرا ب ہی محسوس کر سکتا تھا۔ ”وہ دراصل می بتایا تو تھا آپ کو کہ آج کل کام کچھ زیادہ ہے۔“ اس نے سر کھجایا۔ ”میں آپ کو خود فون کروں گا۔“ میرا ب نے بات ختم کی۔

”چلو..... جیسے تمہاری مرضی۔ مگر وہ فلکی کی دیو ڈیٹ.....؟“

”وہ بھی آپ کو پھر بعد میں ہی بتا دوں گا۔ پلیز می اس وقت بہت جلدی میں ہوں.....“ میرا ب واقعی آفس سے لیٹ ہو رہا تھا۔

کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

<http://kitaabghar.com><http://kitaabghar.com>

”آپ بھی.....“ میرا ب نے جواب لا ڈجتایا۔

خدا حافظ کہہ کر میرا ب نے رسیور واپس کریڈل پر ڈالا اور ایک لمبا سکون کا سانس لیا۔

”تو بہ..... آج تو مارے ہی گئے تھے۔“

میرا ب نے جھک کر ٹیبل پر پڑی کار کی چابی اٹھائی اور آفس جانے کے لئے دروازے کی سمت بڑھا۔

کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

<http://kitaabghar.com><http://kitaabghar.com>

”صاحب.....!“ رحیم بخش نے اسے پیچھے سے پکارا۔

”اب کیا بات ہے؟“ میرا ب نے الجھن آمیز نظروں سے اس کی سمت دیکھا۔

”آج دوپہر کھانے میں کیا پکاؤں؟“

”یہ بھلا مجھ سے پوچھنے والی بات ہے؟“

کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

<http://kitaabghar.com><http://kitaabghar.com>

”پھر اور کس سے پوچھوں؟“ رحیم بخش محض سوچ کر رہ گیا۔

”جودل چاہے پکالو۔“ میرا ب جھنجھلا کے باہر نکل گیا۔

فلکی کے ہوتے ہوئے بھی اگرچہ گھر بیلو کام کاج نوکروں کے ہی حوالے تھا تاہم گھر کا نظام جس لگے بندھے روٹین کے تحت چل رہا تھا۔ اس کی ڈور فلکی کے ہی ہاتھوں میں تھی۔ وہ سارے کاموں کو ترتیب دیا کرتی۔

بیڈ شیٹس کب بدلنا ہیں!

گلدانوں کے پھول کب تبدیل کرنا ہیں!

کن کن کپڑوں کو کلف لگوانا ہے!

کون سے کپڑے بیڈنگ روم پر لگ کر دھو بی کے پاس جائیں گے اور کتنے کپڑوں کی گانٹھ جائے گی!

مہمانوں کی آمد پر ٹرائی پر کون کون سے لوازمات رکھے جائیں گے!

کب کیا کرنا ہے اور..... کیسے کرنا ہے، تمام ہدایات فلکی ہی جاری کیا کرتی تھی۔ رحیم بخش تو صرف احکام کی تعمیل کا پابند تھا۔ باقی

کام بے شک رحیم بخش ہی دیکھتا تھا البتہ ہانڈی خود فلکی ہی پکایا کرتی تھی اور اس کے ہاتھ میں بے حد ذائقہ بھی تھا۔

کبھی ہفتے عشرے میں ایک روز لگا کر وہ لک کے ساتھ مل کر میڈے اور سبزے کے روٹر، سمو سے اور بیف یا چکن کے کباب بنوا کر فریزر کر

لیا تھی اور اس کے علاوہ کالی چھو لے بھی ابال کر ایک شاپر میں ڈال کر فریزر کے خانے میں رکھ چھوڑتی تھی تاکہ مہمانوں کے لئے چاٹ بنائی جاسکے،

اور کسی بھی لمحہ اچانک آ جانے والے مہمانوں کے آگے اسے سبکی نہ ہو۔

گلاب جامن، رس گلے اور فالودہ بنانا تو اس نے رحیم بخش کو بھی سکھا دیا تھا۔ وہ اکثر رحیم بخش سے کرید کرید کر میراب کی پسند کے کھانوں

کے بارے میں پوچھتی رہتی اور پھر کھانے پکانے کی مختلف ترکیب کی کتابیں کھولے، نت نئے ذائقے دار چیزیں بنانے کے شوق میں گھنٹوں باورچی

خانے میں کھڑی رہتی۔

میراب کا حلقہ احباب بہت وسیع تھا۔ وہ یاروں دوستوں کو گھر پر دعوتیں دینے کا شوقین بھی تھا۔ اکثر ملکی وغیر ملکی دوست گھر پر مدعو ہوتے،

تب کئی طرح کے پاکستانی اور انگریز کھانے پکا کرتے۔ اگرچہ جس روز دعوت ہوتی تو اس دن کمپنی کا کلک بھی صبح سے ہی گھر آ جاتا تھا تاکہ وقت پر

کھانا تیار کر لے۔ پھر مختلف ویٹرز اور نوکروں کے بچن میں موجودگی کے باوجود بھی فلکی کی تسلی نہ ہوتی۔

وہ خود بھی مسلسل بچن میں ساتھ گھسی کاموں میں الجھی رہتی، جب تک پارٹی اختتام کو نہ پہنچتی، فلکی آرام سے ٹک کر نہ بیٹھ پاتی۔ جب

مہمانوں کے رخصت ہونے کے بعد کمپنی کے کلک اور ویٹرز اس سے اجازت کے طلب گار ہوتے تو وہ کسی کو اپنے گھر سے بغیر کھانا کھائے نہ جانے

دیتی، اور پھر جاتے وقت کچھ نہ کچھ رقم بطور انعام دیا کرتی، اور ان سب کی مدد کا شکریہ ادا کرتے نہ جھکتی، اس کے انہی اوصاف کی بدولت سارے

ملازمین اس کی بے حد عزت کرتے تھے، اور بطور خاص رحیم بخش تو فلکی سے بے حد متاثر تھا۔ کبھی کبھی فلکی بی بی واپس اپنے گھر آ جائیں۔

مگر کس طرح.....!!

صاحب نے تو اپنے دل سمیت ہر دروازہ ان کے لئے بند کر ڈالا تھا۔

مگر کاش.....!! کاش!! کوئی انہونی ہو جائے۔ رحیم بخش دل سے دعا مانگتا۔

☆☆☆

اس روز فلکی گھر میں سب کو ناشتہ کرانے کے بعد، دھونے کے لئے میلے کپڑے الگ کر رہی تھی، اس وقت تک کامران بھائی آفس اور نمراؤنٹو کالج، جب کہ شیوآ پا آج اپنے کسی کام کے سلسلے میں بینک گئی ہوئی تھیں۔ بھابی اپنے کمرے میں معاذ کے کپڑے بدلوا رہی تھیں اور امی برآمدے میں تخت پر بیٹھی چھالیہ کتر رہی تھیں، کہ اچانک باہر گلی میں موٹر کشر رکنے کی آواز سنائی دی اور اس کے چند لمحوں بعد ہی بھابی کی امی اور بہن صحن والے دروازے پر دستک دیتی اندر چلی آئیں۔

امی صحن کو آتا دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئیں اور بڑے تپاک سے ملیں جب کہ اسی اثنا میں بھابھی بھی اپنی ماں، بہن کی آوازیں سن کر کمرے سے دوڑی چلی آئیں، اور یوں گلے لگ کے ملیں گویا صدیوں سے بچھڑی ہوئی ہوں۔

”اوہو.....! فلکی بھی آئی ہوئی ہے۔“ بھابی کی والدہ، امی سے ملنے کے بعد رسماً فلکی کو بھی گلے لگ کے ملیں، جب کہ فلکی سے ہاتھ ملاتے ہوئے رومیلہ کے چہرے کا زاویہ بگڑنے لگا تھا۔ رومیلہ انداز فلکی ہی کی ہم عمر ہوگی مگر جانے کیوں فلکی سے خاصی الگ رہا کرتی۔ جیسے فلکی کے ہاتھوں کچھ چھن جانے کا خوف ہو، بطور خاص اگر کسی تقریب میں غفی بھی موجود ہوتا تو یہ خطرہ اور بھی دوچند ہو جاتا۔

”بھابھی پلیز آپ اور امی آئی وغیرہ کو ڈرائنگ روم میں لے کر چلیں میں اتنی دیر میں چائے وغیرہ بنالاتی ہوں۔“ فلکی نے خوش دلی سے مسکرا کر بھابی کو پر غلوص آفری، اور چھپاک سے فوراً میں کچن میں جا گھسی۔

عقرب بھابی کے ماموں زاد کی شادی تھی اور بھابی کی امی نسرين بھابی کو ان کا کارڈ پہنچانے آئی تھیں۔

”اب تم کامران میاں کے ساتھ شادی پر ضرور جانا کبھی حیلے بہانے کرنے لگو۔“ بھابی کو امی نے ہاتھ میں کارڈ تھماتے ہوئے تاکید کی۔

”کچھ یاد بھی ہے کہ تمہیں میکے آئے ہوئے کتنا عرصہ ہو گیا۔“

”میں تو بہت حیران ہوتی ہوں جب دیکھتی ہوں کہ دنیا کی لڑکیاں کیسے بیاہ کر بھی ہر وقت میکے والوں کی چھاتی پر چڑھی رہا کرتی ہیں۔“ انہوں نے ایک طنزیہ نظر چائے کی ٹرے اٹھائے اندر داخل ہوتی فلکی پر ڈالی۔

فلکی کی امی چونک اٹھیں اور بھابی کو خامو اہکھیا کر مسکرانے لگیں۔

”نہیں امی آپ بے فکر ہیں میں شجاع کی مہندی والے روز صبح سے ہی ادھر آ جاؤں گی۔“ بھابی نے اپنی امی کی تسلی کرائی۔

”اور تم کب آئیں فلکی۔“ رومیلہ نے براہ راست اسے مخاطب کیا۔

”مجھے تو یہاں کافی دن ہو گئے ہیں۔“ فلکی نے گول مول سا جواب دیا۔

”اور تم سناور رومیلہ؟ تمہارے ڈاکٹر بننے میں اور کتنا عرصہ باقی رہ گیا۔“ فلکی نے کبابوں کی پلیٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے مسکرا کر پوچھا۔

”بس اب تو منزل قریب ہی نظر آنے لگی ہے۔“ وہ بھی جبراً مسکرا دی۔

”فلکی.....! بھلا تمہارے سسرال والے تو امریکہ اور انگلینڈ میں رہا کرتے ہیں ناں۔“ بھابی کی امی کو چانک جانے کیا یاد آ گیا۔

”جی آئی.....“ فلکی نظریں جھکا کر بولی۔ ”اور تم تو اسلام آباد میں اپنے علیحدہ گھر میں رہتی ہو؟“ وہ پھر بولیں۔

”جی.....؟ جی ہاں.....!“ فلکی کچھ نہ سمجھی۔

”بھئی مان لیا۔ خوش قسمت ہو تم بھی، نہ ساس نندوں کا جھنجھٹ، نہ کوئی جیٹھ دیوروں کی کل کل اکیلے میاں جی کا دم، جو چاہو سو اپنے الگ گھر میں کرو، دل چاہا تو دوروٹی ڈال لی، نہ چاہا تو بازار سے پکا پکایا لے آئے اور کھاپی کے پڑ رہے، مگر پھر بھی وہاں تمہارا دل نہیں لگتا، دوڑی دوڑی ہر دم میکے کی طرف ہی بھاگی چلی آتی ہو، اب بھلا میرا ب، میاں کیا کرتے ہوں گے وہاں تمہارے بنا؟“

فلکی تو شرمندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں ہی ڈوبتی چلی گئی اور امی کے چہرے کے تاثرات بھی عجیب سے تھے۔

”ارے میرا ب کو بھلا فلکی کی کہاں یاد آتی ان کے تو نوکروں کی ایک پوری فوج ملازم ہے۔“ بھابی نے شاید ماحول کی کشیدگی کو کم کرنے کی خاطر کہا تھا اور ساتھ ہی نظروں ہی نظروں میں ماں کو خاموش رہنے کا بھی اشارہ کیا۔

”بھئی کچھ بھی سہی، جو ذمے داریاں بحیثیت بیگم ہونے کے ان پر عائد ہوتی ہیں وہ تو نوکر پوری نہیں کر سکتے ناں۔“ وہ کہاں کا کلکڑا کا نئے میں پروتے ہوئے معنی خیز انداز میں بولیں۔

”امی میں آپ کو سب کچھ بتا دوں گی۔“ بھابی نے دبی زبان میں کچھ اشارہ کیا۔

”اچھا.....؟ کوئی ایسا مسئلہ ہے کیا؟“

”بس بہن! سب نصیبوں کی بات ہے۔“

”اور تم.....!“ بھابھی کی امی دفعۃً ان کی طرف مڑیں۔ ”تم اب گھر کے کام دھندے چھوڑ کر اپنا خیال رکھا کرو ناں، آخر کس حال سے ہو، ماشاء اللہ چار چار نندیں ہیں۔ مل جل کر نمٹا لیا کریں گی سب کام۔“ بھابھی سر ہلا کر رہ گئیں۔

”اچھا بہن!“ وہ امی کی طرف منافقانہ مسکراہٹ لیوں پر سجائے آگے بڑھی۔ ”اب چلوں میں تم بھی نسرین کا خاص خیال رکھنا اگر سمجھو تو اب تو تمہاری اصل بیٹی تو نسرین ہی ہے۔“ وہ جانے کیا جتنا چاہ رہی تھیں۔

”اس میں بھلا کیا شک والی بات ہے، نسرین تو مجھے سب سے بڑھ کر عزیز ہے۔“ امی نے سکون سے کہا اور جب خدا خدا کر کے بادل نخواستہ بھابی کی امی اور بہن گھر سے رخصت ہوئیں تو فلکی نے سکھ کا سانس لیا۔

اگلے ہی دو چار روز میں فلکی کے میکے آنے کی خبر خود بخود دوسریوں کو خوش گوار دھوپ کی طرح سارے محلے پڑوس میں پھیل گئی، اور اس کے بعد آس پڑوس کی خواتین اور فلکی کی سہیلیاں اس سے ملنے کے لئے گھر آنا شروع ہو گئیں۔

مگر..... کس فلکی سے!!!

یہ وہ فلکی تو نہیں تھی جسے انہوں نے اپنے ہاتھوں سے دلہن بنا کر دعاؤں کے سائے تلے اس کے پیاسا گھر رخصت کیا تھا۔

”تو پھر یہ کون تھی؟“

زرد زرد، کمزور، مضحکہ خیز پر مہرہ، اور مرجھائی ہوئی۔

سادہ سا کاشن کا پھولدار سوٹ پہنے، بڑی ساری سیاہ چادر لپیٹے، دھلے ہوئے سادہ سے چہرے کے ساتھ، اس کی آنکھوں میں کاجل کی کاٹ تھی اور نہ ہی لیوں پر شوخ رنگ نہی۔

”اے فلکی.....!“

”جب دولہا بھائی کے بنا اس قدر اداس رہنا تھا تو بھلا آئی ہی کیوں تھی انہیں اس طرح چھوڑ۔“ اس کی سہیلی نے شرارت سے اسے چھیڑا۔

”چھوڑ کر.....؟؟؟“ فلکی حیرت سے اس کا منہ بکنے لگی۔

کریک ڈاؤن

طارق اسماعیل ساگر کا ایک بہترین ولولہ انگیز، خون گرم دینے والا ناول۔ کشمیر حریت پسندوں اور سیاچن گلیشئرز پر لڑی جانے والی جنگوں کے پس منظر میں لکھا گیا، بہترین ناول۔ جلد کتاب گھر پر آ رہا ہے، جسے ناول سیکشن میں دیکھا جاسکتا ہے۔

کیسے کہہ دوں کہ مجھے چھوڑ دیا ہے اس نے

بات تو سچ ہے مگر بات ہے رسوائی کی

”بھئی..... یہ اس قدر شکستہ دل ہے اپنے ”اُن“ کے بغیر کے اس وقت مذاق بھی سمجھنے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔“

دوسری سیٹلی نے چوٹ کی، اور فلکی..... بس مسکرا کر رہ گئی۔

محلے کی بڑی بوڑھی خواتین اسے ملنے آتیں تو سر سے پاؤں تک ٹٹلتی ہوئی نظروں سے دیکھا کرتیں۔ کچھ تو کہے بنا رہی نہ سکتیں۔

”اسی لئے تو آج کل اتنی پہلی پڑی ہوئی ہے۔“

ان دنوں میں ایسا ہی ہوا کرتا ہے، ہار سنگھار بھی کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ ”وہ فلکی کے ڈھیلے ڈھالے لباس میں کوئی اور نتیجہ اخذ کرتیں۔“

”کن دنوں میں.....؟؟“

فلکی الجھ سی جاتی اور پھر جب بات کی گہرائی تک پہنچتی تو ایک ٹھنڈی آہ بھر کے رہ جاتی، اور پھر فلکی نے اپنی عدت کے دوران ہی مختلف اخبارات میں ”ضرورت ہے“ کے اشتہارات کھنگالنے شروع کر دیئے تھے چونکہ اب آنے بہانے بھائی سب کے آگے روز بروز بڑھتی ہوئی مہنگائی اور خرچے کی تنگی کا رونا روایا کرتی تھیں۔ حالانکہ کامران بھائی، بہت اچھی پوسٹ پر تھے اور چالیس سے پچاس ہزار روپے ان کی ماہانہ انکم بن جایا کرتی تھی اور پھر گھر کا خرچہ بھی وہ زیادہ تر بھائی ہی کے ہاتھ میں دیا کرتے تھے، امی کو تو وہ ان کی ضروریات کے لئے الگ سے کچھ لگی بندھی رقم دیا کرتے تھے اور باقی سب بہنوں کو بھی پاکٹ منی کے نام پر کچھ نہ کچھ ضرور ملا کرتا تھا۔ تاہم فلکی کو جلدی ہی اس احساس نے آگھیرا تھا کہ اسے اپنے طور پر بھی کچھ نہ کچھ ضرور کرنا ہوگا مگر مشکل یہ تھی کہ وہ جس جگہ بھی انٹرویوز دینے کے لئے جاتی وہاں سب سے پہلے سوال یہ کیا جاتا۔

”جی تو کوئی تجربہ ہے آپ کے پاس اس کام کا؟“ اور جواباً فلکی چپ رہ جاتی، زندگی میں تجربات جمع کرنے کی مہلت ہی بھلا کب ملتی تھی اسے!

”ماسٹر زی ڈگری ہاتھ میں آتے ہی تو اسے پرکاٹ کر میرا ب کے خوبصورت کنج قفس میں رونق بکھیرنے کی خاطر چھوڑ دیا گیا تھا۔“

اسے تو اس کے گھر والوں نے محض، سادگی، شرافت، اطاعت گزاری اور اپنی خدمت کے عوض دوسروں کا دل جیتنے کی تربیت دے کر، اپنا ہنر آزمانے کے لئے زندگی کے عملی میدان میں لا چھوڑا تھا۔ مگر تا بعد امداد کی وجہ سے ضروری کی یہ ٹریننگ اس کی عام زندگی میں کوئی خاص مثالی کردار نہ ادا کر سکی تھی، اور شاید تبھی وقت و حالات نے بڑی آسانی کے ساتھ اس کی پیشانی پر ایک ناکام عورت کا لیلبل چسپاں کر دیا تھا۔

آخر کار تنگ آ کر وہ ایک دن موٹر ڈرائیونگ سکھانے والے ایک ادارے میں، جہاں وہ بطور انسٹرکٹر، انٹرویو کے لئے آئی تھی، تجربے سے

متعلق ایک سوال کے جواب میں کہہ ہی بیٹھی۔

”دیکھیں جی.....!“ جب ہر کوئی آپ کی طرح مجھ سے میرے تجربے کے بارے میں سوال تو کرے گا، مگر اپنے پاس رکھ کر کچھ سیکھنے کا موقع

نہیں دے گا، تو تجربہ کہاں سے آئے گا؟ کیا کسی روز کوئی مادرائی مخلوق آسمان سے اتر کر، چپکے سے میرے سامنے تجربات کا سرنٹیکٹس رکھ جائے گی؟“ وہ چہرے پر جھنجھلاہٹ کے نمایاں آثار لئے، پرس کندھے پر ڈال کر اٹھ کھڑی ہوئی، ظاہر ہے کہ یہاں بھی تجربے کے بغیر کوئی امید لگانا فضول ہی تھا۔

فلکی کے لہجے میں کوئی ایسی بات ضرور تھی کہ انٹرویو لینے والے نے چونک کر اپنا سر اٹھایا اور عینک کے موٹے موٹے شیشوں کے پیچھے سے

بنغوراسے دیکھا۔

کتاب گھر کی پیشکش

گندمی رنگت غصے اور جھنجھلاہٹ کی حدت سے دھک رہی تھی۔

”پلیز..... پیٹھ جائیے۔“ عینک والے نے نرم لہجے میں فلکی کو مخاطب کیا دل نہ چاہتے ہوئے بھی مجبوراً فلکی دوبارہ کرسی پر ٹک گئی، وہ گھر سے

”جی بہتر.....“ فلکی نے سعادت مندی سے سر ہلایا اور جانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”دماغ تو خراب نہیں ہو گیا تمہارا؟ ابھی تو تمہاری عدت بھی مکمل نہیں ہوئی اور تم گھر سے باہر نوکری کی تلاش میں ماری ماری پھرنے لگیں۔“ امی نے جب فلکی کی ملازمت کا سنا تو خفا ہونے لگیں۔

”امی.....! عدت شرعی لحاظ سے اس لئے بھی مکمل کرائی جاتی ہے کہ تاکہ اس وقفے میں معلوم ہو سکے کہ آیا اس عورت نے کہیں (Conceive) تو نہیں کیا ہوا ہے، اور یہ ان دنوں اس مرد کے بچے کی ماں تو نہیں بننے والی ہے جو کہ اب اس کا شوہر نہیں رہا۔ تو مجھے پہلے ہی معلوم ہے کہ میرے ساتھ ایسا کچھ ہوا نہیں۔“ فلکی نے بیزار سے سر جھٹکا۔

”حد ہو گئی بھلا۔“ یہ کیا بات ہوئی! ہم نے تو آج تک دنیا کا یہی چلن دیکھا ہے کہ جسے بھی طلاق ہو جائے یا جو عورت بیوہ ہو، اس پر عدت میں بیٹھنا لازم ہے۔ مگر تمہاری تو منطق ہی نرمی ہے۔ انگریزی پڑھائیوں نے دماغ خراب کر کے رکھ دیا آج کل سب کا۔“ امی نے ہنسی بناتے ہوئے ناپسندیدگی سے فلکی کی طرف دیکھا۔

”گمراہی.....! عدت میں بیٹھنے والی خواتین پر من و سلوی تو نہیں اترتا، اب اگر میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بھائی پر بوجھ بنی بیٹھی رہوں تو بھلا کیا فائدہ ہوا۔“ وہ الماری سے اپنا ایک سادہ سا کاٹن کا سوٹ نکال لائی تاکہ بروقت استری کر کے رکھ دے اور صبح ملازمت پر جاتے وقت کوئی ٹینشن نہ ہو۔

”لیکن یہ کارڈرائیوری والی بھلا کون سی نوکری ہوئی، اس سے تو اچھا تھا کہ تم کسی اسکول میں ٹیچر لگ جاتیں۔“ امی نے سادگی سے کہا۔

”امی.....! ٹیچنگ بھی کوئی آسان کام نہیں ہے۔ بس یوں سمجھ لیں کہ اپنا دماغ گھول کر پلانا پڑتا ہے بچوں کو لیکچرزدو، کاپیاں چیک کرو، میٹنگز اٹینڈ کرو، سوالیہ پرچے، بناؤ، امتحانی پرچے چیک کرو اس کے بعد رزلٹ تیار کرو، اور جب ایکسٹرا کری کلرایٹو شیڈز ہوں تو وہ پورا دن اسکول میں ہی گزار دو، ریہرسل کروا کے گھر آؤ تو ہوم ورک چیک کرنے والی کاپیوں کا ایک پلندہ ہمارا ہو۔ گویا گھر آ کر بھی نجات حاصل نہ ہو اور پھر مہینے بھر اپنا لہو نچوڑنے کے بعد جب تنخواہ ہاتھ میں لو تو وہیں شرم سے زمین میں گڑھ جاؤ کہ بس یہی اوقات ہے اپنی.....“ فلکی نے قمیص استری کر کے ہینگر پر لگاتے ہوئے امی کی بات کا تفصیلی جواب دیا۔

”تو یہاں کون سا قانون کا خزانہ الاٹ ہو جائے گا تیرے نام پر؟“ امی کا اشارہ ڈرائیونگ اسکول کی طرف تھا۔

”نہ سہی۔“ فلکی نے لا پرواہی سے سر جھٹکا۔ ”لیکن کم سے کم کوئی قہرل، کوئی چارم تو ہو گا نالائف میں۔“

اسی اثنا میں شبو آ پا جو دھلے ہوئے کپڑے چھت پر بندھے تار پر ڈالنے کے لئے گئی ہوئی تھیں، وہ بھی آ کر امی اور فلکی کے مابین ہونے والی بات چیت سننے کے لئے کھڑی ہو گئیں۔

”دیکھا تم نے اسے؟“ ”کتنی خود مہر ہو گئی ہے، ہر بات کا کیسے فوراً تنک کر جواب دیتی ہے۔“ امی نے شبو آ پا کو مخاطب کرتے ہوئے فلکی کے رویے کا شکوہ کیا۔ جب کہ فلکی سنی ان سنی کرتے ہوئے، بے نیازی سے اپنے کپڑے ہینگ کرنے چلی گئی تھی۔ تب شبو آ پانے دھیرے سے امی کو سمجھایا۔

”اسے بولنے دیں امی، اتنے عرصے کا جو ہر اس کے اندر بھرا ہوا ہے، وہ جب خارج ہو جائے گا تو یہ خود بخود ٹھیک ہو جائے گی، جیسے

پھوڑے کا گندہ مواد نکال دیا جائے تو زخم بالآخر بھر ہی جاتا ہے۔ اسے بھی سکون مل جائے گا۔“

”خدا جانے کیسی آزمائش بھرے دن آگئے ہیں! اور نہ جانے کتنا کچھ دیکھنا اور سہنا باقی رہ گیا ہے۔“ امی نے دوپٹے کے پلو سے آنکھیں رگڑیں۔

”آپ حوصلہ رکھیں امی، رفتہ رفتہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ شبو آپا، امی کے پاس بیٹھیں اور انہیں تسلیاں دینے لگیں۔ رات کو یہ مسئلہ کامران بھائی کے سامنے پیش کیا گیا۔

”کیوں فلکی؟ کیا ضرورت پیش آگئی تمہیں ابھی سے جاب کرنے کی؟“ بھائی نے بغور فلکی کی طرف دیکھا۔

”بس بھائی.....! اچھولی..... اگر میں چند روز اور گھر میں یوں بے کار بیٹھی رہی تو شاید پاگل ہو جاؤں گی.....“ فلکی نے سر جھٹک کر دھیرے سے جواب دیا۔

”ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے بے چاری..... ذرا گھر سے باہر نکلے گی تو دل ہی بہل جائے گا کچھ اس کا۔“ بھابی جو ننھے معاذ کو گود میں لئے قریب ہی بیٹھی تھیں۔ شاید کچھ کہنے کے لئے بے قراری سے پہلو بدل رہی تھیں۔ بالآخر بول ہی اٹھیں۔

”پکی بات ہے فلکی کہ تم یہ جاب محض اپنا ذہن بنانے کی غرض سے کر رہی ہو یا کوئی اور بات ہے؟“

فلکی کے حلق میں آنسوؤں کے نمکین گولے سے پھنس گئے۔ گلا رندہ گیا۔

”بھائی..... بس میرا جی گھبراتا ہے۔“

فلکی کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر کامران بھائی تڑپ اٹھے اور اپنی جگہ سے اٹھ کر فلکی کے پاس آ بیٹھے، اور نہایت شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

”پتا ہے فلکی.....! جس روز اجا جی کا انتقال ہوا تھا نا۔ تو میں نے اسی روز یہ سوچ لیا تھا کہ آج باپ صرف میرا مرا ہے۔ یتیم صرف میں ہوا ہوں۔ اگر زندگی میں کبھی باپ کی شفقت کی کمی محسوس ہوگی تو صرف مجھے ہوگی، البتہ جو میرے چھوٹے بہن بھائی ہیں۔ ان کے لئے باپ کا شفقت بھرا سائبان میں خود بنوں گا، انہیں زندگی میں کسی بھی قسم کی کمی کا احساس کبھی نہیں ہونے دوں گا۔ مگر بیٹے.....! بعض اوقات جو کچھ انسان سوچتا ہے وہ ہو نہیں سکتا، اور پھر بیٹیوں کے مقدر کے آگے تو بڑے بڑے امرا بادشاہ اور اولیا بار جاتے ہیں، میں تو پھر تیرا ادنیٰ سا بھائی ہوں۔ کبھی میری کسی بات سے تیرا دل دکھی ہو تو مجھے معاف کر دینا۔“ اس لمحے کامران بھائی بے حد تھکے تھکے اور افسردہ سے دکھائی دے رہے تھے۔

”تم مجھ پر بوجھ نہیں ہو۔ کوئی بھی بیٹی اپنے والدین کے کندھوں پر بوجھ نہیں ہوا کرتی۔ لیکن اگر تم واقعی محض اپنا دھیان بنانے کی غرض سے ملازمت کرنا چاہ رہی ہو تو میری طرف سے تمہیں اس کی اجازت حاصل ہے۔“ اور فلکی جو اتنی دیر سے بھیا کی باتیں سن کر بے آواز رو رہی تھی یک دم اس کے شانے پر سر ٹکا کر بے تحاشا رونے لگی۔ تب کامران بھائی اسے ساتھ لگا کر دھیرے دھیرے تھپکنے لگے۔

اگرچہ اس وقت گھر کے سبھی افراد اس کمرے میں موجود تھے تاہم ماحول پر عجیب سی افسردگی اور چپ کی چادر تھی ہوئی تھی۔ صرف فلکی کی دہلی

دلی سسکیاں فضا پر چھائے مہیب سنائے سے نبرد آزما تھیں۔

”اوہ..... یاد آیا.....“ دفعۃً نمرا چونک اٹھی سب اس کی جانب متوجہ ہو گئے۔

”آج دوپہر خالہ کا فون آیا تھا۔ جو میں نے اٹینڈ کیا تھا۔ خالہ کہہ رہی تھیں کہ عینی آپنی کے نکاح کے لئے ڈیٹ فکس ہو گئی ہے اور کل وہ بذاتِ خود رسم نکاح میں شمولیت کا بلاوا دینے عفی بھائی کے ساتھ گھر آئیں گی تو باقی تفصیلات وہ پھر بتائیں گی۔“

”عفی بھائی کے ساتھ؟“ نشو جو اپنی نوٹ بک پر جھکی کچھ لکھ رہی تھی، بے یقینی سے سر اٹھا کر نمرا کی طرف دیکھا۔

”ہاں سوری.....! دراصل میں بتانا ہی بھول گئی تھی کہ آج کل بھائی اپنے گھر آئے ہوئے ہیں۔ انہیں بطور اسٹنٹ کمشنر جاب مل گئی ہے اور وہ اپنی ٹریننگ پر روانہ ہونے سے قبل دو چار روز کی چھٹی پر گھر آئے ہوئے ہیں، اور شاید عینی آپنی کے نکاح کے بعد ہی روانہ ہوں گے۔“

”اور اتنی اہم بات تمہیں اب یاد آئی؟ نمرا تم بھی بس..... بادام کھایا کرو تا کہ یادداشت بہتر ہو۔“ نشو کے جھنجھلاہٹ بھرے لہجے نے امی کو چونکا دیا۔

”کیا ہوا نشو یہ بڑی بہن سے کیسے بات کر رہی ہو؟“

”کوئی بات نہیں امی..... ہم آپس میں اچھی فرینڈز بھی تو ہیں۔“ نمرا نے نشو کا فیور کیا۔

”سوری امی..... مگر عفی بھائی کو کمشنر بننے پر مبارک باد دینے کے علاوہ ان سے ٹریٹ بھی تو لینا تھی۔ میں تو چلی عفی بھائی کو فون کرنے۔“ وہ سب کو حیران پریشان بیٹھا چھوڑ کر فون کی سمت لپکی۔

”آئے ہائے.....! کل خالہ اور عفی گھر آئیں گے مگر میں تو اپنے ماموں زاد کی شادی پر گئی ہوں گی۔“ بھابی، خالہ اور عفی بھائی وغیرہ سے ملاقات نہ ہونے کے خیال سے خاصی بیتاب ہو رہی تھیں۔

وہ جان بوجھ کر حیلے بھانے عفی اور عفی کے گھر والوں کے سامنے اپنے خاندان والوں کی برائیاں اور بطور خاص اپنی بہن رومیہ کی خوبیاں کرتے نہ تھکتی تھیں۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ ان کی بہن رومیہ جلد از جلد کسی طرح عفی کی دلہن بن جائے۔

☆☆☆

موسم رفتہ رفتہ بدل رہا تھا۔ بہار کی آمد آمد تھی۔ ہر طرف نئے غنچے اور نئے شگوفے کھل رہے تھے۔ پرندے درختوں کی گھنی شاخوں پر اپنے گونسلے بنا رہے تھے۔ فلکی نے دیکھا صحن میں لگے جامن کی سبز شاخوں پر طوطے کا جوڑا اور چڑیا کا گھرانہ آباد تھا۔ شاید بی چڑیا کا نیا نیا گھر بنا تھا۔ تبھی ہر وقت چڑا اس کے آگے پیچھے گھومتا رہتا۔ جبکہ بی چڑیا کی گردن ایک عجب تفاخر سے ہر وقت تنی رہتی۔ شاید کسی کا پیار دل کو غرور سے اتنا کر دیتا ہے۔

کبھی کبھار چڑا صحن میں لگے واش بیٹن کے اوپر نصب شیشے کے اوپر جا بیٹھتا اور پھر آئینے میں اپنے ہی عکس کو نا دیدہ دشمن جان کر ٹھونگیں مارنے لگتا، شاید وہ اپنے سائے کو بھی کسی رقیب رو سیاہ سے کم نہیں گردانتا تھا۔ محبت میں حسد، شدت پسندی، اور بلا شرکتِ غیرے کسی کی ملکیت کے احساس کا جذبہ شاید چرند پرند میں بھی بدرجہ اتم پایا جاتا ہے۔ تبھی وہ ایک دوسرے کے جیتے جی کبھی جوڑے نہیں بدلتے۔

”کاش..... میں بھی کوئی چڑیا ہوتی.....“ ایک انہونی سی خواہش نے فلکی کے دل میں سرابھارا۔ مگر فلکی کا نشیمن تو ریت کے گھر وندے سے

بھی بڑھ کر کزور ثابت ہوا تھا۔

میں نے اک آشیاں بنایا تھا

اب بھی شاید وہ جل رہا ہوگا

تکے سب خاک ہو چکے ہوں گے

اک دھواں سا نکل رہا ہوگا

فلکی اپنے گرد و پیش سے بے خبر بس اپنے دھیان میں مگن بیٹھی پرندوں کی حرکات و سکنات کا جائزہ لے رہی تھی کہ شبو آ پی اتفاقاً آ نکلیں، فلکی کے چہرے پر پھیلی اداسی اور آنکھوں میں چھپی حسرت انہیں بھی اداس کر گئی، اور وہ ٹھٹک کر وہیں رک گئیں۔

”وقت کی آندھی، حالات کا طوفان اور بد بختی کے سیاہ ناگ ہر وقت ان معصوم پرندوں کی جان کے دشمن بنے ان کی گھات میں لگے رہتے ہیں۔ نہ جانے کتنی بار تنکے بکھرتے اور گھر ٹوٹتے ہیں، مگر یہ دوبارہ اپنے عزم و حوصلے یکجا کر کے پھر سے نیا گھر بسا لیتے ہیں۔ تم بھی گر چا ہو تو حوصلے سے کام لے کر ایک نیا آشیاں بسالو فلکی.....“

”جی.....؟؟؟“

فلکی بری طرح چونکی اور شبو آ پا کو اپنے سامنے پا کر خجالت سے مسکرا دی۔

”سوری.....! میں بس یونہی پرندوں کی آپس میں اٹھکھیلیاں دیکھ رہی تھی۔“

”بہار اپنی آمد کا خود بخود احساس دلادیتی ہے ہر طرف سبزے کا احساس اور کھلتے پھول دیکھ کر روح کی تھکن اتر جاتی ہے۔“ شبو آ پا بھی دھیرے سے مسکرا دیں۔

”مگر دل کے مرجھائے پھول پھر کبھی نہیں کھلتے شبو آ پی۔ پھر خواہ کتنی ہی بہاریں زندگی میں آئیں وہ بھی خوشیوں کے گلاب کھلائے بغیر،

دبے قدموں آ کر گزر جاتی ہیں۔“

”جس کے من آنگن میں سدا کے لئے پت جھڑکا موسم ٹھہرا گیا ہو، وہ بھلا ان بہاروں کا کیا کرے۔“ فلکی کا لہجہ نرم آلود سا تھا۔

شبو آ پی نے چونک کر نظر اٹھائی مگر پھر فلکی کے چہرے پر پھیلا ہوا ساننا انہیں دور تک اپنے اندر اترتا ہوا محسوس ہوا وہ ابھی کچھ کہنے کا ارادہ کر رہی رہی تھیں کہ دروازے پر موٹر سائیکل رکنے کی آؤ زنائی دی اور چند لمحوں بعد ہی صحن کا دروازہ کھلا اور غفی کے ہمراہ خالہ، ہاتھ میں مٹھائی کا ڈبہ لئے نمودار ہوئیں۔

”ارے میری فلکی بھی آئی ہوئی ہے اور کسی نے مجھے بتایا تک نہیں۔“ خالہ نے آگے بڑھ کر بڑے پیار سے فلکی کو اپنے بازوؤں کے حلقے میں لے کے اس کی پیشانی چومی، فلکی نے دیکھا کہ خالہ کے پیچھے کھڑا غفی بڑی گہری نظروں سے اسی کا جائزہ لے رہا تھا۔ فلکی بے ساختہ جھینپ کر مسکرا دی۔

”کیسے ہو غفی؟“ اس نے محض اس کی نظروں سے بچنے کو یونہی پوچھ لیا تھا۔

”بس تمہارے سامنے ہوں۔“ اس نے شرارت سے شانے اچکائے اور بھرپور انداز سے مسکرا دیا۔

شبو آپی خالہ کو لے اندر کمرے میں امی کے پاس چل دیں۔ جہاں وہ لکڑی کے بڑے سے تخت پر چادر بچھائے نمر کو قمیص کی ڈرافٹنگ اور کنگ سکھا رہی تھیں۔ خالہ کے پیچھے پیچھے فلکی اور غفی بھی ہمراہ تھے۔

”بہو نہیں ہے گھر میں؟“ خالہ نے نسرین بھابی کا پوچھا۔

”نہیں..... وہ آج اپنے کزن کی شادی پر گئی ہیں۔“ شبو آپی نے چلتے چلتے بتایا۔

”تم کب آئیں فلکی؟“ کافی کمزور لگ رہی ہو؟“ غفی نے ایک بار پھر بڑے غور سے فلکی کے چہرے پر جانے کیا کھوجنے کی کوشش کی۔

”کافی دن ہو گئے مجھے تو آئے ہوئے۔“ فلکی نے نظر چرا کر گول مول جواب دیا۔ خالہ نے مٹھائی کا ڈبہ شبو آپی کو تھمایا تو اچانک فلکی کو یاد آیا۔

”مبارک ہو خالہ، یعنی کارشتہ طے ہونے اور غفی کو جواب ملنے کی۔“

”خیر مبارک..... خیر مبارک۔“ وہ خوش دلی سے ہنس دیں اور امی جو خالہ کو دیکھتے ہی بے اختیار آگے بڑھی تھیں۔ انہیں گلے لگا کر ملنے

لگیں۔ نمر ابھی خالہ کو سلام کرنے کے بعد قینچی اور کپڑے سمیٹ کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی سب لوگوں کے بیٹھنے کے بعد شبو آپی نے کچن کا رخ

کیا ہی تھا کہ فلکی اٹھ کر ان کے پیچھے آ گئی۔

”آپ جا کر سب کے پاس بیٹھیں شبو آپی۔ میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔“ فلکی نے زبردستی انہیں کچن سے واپس کر دیا اور خود چائے کے

پانی کی کیتلی چولہے پر چڑھا کر الماری سے برتن نکالنے لگی، سمو سے اور کباب شاید فریزر میں ختم ہو چکے تھے۔ لہذا اس نے شیشے کے جار میں پڑی نمکو

اور کوکونٹ لسٹ ہی چائے کے ساتھ سرو کرنے کو نکال لئے اور ایک پلیٹ میں وہ لڈو بھی رکھ لیے جو اپنے ساتھ لے کر آئی تھیں۔ چائے دم دے کر وہ

تھرموس میں ڈال ہی رہی تھی کہ غفی بے تکلفی سے اس کے پیچھے کچن میں چلا آیا۔

”ہیلو پارٹنر..... کیا ہو رہا ہے؟“ وہ بچپن سے آج تک اسے اسی انداز میں مخاطب کرتا چلا آیا تھا۔

”کچھ بھی نہیں، بس چائے دم دے رہی تھی۔“ فلکی نے سرسری جواب دیا۔

غفی نے آگے بڑھ کر بے تکلفی سے پلیٹ میں سے لسٹ اٹھالیا۔

”تمہارے میاؤں کیسے ہیں؟“

”پتا نہیں۔ ٹھیک ہی ہوں گے۔“ فلکی نے پشت موڑ کر خالی کپڑے میں رکھتے ہوئے لا پرواہی سے جواب دیا۔ غفی اس کے اس

نامانوس سے انداز پر چونک کر اس کے سامنے آ گیا۔

”ذرا ادھر دیکھو..... سچ بتانا فلکی! کیا تم گھر سے ناراض ہو کر نکلی ہو؟“ وہ سچ سچ پریشان ہوا اٹھا تھا۔

”نہیں..... ناراضگی کا بھلا کیا سوال؟“

”میرا مطلب ہے کہ کوئی لڑائی جھگڑا وغیرہ تو نہیں تمہارا اس روز گھر میں؟“ غنی فلکی کے پراسرار سے انداز پر الجھ سا گیا تھا۔
 ”اب تو سارے جھگڑے ہی ختم ہو گئے ہیں۔“ فلکی دکھ سے مسکرائی۔
 ”کیا مطلب.....؟“ غنی کچھ سمجھا نہیں۔

<http://kitaabghar.com>

”مجھے طلاق ہو چکی ہے غنی۔“ فلکی نے سکون سے جواب دیا۔

”کیا.....؟؟؟؟“

شاید ساتوں آسمان بھی اوپر ڈھے جاتے تو اتنا فرق نہ پڑتا، جتنی شدید حیرت کا جھکا غنی کو فلکی کی یہ بات سن کر لگا تھا۔

”یہ تو بہت برا ہوا فلکی.....!“ غنی کے لبوں سے ایک سرگوشی سے آزاد ہوئی۔
 وہ ہاتھ میں پکڑے سکٹ کا بائٹ لینا بھی بھول گیا تھا۔ بس ٹکر ٹکر فلکی کو ہی دیکھے گیا۔ جو اس وقت بڑے نارمل سے انداز میں چینی دان میں چینی نکال رہی تھی۔

”ہوں.....!“ غنی کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

”تم سے ایک ریکویسٹ ہے غنی؟“

فلکی دونوں ہاتھوں میں ٹرے اٹھائے اس کے سامنے آکھڑی ہوئی۔ غنی نے چونک کر سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔
 ”جب تک میرے گھر والے از خود اس واقعے کی تشہیر نہ کرنا چاہیں پلیز تم بھی کسی سے واقعے کا ذکر نہ کرنا۔“ فلکی کی نظروں میں خاموش التجا تھی۔

”مگر کب تک.....؟؟“ یہ کوئی چھپنے والی بات نہیں ہے فلکی۔ غنی نے اسے سمجھانا چاہا۔

”پلیز..... پلیز غنی.....“ فلکی نے ایک التجائیہ نگاہ غنی پر ڈالی۔

چند لمحے دونوں کے درمیان ایک نامعلوم سی خاموشی حائل رہی۔

<http://kitaabghar.com>

”اوکے..... جیسے تمہاری مرضی“ بالآخر غنی نے ہتھیار ڈال دیئے۔

”تھینک یو.....“ فلکی نے دھیرے سے کہا اور چائے کی ٹرے لئے اس کے ساتھ سے گزرتی ہوئی چلی گئی۔

سب لوگ نہایت خوش گوار ماحول میں چائے پی رہے تھے ہلکی ہلکی گپ شپ بھی جاری تھی۔ مگر جانے کیوں غنی کچھ کھویا کھویا اور چپ سا تھا۔

”جی تو غنی بھائی.....! آپ کب ٹریٹ دے رہے ہیں اپنے اسسٹنٹ کمشنر بننے کی خوشی میں۔“ نمرانے اچانک ہی اسے مخاطب کر لیا تو وہ بھی چونک کر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

<http://kitaabghar.com>

”تم جب کہو۔“ غنی دھیرے سے مسکرا دیا۔

”بس میری انہی دو چار چھٹیوں میں پروگرام بنالو اور ڈیسا نڈ کرلو کہ کہاں چلنا اور کیا کھانا ہے۔“

”چلیں ٹھیک ہے، ذرا نشوونما سے آجائے تو پھر پروگرام بنا کر آپ کو فون کر دوں گی۔“ نمرانے کہا۔
اس روز خالہ جاتے ہوئے سب کو بار بار نکاح والے روز جلدی گھر آنے کی تاکید کرتی رہیں۔

☆☆☆

فلکی عصر کی نماز پڑھ کر ابھی فارغ ہی ہوئی تھی کہ نشوونما آتے ہوئے چہرے کے ساتھ اندر داخل ہوئی۔ اندرونی جوش اس کے چہرے پر مسرت بن کر چمک رہا تھا۔ ”آپ ذرا باہر آ کر تو دیکھیں، کیسی زبردست خبر آپ کی منتظر ہے۔“ وہ اس کا ہاتھ تھامے باہر لانے لگی۔ فلکی حیران تھی کہ آخر ایسی کیا بات ہے۔ بلاخوشو حیران پریشان فلکی کا ہاتھ تھامے اسے اپنے ساتھ گھر کے دروازے سے باہر لے آئی۔
جہاں سامنے ہی نئی چمچاتی کروڑا کھڑی تھی اور ساتھ ہی سادہ شلوار سوٹ میں میراب کا ڈرائیو کھڑا مسکرا رہا تھا۔ جب کہ کامران بھائی اور بھابی سمیت گھر کے دیگر افراد بھی وہیں موجود تھے۔

”سلام فلکی بی بی!“ ڈرائیو ریتسی چپکا کر بولا۔
”میراب صاحب کا حکم تھا کہ یہ گاڑی آپ تک پہنچا آؤں۔ گاڑی کے مکمل کاغذات میں نے بھائی صاحب کو دے دیئے ہیں۔“ اس نے کامران بھائی کی طرف اشارہ کیا اور کار کی چابی فلکی کی طرف بڑھائی۔
”اب مجھے اجازت۔“ وہ مؤدب ہو کر ایسے فلکی سے پوچھ رہا تھا۔ جیسے اب بھی فلکی کا ذاتی ملازم ہو اور فلکی ہی ابھی تک اس کی نیگم صاحبہ ہو۔
”اب واپس اسلام آباد کے لئے جاؤ گے؟“ فلکی نے یونہی پوچھا۔
”نہیں جی.....! یہاں سے فلائنگ کوچ پکڑ کر سیدھا پہلے لاہور جاؤں گا۔ چونکہ صاحب نے آتے ہوئے دس دن کی چھٹی بھی دی تھی کہ کچھ دن لاہور رک کر اپنے گھر گزارتے آنا۔“ وہ اس چھٹی کے لئے تہہ دل سے میراب کا مشکور نظر آ رہا تھا۔ فلکی چپ چاپ کھڑی تھی۔
”جاؤں جی.....“ وہ براہ راست فلکی کے حکم کا منتظر تھا۔
فلکی نے سر کے اشارے سے اثبات میں جواب دیا۔

تب وہ کامران بھائی سے ہاتھ ملاتا اور سب کو سلام کرتا واپس ہولیا۔
فلکی نے یونہی بے خیالی میں گاڑی کے بونٹ پر ہاتھ پھیرا۔ ایک ریشمی سا احساس جیسے اس کے رگ و پے میں اتر گیا۔ مگر ساتھ ہی اندر کچھ ٹوٹ سا گیا۔

سونہ چاندی ، نہ کوئی محل جان من!

تجھ کو میں دے سکوں گا

پھر بھی یہ وعدہ ہے تجھ سے

تو جو کرے پیار مجھ سے

چھوٹا سا گھر تجھ کو دوں گا

دُکھ سکھ کا ساتھی بنوں گا

ایک مانوس سی آواز گزرے وقتوں سے نکل کر فلکی کے کانوں سے ٹکرائی تو وہ جانے کیوں بے کل ہوا تھی۔

فلکی نے تو خود کو حریہ و کجواب کے جزدان میں لپیٹ کر سونے کی بیش قیمت تابوت میں دفن کر دیا تھا۔

چھوٹے سے گھر کی تمنا اسے تھی ہی کب؟؟؟

دولت اور روپے پیسے کی چکا چوند از خود بہت سارے مسائل حل کر دیتی ہے بلکہ چھوٹے موٹے مسائل تو پیدا ہی نہیں ہونے دیتی۔ یہی

اس کا مطمع نظر تھا۔

اور پھر.....

وہ چار کنال کا گھر جسے فلکی نے اپنی ذاتی کوششوں سے ہنستی بستی جنت میں تبدیل کرنا چاہا تھا۔ وہ بھی اس کے لئے محض ریت کا محل ثابت

ہوا تھا۔

دکھ اور اذیت کے ایک دھوئیں نے جیسے فلکی کے سارے وجود کو اپنے حصار میں لے لیا تھا اور پھر وہاں کھڑے کھڑے ایک دم اس کا دم سا

گھٹنے لگا۔ آنکھیں جل اٹھیں اور وہ سوچ میں پڑ گئی کہ اب فلکی کے لئے بیش قیمت کار کا تحفہ بھجوا کر میرا بھلا کیا جتنا چاہ رہا تھا۔

رفاقت کے جتنے حسین پل فلکی نے اس کے ساتھ گزارے تھے کیا یہ ان کا معاوضہ تھا!!

بارہ تیرہ لاکھ کی یہ کار.....

یہ قدر و قیمت تھی فلکی کے خلوص و محبت کی۔

بس اتنی ہی اوقات تھی اس کی۔

اور جو کچھ فلکی نے اس کی نذر کیا تھا۔

اپنی بے داغ ہیرا سی جوانی،

چاندی ساتن،

رفاقت کے کتنے ہی ناقابل فراموش حسین پل

محبت کی گرمی

خلوص کی نرمی

چاہت کی چاشنی

کیا وہ سب کچھ قابل واپسی تھا؟؟؟

وہ بھی سامنے کھڑی ہوئی اس کار کی شکل میں !!

فلکی خود پر زیادہ دیر تک قابو نہ رکھ سکی اور دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

☆☆☆

یعنی کے نکاح والے روز خالہ کے گھر میں کافی رونق تھی ہر طرف رنگین آنچل سرسرا رہے تھے۔ ہر سو رنگ و نور کا ایک سیلاب اٹھ اڑا تھا۔ ابھی بیوٹی پارلر سے دلہن بن کر آئی تھی اور اسٹیج پر بیٹھی بڑی خوبصورت لگ رہی تھی۔ اسی اٹالز کے والے بھی آچکے تھے اور ہر طرف ایک گہما گہمی کا عالم تھا۔

نسرین بھابی اور شبو آپا نمرا اور نشو سمیت نہ جانے کون سی مصروفیات میں الجھی ادھر سے ادھر اڑی پھر رہی تھیں فلکی البتہ ایک کونے میں پڑی کرسی پر تمام ہنگاموں سے دور سب سے الگ تھلک سر جھکائے چپ چاپ بیٹھی تھی۔

نکاح کے بعد مبارک سلامت کا ایک شور مچ گیا۔

حاضرین میں چھوہارے تقسیم ہونے لگے

مگر.....

فلکی کے اندر جیسے کچھ ٹوٹ سا گیا۔

نکاح.....

بظاہر کتنا مضبوط بندھن

جودوا جنبیوں کو ایک ہی ڈوری میں پرو دیتا ہے۔

اور.....

درپردہ کچے دھاگے سے بھی زیادہ نازک رشتہ

جو چوٹنے اور ٹوٹنے کے لئے ایک ہلکی سی ضرب کا منتظر ہوتا ہے

گر ایک بار یہ لڑی ٹوٹ جائے تو پھر.....

اعتماد کے یہ موتی ہمیشہ کے لئے

دکھ اور بے یقینی کی مٹی میں مل جاتے ہیں

اور پھر کبھی دوبارہ یکجا نہیں ہو پاتے

نکاح کے بعد جب دلہا آ کر اسٹیج پر دلہن کے برابر بیٹھ گیا تو پھر دیگر رسوم کا آغاز ہوا۔

نسرین بھابی اسٹیج پر دلہا دلہن کے پاس بھی ہوئی مٹھائی کی پلیٹ لے کر بیٹھ گئیں۔

باری باری خوش باش سہاگنیں آتیں اور ذرا سا مٹھائی دونوں دلہا، دلہن کو چکھاتیں اور ہنسی مذاق کرتیں، مسکراتیں، اٹھاتیں ایک طرف

ہٹ جاتیں ایسے میں جانے کس کو فلکی کا خیال آیا تھا کہ یکا یک اس کے نام کی پکار پڑ گئی۔

”کہاں ہو فلکی.....؟“

”ہاں ہاں..... فلکی بھی تو سہاگن ہے۔“

”مگر وہ ہے کہاں؟؟؟؟“

”بلاؤ اسے بھی.....“

”یہاں آ کر سہاگنوں والا شگن پورا کرے۔“

”تم اس نیم تاریک کوٹے میں کہاں چھپی بیٹھی ہو فلکی!!“

”جلدی آؤ تم بھی دلہا دلہن کا منہ میٹھا کراؤ۔“ رشتے کی ایک کزن فلکی کا زبردستی ہاتھ تھام کر اپنے ساتھ اٹھالے گئی سہاگنیں دلہن کے کاموں میں نیک شگون کے طور پر بڑھ چڑھ کر اس لئے حصہ لیتی ہیں تاکہ دلہن انہی کی طرح خوش و خرم اور مرتے دم دائم و آباد سہاگن بنی رہے۔

لیکن فلکی..... فلکی بھلا کہاں اب سہاگن رہی تھی۔ بلکہ اگر تمام شرکائے محفل کو اس کی طلاق کا علم ہو جاتا تو شاید کوئی بھی اس کا منحوس سایہ دلہن پر نہ پڑنے دیتا۔ اگرچہ وہ سب بے خبر تھے مگر فلکی کو تو پورا عالم تھا تبھی ایک قدم آگے بڑھاتی تو دو پیچھے ہٹاتی۔

”آؤ نا..... کزن نے فلکی کو اسٹیج کی طرف کھینچا۔“

فلکی نے بسی سے بھابی کی سمت دیکھا جو اپنی جگہ دم بخود کھڑی تھیں اور فلکی کو مرے مرے قدموں سے دلہا دلہن کی طرف آتا دیکھ رہی تھیں۔ امی بھی چونک کر ادھر ہی متوجہ ہو گئیں اور تو اور غفی جو کسی کام سے اچانک اس طرف آ نکلا تھا۔ سب کچھ بھول بھال کر فلکی کو مٹھائی کی پلیٹ کی طرف ہاتھ بڑھاتے دیکھ رہا تھا۔

ایک طلاق کے ہاتھ سے نئے دلہا دلہن کی کوئی رسم یا شگن انجام پائے اس سے بڑھ کر بھلا اور کیا بد شگونی ہوگی.....

پلیٹ میں پڑی گلاب کی پتیوں کے درمیان رکھی ہوئی گلاب جامنوں میں سے ایک اٹھاتے ہوئے نہ جانے کیوں فلکی کے ہاتھ لرز رہے تھے

کیا فلکی اس مبارک موقع پر یہ بد شگونی کر گزرے گی!!!

فلکی جیسی سمجھ دار لڑکی سے ایسی حماقت کی امید تو نہیں۔ بھابی نے بے یقینی سے سوچا اور فلکی کی طرف دیکھا۔ جو اپنا گلاب جامن والا ہاتھ دھیرے دھیرے دلہن بنی ہوئی عینی کے منہ کی طرف بڑھا رہی تھی..... کہ دفعتاً.....!!

☆☆☆

ازراہ کرم! ایگریٹس بچھا کر اپنی سیٹ ٹیلٹس باندھ لیجئے..... ”ایئر ہوسٹس کی آواز لیزا کے تصور میں گم میرا ب کو خیالوں کی دنیا سے باہر کھینچ لائی۔“

میرا ب نے چونک کر سامنے دیکھا جہاں ایئر ہوسٹس مسافروں کو ایئر جنسی میں آکسیجن ماسک کے استعمال کا طریقہ سکھا رہی تھی۔

جہاز اس وقت برق رفتاری کے ساتھ رن وے پر دوڑ رہا تھا اور جہاز کا معاون پائلٹ نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ سفر کی دعا پڑھ رہا تھا۔

رن وے کی پٹی کے آخری سرے سے آخر کار پین ایم کا دیوبہکل طیارہ فضا میں ایک جھٹکے سے بلند ہوا۔

میرا بے حد خوش تھا۔ آج کتنی کوششوں کے بعد کمپنی کی طرف سے میرا ب کو امریکہ جانے کے لیے چھٹی ملی تھی اور وہ یہ چھٹیاں لیزا کے ساتھ بڑے بھرپور انداز میں منانا چاہتا تھا۔

لیزا جو اس کی نس نس میں زندگی کی لہریں کر دوڑ رہی تھی۔ اتنے عرصے بعد مجھے اپنے سامنے پا کر وہ کتنی حیران ہوگی اس کی نیلی آنکھوں میں ہلکے لیتی خوشی ہی کو دیکھنے کے لیے تو اس نے اتنا لمبا سفر طے کرنے کا یکدم ہی فیصلہ کر لیا تھا۔

مگر می کو ابھی تک اس نے اپنی امریکا آمد کے بارے میں اطلاع نہیں دی تھی، لیکن جب وہ اچانک جا کر می کے فلیٹ پر نیل دے گا تو وہ کتنی خوش ہوں گی اسے سامنے پا کر۔

ہاں فلکی کے بارے میں بھی ضرور پوچھیں گی۔ مگر اب وہ سب کچھ سچ بتا دے گا..... کچھ نہیں چھپائے گا می سے۔

ٹرائی پر رکھے لوازمات سرو کرنے کے بعد ایئر ہوسٹس اپنے کیمن کی طرف چلی گئی تھی۔ رات کا وقت تھا، جہاز کے اندر تیز روشنیاں بجھا کر ٹائٹ بلب آن کر دیے گئے۔ اکثر مسافر اپنی سیٹوں پر نیم دراز اوٹ گھسنے میں مصروف تھے۔ پرواز بڑی ہموار تھی۔

نیم تاریک اور پرسکون ماحول ایک بار پھر میرا ب کو لیزا کے پاس آنکھیں بند کر کے پہنچ جانے پر مجبور کرنے لگا۔

ایک ایئر ہوسٹ مسافروں کو اوڑھنے کے لیے کبل فراہم کر رہی تھی اور وہ میرا ب کو بھی سوتا جان کر دھیرے سے کبل اوڑھا گئی۔ نرم گرم ماحول میں میرا ب کو آنکھیں بند کیے لیزا ہی کے تصور میں گم ہوئے رہنا اچھا لگ رہا تھا اور پھر نہ جانے کب نیند کی دیوی اس پر مہربان ہو گئی۔

مگر یکدم ہی کسی وجہ سے اس کی نیند کا خمار ٹوٹا تھا۔ شاید کوئی جھٹکا لگا تھا..... یا کچھ اور وجہ تھی..... کہ پین ایم کی پرواز کسی وجہ سے شدید ناہمواری کا شکار ہو رہی تھی۔

جہاز ہوا کے زور پر کسی سوکھے پتے کی طرح ڈول رہا تھا۔ اچانک ایک زوردار جھٹکا لگا اور ساتھ ہی جہاز کی تمام روشنیاں گل ہو گئیں۔ مسافروں میں عجیب افرا تفری بے یقینی اور سراسیمگی کی کیفیت پھیلی ہوئی تھی۔

جہاز کے عملے کی ہدایات کے باوجود بہت سے لوگ بوکھلاہٹ کے عالم میں بار بار اپنی سیٹوں سے اٹھ رہے تھے اور چلا چلا کر جہاز کو لگنے والے ان جھٹکوں کا سبب پوچھ رہے تھے۔ سبھی ایک کمر ورا عصاب کا مالک، مسافر اپنی جگہ سے اٹھ کر ہدایتی انداز میں بیٹھا۔

”بھائیو! اپنے اپنے گناہوں کی معافی مانگ لو بے شک عملے کے اراکین ہمیں صحیح صورتحال نہیں بتا رہے مگر ہم سب ناگہانی موت کی طرف بڑھ رہے ہیں۔“

تب جہاز کے کپٹن نے مسافروں سے درخواست کی کہ وہ اپنے اپنے حواس پر قابو رکھیں اور جہاز کے عملے کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے پرسکون رہنے کی کوشش کریں۔

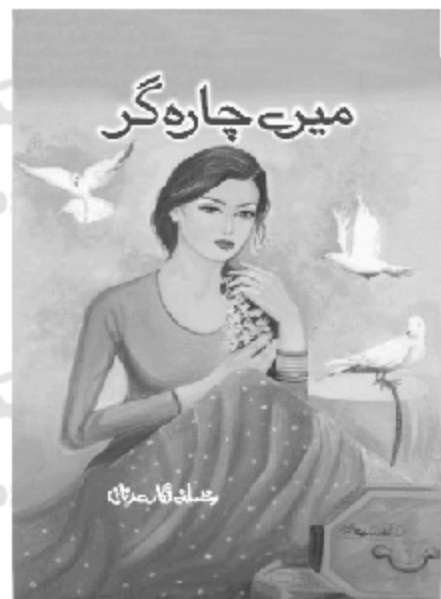
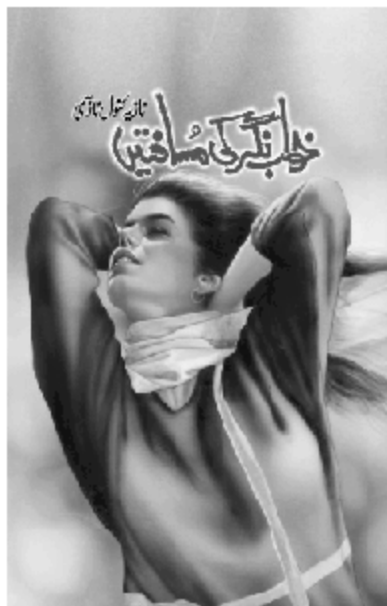
جہاز دراصل ایک ایئر پاٹ کی زد میں آ کر پھنس چکا ہے اور یہ جھٹکے اسی وجہ سے لگ رہے ہیں۔ اگرچہ جہاز کو اس وقت موسم کی خرابی کے علاوہ شدید طوفانی ہواؤں کا بھی سامنا ہے تاہم خداوند تعالیٰ پر بھروسہ رکھتے ہوئے امید کی جاسکتی ہے کہ جلد ہی اس مشکل پر قابو پا لیا جائے گا۔ مگر جیسے ہی پائلٹ نے اپنی بات ختم کی جہاز کو اچانک ایک اور شدید جھٹکا لگا۔ ایئر ہوسٹس کی ٹرالی پر رکھے لوازمات اور برتن جہاز کے فرش پر گر کر بکھر گئے، مسافروں کا سامان بھی اُدھر اُدھر جا پڑا۔ کسی کو سنبھلنے کی مہلت نہیں مل رہی تھی اور پھر یکدم ہی محسوس ہوا کہ جہاز نیچے ہی نیچے کی طرف جیسے کسی گہری کھائی میں اتر رہا ہے۔

مسافروں کے چہرے دہشت سے سفید پڑ چکے تھے اور وہ سب اپنے اپنے پیاروں کے نام لے کر ایک دوسرے کو پکار رہے تھے۔ ایک قیامت صغریٰ کا سا منظر برپا تھا۔ لوگوں کی چیخ و پکار میں کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

خود میراب کا بھی دہشت اور صدمے سے بُرا حال تھا۔ بس اتنی ہی زندگی تھی اس کی!!
اس نے بے بسی کے عالم میں سوچا اب لیزا کو جا کر یہ کون بتا پائے گا کہ ایک ایشیائی اس سے ملنے کی تمنا دل میں بسائے ہزاروں میل کا سفر طے کرنے کو جہاز میں سوار ہوا مگر لیزا کی گداز بانہوں کی بجائے موت کے بھیانک نیچے نے اسے راستے ہی سے جھپٹ لیا تھا۔

بین ایم کا یہ دیوبہل طیارہ مسافروں کے لیے کسی چوہے دان سے کم ثابت نہیں ہوا تھا۔ موت کی طرف بڑھتے اس پنجرے میں مسافر بے بسی سے پھڑپھڑا رہے تھے اور ان سب کی کیفیت سے بے خبر جہاز جیسے کسی اندھے کنویں میں اتر رہا تھا۔

اور نیچے..... اور نیچے..... نیچے ہی نیچے.....
اور پھر یکا یک جہاز کو ایک شدید دھچکا لگا.....



4- کتاب گھر کی پیشکش

لحوں کا کاؤنٹ ڈاؤن شروع ہو چکا تھا.....

جہاز نے ایئر پورٹ کی فضا کے اوپر ایک لمبا چکر کاٹا اور کچھ نیچے اتر آیا، روشنیاں مزید قریب آ چکی تھیں، پائلٹ کا کنٹرول ٹاور سے مسلسل رابطہ تھا اور وہ ادھر سے ملنے والی ہدایت پر پوری طرح کاربند تھا۔ حتیٰ کہ رن وے کی پٹی نظر آنے لگی اور پھر جہاز زن سے ایئر پورٹ کی پٹی چھوٹا ہوا دوبارہ تیزی سے اوپر اٹھ گیا۔ لوگوں کی چیخیں حلق کے اندر گھٹ کر رہ گئی تھیں، پائلٹ نے جہاز اتارنے کی کوشش کی مگر بے سود، بالآخر تیسری کوشش میں جہاز ایک زبردست جھٹکے کے ساتھ رن وے پر گھسٹا ہوا کچھ دور جا کر رک گیا۔

ہنگامی صورت حال کے پیش نظر ایسبیلینس اور آگ بجھانے والی گاڑیاں وہاں پہلے سے موجود تھیں جنہوں نے فوراً ہی جہاز کو اپنے گھیرے میں لے لیا تھا مگر خدا کے فضل و کرم سے کسی ایک مسافر کو بھی معمولی سی خراش تک نہیں پہنچی تھی، اور جہاز لینڈ کر چکا تھا، ایک عمر رسیدہ خاتون اپنے ساتھی سے پر جوش لہجے میں مخاطب ہوئی۔

”دیکھ لو! میں نے کبھی بھی نہ کبھی بھی تو اسی دنیا میں رونما ہوتے ہیں، تاکہ خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور کرم سازی پر لوگوں کا ایمان سلامت رہے، موت کی دسترس سے یوں آج ہمارا بچ نکلتا بھی ایک معجزہ ہی تو ہے۔“ اور اس کا ساتھی اس کی بات سے متفق ہو کر سر ہلانے لگا۔

ایک سرنگ نما گیلری جہاز کے ساتھ آ کر لگ گئی اور تب ایک ایک کر کے تمام مسافرس گیلری کے راستے ایئر پورٹ کی عمارت میں داخل ہو گئے۔ ضروری ابتدائی کارروائی کے بعد تمام مسافر لاؤنچ میں چلے آئے، کچھ لوگوں نے وہاں پڑے صوفوں پر جگہ سنبھال لی، جبکہ کچھ لوگ منی اسکیپنگ کے پاس جا کر ڈالر کے بدلے جرمن مارک لے رہے تھے، تاکہ اگر کوئی چیز پسند آ جائے تو خرید سکیں، چند افراد آٹومٹک مشین میں سکے ڈال کر اپنے لیے کوئلڈ ڈرنکس، اور چائے یا کافی کے گم بھر رہے تھے، غرضیکہ ہر طرف ایک گہما گہمی کا عالم تھا، لوگ گزشتہ کئی گھنٹوں تک جہاز میں جس ذہنی اذیت کا شکار رہے تھے، اسے بھلا کر اور موت کے خونی پنجے سے چھٹکارے کے بعد، نئی زندگی کی نوید کو انجوائے کر رہے تھے۔ حتیٰ کچھ منجلیوں نے ڈیوٹی فری شاپس کا رخ کیا اور کچھ نے یونی وقت گزاری کے لیے ادھر ادھر چہل قدمی شروع کر دی، لیکن اکثریت کا رخ ٹیلی فون بوتھ کی جانب تھا، تاکہ اپنے گھروں میں تازہ ترین صورت حال سے آگاہ کر سکیں۔

میراب نے بھی کافی مشین میں سکے ڈال کر اپنے لیے کافی کا گم بھرا اور قریبی ٹیلی فون بوتھ کا رخ کیا سکے ڈال کر نمبر گھمایا اور لیڈر کی ریلی آواز کا منتظر ہو گیا، دوسری جانب گھنٹی بج رہی تھی بھلا کیا تاثرات ہوں گے لیزا کے؟ جب اسے معلوم ہوگا کہ میراب دل میں اسی کی لگن جگائے، محض اسے ملنے کی خاطر اتنی دور کا سفر طے کر کے آ رہا ہے۔

وہ سب سے پہلے بھلا کیا کہے گی اس کی آواز سن کر..... خوشی کا اظہار تو کرے گی، مگر کس انداز میں..... میراب کے دل میں اشتیاق کروٹیں لے رہا تھا۔ نہیں شاید سب سے پہلے How R U کہے گی، (تم کیسے ہو؟ کیا حال چال ہے) جانے وہ میراب کے ساتھ بھی اتنی پر تکلف اور مہذبانہ گفتگو کیوں کیا کرتی تھی، کاش وہ اس بار فون اٹھاتے ہی بے ساختہ کوئی اور بات کرے!! مگر کیا.....؟ آخر کیا سننا چاہتا تھا میراب اس کی زبان سے؟ شاید اسی بے قراری و بے چینی کا تمام حال، جس کا شکار ان دنوں خود میراب تھا۔ جاننا چاہتا تھا کہ وہ بھی دھیرے دھیرے اسی کی طرح

پگھل رہی ہے کہ نہیں!!! مگر گھنٹی بجتی رہی اور کسی نے بھی دوسری جانب سے فون نہیں اٹھایا۔

”اف.....!! ایک تو یہ لیزا کی بچی..... ہر وقت اس کے پیروں میں بللیاں بندھی رہتی ہیں۔ کیا مجال جو کبھی گھر میں تک کر بیٹھ جائے۔ نکلی ہوگی کسی کلب میں، کوئی ڈانس پارٹی اٹینڈ کرنے۔“ میرا ب نے جل کر سوچا اس وقت کتنا دل چل رہا تھا اس کی آواز سننے کو، شدید کوفت کے عالم میں میرا ب کے اعصاب تن سے گئے مگر غماز ہے کہ وہ دل جلانے کے سوا اور کبھی کیا سکتا تھا۔ ناچار جھنجھلا کر ریسپور واپس کر ڈیل پر فون دیا، تب اچانک ہی خیال آیا کہ کیوں نہ می کوہی اپنی آمد کی اطلاع دے ڈالے، تب اس کی انگلیاں تیزی سے اپنے گھر کا نمبر ڈائل کرنے لگیں۔

”ہیلو.....!“ فون شاید فریدی انکل نے اٹھایا تھا۔

میرا ب جواباً کچھ بول نہ پایا۔ پتہ نہیں کیوں میرا ب انہیں می کا شوہر ہونے کے باوجود، آج تک اپنے باپ کا درجہ نہ دے سکا تھا۔ وہ اب بھی انہیں فریدی انکل ہی کہا کرتا تھا، حالانکہ کتنی مرتبہ می نے اسے اس بات پر آمادہ کرنا چاہا تھا کہ وہ فریدی انکل کو ڈیڈی یا پاپا کہا کرے، مگر اس کا دل انہیں باپ تسلیم کرنے کو تیار ہی نہیں ہوتا تھا، اس کے نزدیک وہ صرف می کے شوہر تھے، البتہ سگی ماں ہونے کے ناطے، می سے محبت میرا ب کی گھٹی میں پڑی تھی سوانہ کی وجہ ”انکل“ کو ”سوتیلے باپ“ کے طور پر برداشت کرتا تھا..... تبھی وہ یکدم ان کی آواز سننے ہی چپ رہ گیا تھا،

”ہیلو.....!“ دوسری طرف سے فریدی انکل کی آواز دوبارہ ابھری۔

”ہیلو..... انکل..... میں میرا ب علی.....“ مجبوراً میرا ب کو بات کرنا ہی پڑی۔

”اوہ میرو.....! Its you? (یہ تم ہو؟) انکل بے حد خوشی سے بولے۔ How are you? (کیسے ہو؟) Where are you now (کہاں ہو تے ہو آج کل، آتے کیوں نہیں؟) a days, why don't you come? (تمہاری ماں تمہیں بہت یاد کرتی ہے) your mother miss you to much.

”Ok, I am Coming.“ (جی ہاں آ رہا ہوں.....“ میرا ب منمنایا)

”Where is mom? (می کہاں ہیں.....“ بالا خر میرا ب پوچھے بغیر نہ رہ سکا)

”بھئی..... فی الحال تو مجھ سے ہی گزارہ کرو، تمہاری ماں تو اس وقت کلینک گئی ہوئی ہیں، البتہ کوئی پیغام ہے تو مجھے دے دو، میں تمہاری می تک پہنچا دوں گا۔“ انکل انگریزی چھوڑ کر خلوص کے اظہار کے طور پر اپنی ٹوٹی پھوٹی اردو میں شروع ہو گئے۔

”اچھا یہ بتاؤ، تم اس وقت کہاں ہو میرو؟“ انکل نے جب اچانک ہی پوچھ لیا تو پھر مجبوراً میرا ب کو انہیں راستے میں پیش آنے والی صورت حال سے آگاہ کرنا پڑا۔ ”فکر نہ کیجئے انکل، جیسے ہی فلائٹ کی روائی کا اعلان ہوگا میں دوبارہ آپ کو رنگ کر کے اطلاع دے دوں گا، مگر می تو آچکی ہوں گی ناں اس وقت تک۔“ میرا ب نے قدرے ہچکچاہٹ سے سوال کیا، انکل ہنس دیئے،

”یہ تو تمہارے فون آنے کے نام پر منحصر ہے مائی سن اور یہ بھی کہ تمہاری ماں کے کلینک میں کوئی ایمرجنسی کیس نہ آیا ہو، آج کی طرح، تب وہ یقیناً گھر پر ہی ملے گی، لیکن بے فکر ہو، ہم دونوں تمہیں لینے ایئر پورٹ ضرور پہنچ جائیں گے۔ آئی پرامس.....“

☆☆☆

قلم کے نواب محی الدین نواب کا ایک طویل ناول

قیمت فی جلد
150
روپے

اندھیرنگری

محی الدین قیوآب

چار جلدوں میں مکمل

ایکشن اور سسٹمز کا اندر کئے والے اسلئے آپ کی رگوں میں لپوٹ کر اڑے گا۔

سیاست کے مائپ اور ان کی زہریلی سازشوں کا حال۔

پوری دنیا پر حکمرانی کرنے والے ”نچھپے ہاتھ“ کی سازشوں کا حال۔

بھارتی خفیہ ایجنسی ”را“ کی پاکستان میں تخریبی کارروائیوں کی داستان۔

پاکستان کو یکدموں کی طرح توپنے والے سیاستدانوں کی ہڑمناک داستان۔

مسند کے ڈیڑہاں کی ”خدائی“ کی ناقابل یقین داستانیں۔

اے ہا کر یا قرمبی بکسٹال سے طلب فرمائیں

کامیاب ہو

رضا حسنی

عالیٰ مقامیں

نیواریو بازار کراچی

۴۰۔ مزین مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 7247414

موساد

اس دہشت و وحشت کا کہانی جو نصف صدی سے عالمی امن کو خطرہ میں ڈالے ہوئے

عالم عرب کے سینے میں گڑے مخمور کی دھوا کا کام کرنے والوں کی کہانی۔

اس مسئلے کا قصداً اس نے بھیج دیا کا بیجا حرام کر رکھا ہے۔

ایک ایک شخص سے لے کر پورے کے لئے کے گناہ کا نام پڑتا تھا۔

اچھے باپ اور سچے ترین دوست کے قتل کا انتقام لینے کے لیے اس نے ایک مختصر ہنگامہ۔

ایک ایسا منصوبہ جس کی تکمیل کے بعد پوری دنیا میں یہودیوں کے لئے کوئی جائے پناہ نہ رہی۔

لیکن اس منصوبہ کو بڑے مقبیل تک پہنچانے کے لئے اس دنیا کے حیار زمین افزوں کی عیاری کو بھگانا پڑے گا۔

کرنا تھا ملاقات درحقیق حکومتوں کی ملاقات کو بے اثر بنا دینا تھا اپنے جیون کے بل پر نکات کے سب

سے خطرناک حالتوں پر غالب آجاتا۔

چپ دہرکھش آواز آگ اور غلغلہ کا یہاں تک شروع ہوا کہ وہ بیٹے والے کا پانچ۔

پورے تھے، ہر تانے، ہر پھندا ہر جگہ پہ لٹھراٹا تھا وہ اپنی منزل کی طرف۔ یہ حنا چاکیہ۔ کی کی چال

[illegible]

اپنے ہا کر یا قرسی بکمال سے طلب فرمائیں

کلاسریا پپرک

ج

لی مہیاں



نوار و مازاہ کراچی

۴۰۔ عزیز مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 7247414

میراب کی عمر آٹھ سال تھی جب اس کے والد کا انتقال ہوا اور وہ تیرہ برس کا تھا جب می نے انکل سے نکاح کیا تھا۔ اگرچہ انکل کا رویہ میراب سے بے حد دوستانہ تھا مگر یہ بات اس کے لیے خاصی تکلیف دہ تھی انہوں نے میراب کے پاپا کی جگہ لے لی تھی، رفتہ رفتہ وہ بے حد چڑچڑا، ضدی اور اکھڑ مزاج ہو رہا تھا، اکثر اس کے اسکول سے بھی اس کی شکایات آیا کرتیں۔ می اس کی وجہ سے بے حد پریشان رہنے لگی تھیں، اس نکاح کے نتیجے میں می کی دو بیٹیاں اور ہوئی تھی مگر ننھی منی، گڑبڑوں جیسی بہنیں پا کر بھی میراب کا رویہ نہ بدلا تھا۔ بلکہ فریدی انکل سے بدلہ لینے کا ایک اور موقع ہاتھ آ گیا تھا وہ جان بوجھ کر بچپوں کو تنگ کرتا، ان کے کھلونے توڑ دیتا اور انہیں رلا کر بے حد خوش ہوتا کہ شاید اس طرح ”انکل“ کو زیادہ تکلیف محسوس ہوگی، آخر کو ان کی نور نظر ہیں دونوں بچیاں، تب اسے یہ احساس نہیں ہوتا تھا کہ اس کے رویے سے اس کی ماں زیادہ دکھی ہوئی ہے۔ آخر اولیول کے بعد می نے اسے ہاسٹل بھجوادیا۔ تب وہاں جا کر اسے گھر کی اہمیت کا احساس ہوا، اب وہ جب بھی ویک اینڈ پر گھر آتا تو سب کو اس کا رویہ بے حد مناسب معلوم ہوتا۔ گھر والے بھی اپنے طرز عمل سے اسے اپنی بھرپور محبت اور تحفظ کا یقین دلاتے، می اس کی پسند کے کھانے تیار کرتیں، بہنیں اس کے آگے پیچھے پھرتیں، اور فریدی انکل..... اسے روزانہ اپنے ساتھ واک پر لے جاتے اور راستے میں اسے قصے کہانیوں کے علاوہ ایسے لطیفے سناتے کہ ہنستے ہنستے اس کے پیٹ میں بل پڑ جاتے، انہی کی مدد سے اس نے گھڑ سواری اور تیراکی سیکھی تھی، رفتہ رفتہ میراب کی سمجھ میں یہ بات تو آ گئی تھی کہ شاید قدرت کو یہی منظور تھا کہ فریدی انکل کو اس کے باپ کی جگہ لینے تھی شاید قسمت میں یہی لکھا جا چکا تھا۔ مگر اصل دکھ تو اسے دراصل می کے رویے کا تھا۔ کتنی جلدی می نے اس کے باپ کو بھلا دیا تھا، اور انکل سے شادی کے بعد ایسے مطمئن اور خوش و خرم تھیں جیسے کوئی ازلی تمنا برآئی ہو، حالانکہ اسے یاد پڑتا تھا کہ وہ اس کے پاپا کے ساتھ بھی بے حد پیار کرتی تھیں، بلکہ می اور پاپا کی تو سو فیصد لومیرج تھی، خاندان بھر کی مخالفت مول لے کر دونوں نے کورٹ میرج کی اور پھر خاندان والوں کی طرف سے جان سے مارے جانے کی دھمکیوں کے بعد وہ دونوں مستقل امریکہ آن بے تھے، اور دونوں نے ایک ہی ہاسٹل میں ملازمت کر لی تھی، میراب کے پاپا بھی ڈاکٹر تھے۔ میراب کی یادداشت میں یہ بات محفوظ تھی کہ اس کے پاپا اور ماما کتنی مثالی اور پیار بھری زندگی گزار رہے تھے۔ مگر اب..... اب بھی می کی زندگی محبت بھری ڈگر پر رواں دواں تھی البتہ میراب کے باپ کی جگہ ایک دوسرے کردار نے لے لی تھی، تو کیا می فریبی تھیں.....!! وہ آج تک کسے فریب دیتی چلی آئی تھیں؟ اس کے پاپا کو، فریدی انکل کو یا پھر خود اپنے آپ کو..... کیا ہر عورت اسی طرح ڈرامہ باز ہوتی ہے، حیلہ ساز اور فریبی؟ جو زندگی میں بہت سارے رول بیک وقت نبھاتی ہے، کئی محبتیں کرتی ہے اور محبت کے ہر امتحان میں پورے نمبر بھی حاصل کرتی ہے اور پھر بھی سدا پائیزگی کا ڈھونگ رچائے رہتی ہے۔ اسے یاد تھا کہ جب وہ نیا نیا ہاسٹل گیا تھا تو کچھ عرصہ کتنا اداس رہا تھا۔ مگر پھر جب اس کے وہاں نئے فرینڈز بنے تو اسے وہاں مزہ آنے لگا تھا۔ اس کی بے شمار گرل فرینڈز بھی تھیں، مگر وفا کے مروجہ معیار پر کوئی ایک بھی پوری نہیں اترتی تھی، سب پھول پھول منڈلانے والی تتلیاں تھیں تب خود میراب نے بھی بھنورے کی صفت اپنائی تھی، مگر پھر جب سے لیز اس کالج میں آئی تو وہ اسی کا ہو کر رہ گیا تھا۔ گلابی رنگت اور شہد جیسے رنگ کے بالوں والی یہ لڑکی اس کے حواسوں پر چھا کر رہ گئی تھی، مگر وہ بھی عام امریکی لڑکیوں کی مانند تھی، میراب کے علاوہ بھی اور کئی لڑکے اس کے بوائے فرینڈز تھے، جن سے وہ بڑی بے باقی سے ملا کرتی تھی، اور یہ بات میراب کو دکھ میں مبتلا کر دیتی تھی اور وہ لیز کو ہمیشہ کے لیے اپنا ناچا ہوتا تھا..... مگر می نے اس کی شدید مخالفت کی تھی، اور جب وہ ایم بی اے کی

ڈگری لینے کے بعد اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا تو ایک بار پھر می کے آگے لیز اسے شادی کی خواہش کا اظہار کیا، مگر می ہمیشہ کی طرح آڑے آئی تھیں، بلکہ اس بار تو فریدی انکل نے بھی می کا ساتھ دیا، اور انہی دنوں اس کا تبادلہ امریکی کمپنی کی پاکستانی برانچ میں کیا گیا تو سب سے زیادہ خوش می ہی تھیں، وہ اسے پاکستان میں سیٹل کرانے ساتھ آئی تھیں اور وہیں فلکی سے اس کی شادی بھی کراڈالی تھی اور پھر اپنے تئیں مطمئن ہو کر واپس امریکہ چلی گئی تھیں مگر جاتے جاتے میراب سے کہنا نہ بھولیں کہ ”میراب تمہیں صحیح معنوں میں ایک پاکستانی اور امریکی لڑکی کا فرق بتا چلے گا اور مجھے یقین ہے کہ لیز تمہیں کبھی یاد تک نہیں آئے گی.....“ مگر ہوا اس کے بالکل برعکس تھا..... چاہتا تو میراب لیز اسے کورٹ میرج بھی کر سکتا تھا۔ مگر وہ می سے شدید محبت کرتا تھا اور انہیں اپنی ذات سے کوئی دکھ پہنچانا نہیں چاہتا تھا۔ شاید اس کے اس طرز عمل کے پیچھے بھی می کی کڑی تربیت کا ہاتھ تھا۔

میراب اپنی لامتناہی سوچوں میں گم تھا، تبھی کسی نے انگلی کے ناخن سے ٹیلی فون بوتھ کے شیشے پر ٹک ٹک کر کے دستک دی، شاید کوئی اور بھی باہر فون کرنے کا منتظر کھڑا تھا۔ میراب چونک کر باہر نکل آیا۔

”کیا تم سو رہے تھے؟“ were you sleeping?

باہر کب سے انتظار میں کھڑا شخص میراب کو دیکھ کر بڑبڑایا۔

کافی ٹنگ کے اندر کسی بے وفا محبوب کے رویے کی طرح سرد ہو چکی تھی میراب نے جلدی سے ایک طویل گھونٹ بھر کے ڈسپوزیبل ٹنگ قریبی ڈسٹ بن میں ڈال دیا، اور لمبے ڈنگ بھرتا مسافر لاؤنج کی طرف چلا آیا۔ جہاں مسافروں کی زبانی نئی اطلاع یہ تھی کہ بین ایم کی فلائٹ کے تمام مسافر ہوائی کمپنی کے خرچ پر رات ایک ہوٹل میں گزاریں گے جس میں ان کا رات کا کھانا اور صبح کا ناشتہ بھی بذمہ کمپنی ہوگا، البتہ ناشتے کے بعد کوسٹر انہیں ہوٹل سے پک کر کے ایئر پورٹ لے آئے گی جہاں سے وہ لفٹھانز ایئر (جرمن ایئر لائنز) کے ذریعے امریکہ روانہ ہوں گے۔ اس وقت کوسٹر مسافروں کو ہوٹل پہنچانے کے لیے ایئر پورٹ سے باہر منتظر تھی۔

ہوٹل پہنچ کر کھانا کھانے کے بعد وہ یونہی چہل قدمی کے لیے باہر فٹ پاتھ پر نکل آیا۔ یہ ہوٹل ایک بہت بڑی مارکیٹ کے عین درمیان میں واقع تھا۔ مارکیٹ تو اس وقت بند ہو چکی تھی البتہ جگمگاتے ہوئے نیون سائن اور دودھیا اسٹریٹ لائٹس کی روشنی میں وہ یونہی بند دکانوں کے باہر کھڑے ہو کر شوکیس میں آویزاں چیزوں کا جائزہ لینے لگا، اگرچہ دکانیں بند تھیں مگر ان شوکیسوں میں نصب بلب روشنی بکھیر کر اپنے اندر بجی ہوئی اشیاء کو پوری طرح نمایاں کر رہے تھے، شاید مارکیٹ کی خوبصورتی بڑھانے کا یہ بھی ایک گر تھا، تا کہ رات کو بھی یہاں کا حسن ماند نہ پڑے، چلتے چلتے میراب ایک دوکان کے باہر بنے شوکیس کے آگے ٹھہر گیا، شاید یہ کوئی آرٹ فیٹل جیولری کی دکان تھی، آنکھوں کو خیرہ کر دینے والے چمکدار نگینوں سے مزین زیورات ڈبوں میں سجے تھے، ایک گلوبنڈیٹ پر آ کر میراب کی نظریں جیسے جمی گئیں۔

اس بے حد خوب صورت سیٹ میں جڑے سچے موتیوں سے جیسے روشنی اور نگینوں سے قمری شعاعیں سی پھوٹ رہی تھیں، اگر یہ سیٹ لیزا نے اپنی صراحی دار گردن میں پہنا ہوتا یقیناً اس سیٹ کی خوب صورتی میں چار چاند لگ جاتے، میراب نے سوچا، اس کے نگینے لیزا کی آنکھوں کے رنگ سے بچ کر جاتے اور جب کبھی لیزا پیار سے میراب کی سمت دیکھا کرتی تھی تو تب بھی اس کی آنکھوں سے ایسی ہی محبت کی شعاعیں پھوٹا کرتی

تھیں، چہرے پر عجیب روشنی سی پھیل جاتی اور میراب اک عالم بے خودی میں اسے تکتا رہ جاتا، اور وہ اسے یوں محویت سے اپنی طرف دیکھتا پا کر بے ساختہ ہنس دیتی، اور..... اس کے خوب صورت دانت..... میراب کی نظر سیٹ میں جڑے سچے موتیوں پر جا کر ٹھہر گئی، تصور میں چہم سے لیز اتر آئی، جو آنکھوں میں شرارت لیے اپنے ہاتھوں سے میراب کے سارے بال بگاڑ ڈالتی، یونانی بوائے..... اور پھر میراب اسے اٹھ کر وہاں سے بھاگنے کا موقع بھی نہ دیتا.....

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

”ہیلو.....!“ مسکراہٹ خود بخود میراب کے لبوں پر کھلنے لگی۔

”ہیلو.....“ کسی نے اسے پکارا تھا مگر میراب نے اس طرف توجہ نہیں کی، اس نے جھک کر سیٹ کے ساتھ نصب پرائس ٹیگ پڑھا، چودہ سو ڈالرز..... کاش دوکان اس وقت کھلی ہوتی تو وہ ایک لمحہ کی تاخیر کئے بغیر فوراً یہ سیٹ لیزا کے لیے خرید لیتا۔

”ہیلو.....“ یہ آواز یقیناً میراب کے تصور کا کرشمہ نہیں تھی، کسی نے سچ مچ اسے مخاطب کر ڈالا تھا۔ میراب نے آواز کی سمت سر گھما کر دیکھا، بلیک سکرٹ بلاؤز کے ساتھ چمڑے کی کالی جیکٹ میں وہ کوئی لڑکی تھی، سرخ بال اس کے شانوں پر بے ترتیبی سے پڑے تھے، خنکی کی وجہ سے اس کے دونوں ہاتھ جیکٹ کی جیبوں کے اندر تھے، میراب نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

”کیا تم مجھے کچھ رقم فراہم کر سکتے ہو؟“ لڑکی بلاوجہ مسکرائی۔ ”اچھا تو بھکارن ہے یہ.....“ میراب نے سوچا۔

”مجھے سخت بھوک لگی ہے کھانا بھی کھلا دو۔“ لڑکی کے انداز میں التجا سے زیادہ پیار بھرا حکم پنہاں تھا۔ مگر دیکھو تم مجھے کوئی مانگنے والی مت سمجھ لینا۔“ لڑکی نے اپنی شوخ براؤن آنکھوں سے میراب کو دیکھتے ہوئے انگلی اٹھا کر گویا تنبیہ کی۔

”ایں.....“ میراب حیران رہ گیا۔ ”شب ب سری کے لیے تمہیں مجھ سے اچھا سا تھی اور کوئی نہیں مل سکتا۔“ وہ اعتماد سے مسکرائی۔

”مگر مجھے کسی ساتھی کی ضرورت نہیں ہے۔“ میراب کی تیوری پر بل آ گیا۔

اچھا بھلا وہ لیزا کے خیالوں میں کھویا ہوا تھا۔ اس لمحے لڑکی کی مداخلت بے جا اسے سخت ناگوار لگ رہی تھی، مگر لڑکی اس کے گریز کی وجہ کچھ اور سمجھی۔ ”ایڈز نہیں ہے مجھے، یہ دیکھو ہیلتھ سٹرٹ فیکٹ.....“ لڑکی نے کسی کاغذی تلاش میں جیکٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالا۔

”کہانا..... نہیں ہے اس کی ضرورت.....“ میراب سخت لہجے میں بولا۔

”پلیز..... آج ایک بھی گاہک نہیں ملا، مایوس لوٹنا پڑے گا، اور مجھے تو بھوک بھی بڑے زور کی لگی ہے۔“

”تم ویسے ہی کچھ رقم رکھ لو۔“ میراب نے والٹ نکال کر چند ڈالرز اس کی طرف بڑھائے تاکہ جان چھوٹ جائے۔

”یہ.....“ لڑکی نے نوٹ گئے۔ ”یہ تو بہت کم ہیں، لڑکی نے ایسے کہا جیسے میراب کی جیب پر اس کا خصوصی حق ہو۔“ باقی کسی اور سے جا کر لو۔“ میراب یہ مشورہ دیتے ہی وہاں رکائیں بلکہ ہوٹل کی جانب تیزی سے قدم آگے بڑھا دیئے، لڑکی جھپٹ کر لپکی..... ”سنو تو.....“ مگر میراب رکائیں نہیں..... اپنے پیچھے اسے لڑکی کا مترنم تہقہ سنائی دیا۔

”ڈرپوک..... بزدل کہیں کا..... بیوی سے ڈرتا ہے.....“

رات کا آخری پہر جا رہا تھا..... ہوٹل پہنچ کر میرا ب نے کاؤنٹر سے چابی لی اور اپنے کمرے کی طرف جانے کے لیے مڑا..... ”سنو مسٹر میر..... آج.....“ کاؤنٹر پر موجود ریپشنسٹ نے میرا آج کو پکارا۔ ”ہوٹل کی جانب سے ہال میں زبردست رنگارنگ پروگرام پیش کیا جا رہا ہے کیا آپ وہ دیکھنا پسند کریں گے..... بیک وقت سات مسالہ دار بجلیاں کڑک رہی ہیں۔ اندر، ایسے ہیجان خیز رقص کا مظاہرہ آپ نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا ہوا گا۔ تو دے دوں ٹکٹ ہال میں داخلے کا.....؟“ ہوٹل کلرک نے پرامید نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

”جی نہیں شکریہ..... میں صرف اب سونا پسند کروں گا۔“ جواب دے کر میرا ب رکائیں اور سیدھا اپنے کمرے میں آ گیا۔

☆☆☆

فون کی گھنٹی مسلسل بجے لگی تو نادیہ بیگم نے آگے بڑھ کر چونکا اٹھالیا۔ اس کا بھڑکدار لباس، تیز میک اپ اور اٹھنے بیٹھنے کا بازاری انداز اس بات کی چغلی کھا رہا ہے کہ اس کا تعلق شرفاء کے کسی طبقے سے نہیں ہے۔

”ہیلو.....!“ وہ ایک شان دلبرانہ کے سے انداز میں مخاطب ہوتی ہے۔

”ہاں کہو نادیہ بی، خوش تو ہونا اب، کوٹھے کے مقابلے میں یہ کونھی کیسی لگی تمہیں.....؟“ دوسری طرف شوکت خان کی آواز سننے ہی نادیہ کی باجھیں کھل اٹھتی ہیں، اور چہرے پر پیشہ وارانہ مسکراہٹ دوڑ جاتی ہے۔

”اوہ..... خاں صاحب جی..... یقین نہیں آ رہا ہے کہ اتنے عرصے کے بعد آپ کی آواز سن رہی ہوں..... آپ کب چھوٹے..... میرا مطلب ہے کب واپسی ہوئی آپ کی آپ تو اندر..... مطلب باہر گئے ہوئے تھے ناں!“ جواباً شوکت خان ڈھٹائی سے کھل کر ہنستا ہے۔ ”ارے نادیہ بی..... بس کیا بتائیں..... سیاستدانوں کے ساتھ یہ اندر، باہر آنے جانے کا کھیل لگا رہتا ہے، اسی طرح تو عوام کی ہمدردیاں حاصل ہوتی ہیں کئی بار تو ہمیں خود جان بوجھ کر اندر جانا پڑتا ہے خیر یہ سب تو عوامی حلقوں میں مقبولیت حاصل کرنے اور سیاسی حریف پر برتری جتانے کے طریقے ہیں پر تجھے یہ باتیں کہاں سمجھ آئیں گی۔“

نادیہ بی احقوں کی طرح سر ہلا کر دانت نکالتی ہے، اور بلاوجہ ”جی جی“ کا راگ الاپتی ہے۔ ”خیر یہ بتاؤ میرے آدمی نئے ڈیزائن کا فرنیچر تو پہنچا گئے ہیں ناں کہ نہیں.....“ شوکت خان اچانک سوال کرتا ہے۔

”جی..... نہ صرف پہنچا گئے ہیں، بلکہ سارا سامان سیٹ بھی کر گئے ہیں ابھی مان گئے خاں صاحب.....“ نادیہ بی کی کھوئی ہوئی تیزی طراری اور مزاج کی بازاری شوخی واپس پلٹ آتی ہے۔ ”اتنی خوب صورت جگہ پر خان جی گھر خرید کر دیا ہے۔ آپ نے فرنیچر، قالین اور میچنگ پردے بھی ہو گئے بس اب اگر نئے ماڈل کی کار بھی آجائے تو.....“ نادیہ بی کی آنکھیں انجانے لالچ کے تحت چمک رہی تھیں۔ ”آپ کو تو یہ ہی ہے کہ کاروبار کو وسعت دینے کے لیے یہ سب چیزیں کتنی ضروری ہوا کرتی ہیں، دراصل جال جتنا خوب صورت، پائیدار اور دانہ جتنا زیادہ قیمتی ہو، پنچھی بھی اتنے ہی زیادہ اور جلدی پھنسیں گے۔“ اس نے وضاحت کی۔

”ہاں یہ تو بات تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔“ شوکت خان نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔ ”آجائے گی..... آجائے گی.....“ نئے ماڈل کی کار بھی

آجائے گی۔“ شوکت خان نے اسے بڑے سکون سے تسلی دی۔ ”مگر دیکھ لو نادیہ بیگم..... ہم نے تو تمہاری ہر خواہش منہ سے نکلنے سے پہلے پوری کر دی ہے، مگر تم نے ہمارا ایک چھوٹا سا کام بھی نہیں کیا ابھی تک۔ تمہیں بھی تو یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ ہم پرانی چیزوں سے کتنی جلد اکتا جاتے ہیں۔ بھئی کچھ نیا آئٹم پیش کرو کتنی بار کہہ چکے مگر تم نے ہماری فرمائش ہی پوری نہیں کی۔“ خان نے شکوہ کیا۔

”بس سمجھ لیں کہ آپ کی شکایت دور ہونے کا وقت قریب آ گیا ہے۔“ نادیہ بی مسکرائی۔ ”آج شب بارہ سے ایک بجے کے درمیان تشریف لے آئے گا ناصر ف آپ کی شکایت دور کر دی جائے گی بلکہ ہمارا تحفہ پا کر طبیعت خوش ہو جائے گی جناب کی۔“ نادیہ بیگم نے آنکھیں مٹکا کر دعویٰ کیا۔

”چلو..... یہ بھی دیکھ لیں گے.....“ شوکت خان گھنی مونچھوں تلے مسکرایا۔ ”اچھا لاؤ ذرا زرینہ جی سے تو بات کرو ہمارے۔ بہت دن ہو گئے ان کی ریلی آواز سنے۔“

”جی وہ..... زرینہ جی تو ذرا..... باقی سب لوگوں کے ساتھ ”مال“ لینے کے لیے گئی ہیں۔“ نادیہ نے ذومعنی لہجے میں اطلاع فراہم کی۔

”اوہ..... اچھا اچھا..... اس مال میں ہمارے بھی کام کی کوئی چیز آئے گی کہ نہیں.....“ خان خباثت سے مسکرایا۔

”کیسی باتیں کر رہے ہیں خان جی.....!! سبھی کچھ آپ کے لیے ہے۔“ نادیہ بھی مکاری سے مسکرائی۔

”ہاں..... یاد آیا..... یہ تو بتاؤ کہ وہ نیا پٹھا کیسا کام کر رہا ہے؟“

”کون..... ابرار محسن؟“ نادیہ بیگم نے ابرو چڑھا کر بڑی ادا سے ایسے پوچھا جیسے ٹیلی فون سے کیمرے کے ذریعے دوسری طرف تصویر دکھائی دے رہی ہو۔

”ہاں وہی..... اچھا خود برو، اور پڑھا لکھا جوان لڑکا تھا۔ مگر عرصے سے بے روزگاری کی چکی میں پس رہا تھا۔ سو میں نے زرینہ جی کے پاس بھجوا دیا تھا کہ اسے کام میں لائیں۔“ شوکت خان بولا۔

”ہاں جی..... اس بار اسی کا ہنر آزمایا ہے۔ لڑکے نے جلد ہی سارا کام سیکھ لیا ہے۔ اتنی تنخواہ تو اسے کوئی گورنمنٹ کا محکمہ نہ دیتا جیتنے پیسے اسے ادھر مل رہے ہیں۔“ نادیہ بیگم نخرے سے بولی۔

”چلو اچھا ہے کہ لڑکے نے مچھلیاں پکڑنا سیکھ لی ہیں۔ اب زرینہ جی کے وارے نیارے ہی سمجھو۔“ دونوں مل کر قہقہہ گاتے ہیں۔

”اچھا اب بند کرتا ہوں۔ تو پھر سوا بارہ بجے تک آ جاؤں.....“ شوکت خان پوچھتا ہے۔

”ہاں جی..... سر آنکھوں پر..... آپ چاہیں تو ابھی آ جائیں۔ آ کر اپنے ہاتھ سے ”مال“ وصول کریں۔“ نادیہ بازاری لہجے میں خوشامد سے ہے۔

جواباً شوکت خان ہنستا ہے۔

”نہیں رات کو ہی ملاقات ہوگی۔“ کہہ کر فون بند کر دیتا ہے۔

”تو بہ کتنا ٹھہر کی اور چڑوس شخص ہے یہ شوکت خان.....“ نادیہ بیگم ریسور کریڈل پر ڈال کر بڑبڑاتی ہے۔

منجھلی چچی جو سامنے ہی نیم تاریکی میں آخری قطار کی پہلی کرسی پر بیٹھی تھی، نیچے جھک کر زمین پر گرنے والی چابی اٹھا رہی تھیں کہ بجانے کیوں اچانک ہی وحشت زدہ ہو کر بھاگنے کے لیے کرسی سے اٹھیں تو خود ہی اپنی ساڑھی کے دامن میں الجھ کر گری تھی، اور بے ساختہ چیخ بھی انہی کے حلق سے برآمد ہوئی تھی۔ فلکی نے آواز کی سمت پلٹ کر دیکھا تو سب لوگ زمین پر گری منجھلی چچی کے گرد جمع تھے۔ بھابی بھی سٹھائی والی پلیٹ میز پر رکھ کر دریافت حال کے لیے اسٹیج سے اتر کر چچی کی سمت پلکی۔

موقع غنیمت جان کر فلکی نے ہاتھ میں پکڑی گلاب جامن واپس پلیٹ میں رکھی اور بھابی کی تقلید میں اسٹیج سے نیچے اتر آئی۔ بمشکل تمام سب نے کھینچ تان کر بھاری بھر کم چچی کو سیدھا کھڑا کیا۔ مگر چچی کے حواس اپنے قابو میں نہیں تھے۔ دہشت سے سفید پڑتے چہرے کے ساتھ وہ کپکپاتی انگلی ہوا میں اٹھائے ایک سمت اشارہ کر رہی تھیں۔ وہ اشارہ اس کرسی کے نیچے کی سمت میں تھا۔ جس پر کچھ دیر پہلے وہی چچی تشریف فرما تھیں۔

”آئے ہائے..... سانپ دیکھ لیا شاید۔“ کسی کی گھبرائی ہوئی آواز ابھری اور اس کے ساتھ ہی جا کر جانے کس نے کھٹ سے مردانے میں یہ خبر سنا ڈالی اور یہاں سے وہاں تک ایک ہا ہا کارچ گئی۔ خاندان بھر کے سوراؤں نے سوئیاں اٹھائے سانپ کی تلاش میں چلے آئے۔

ایک سو زمانے ہمت کر کے ڈنڈے کی مدد سے کرسی الٹ دی۔ تاکہ نیچے چھپا ہوا یا کرسی کے پائے سے لپٹا سانپ برآمد ہو سکے۔ کرسی کے عین نیچے واقعی سیاہ ناگ کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔

بڑی چھو پھو کے بیٹے ندیم میاں نے ڈنڈا اٹھا کر دوپ سے سانپ کے پھن پر ڈالے مارا۔

مگر یہ کیا.....؟

سانپ تو اپنی جگہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ اس پر ندیم میاں نے خواتین کی ”ہائے ہائے اور نہ کرو“ کے باوجود آگے بڑھ کر سانپ کو لکڑی کے ڈنڈے پر لٹکا لیا۔

”دھت تیرے کی.....“ ملگتی روشنی میں سب نے دیکھا کہ منی بی کی گہری جامنی رنگی ہوئی چندیا، جسے وہ کچھ دیر پہلے اپنی سہیلیوں کے ہمراہ کوڑا شاہ مدار کھیلتے ہوئے بل دے کر بریاں پھینک گئی تھی۔ ڈنڈے پر جھول رہی ہے۔ دوپٹے کے چنے ہوئے بل ہوا کے زور پر ناگ کے پھن کی طرح حرکت کر رہے تھے۔ سر سر اور جھوم رہے تھے۔

”حد ہی کر دی ممانی آپ نے بھی.....“ ندیم میاں نے بے زاری سے چڑی قریبی کرسی کی طرف اچھال دی۔

”چچی ابھی تک بے یقینی کے عالم میں کرسی پر پڑے دوپٹے کو اس طرح شک بھری نظروں سے ایسے دیکھ رہی تھیں۔ جیسے اچانک وہ کسی بڑے سے اڑدھے کارو پ دھار کر سب کو نگل لے گا۔

”ارے چچی.....! اب تو حوصلہ کیجئے۔ منی بی کی چڑی سے ڈرنے والی کوئی بات نہیں ہے۔“ بڑی ممانی کی بیٹی حرانے آگے بڑھ کر ممانی کا کندھا ہلایا تو وہ چونکیں ہے۔ ”ہے کہاں یہ منی کی بچی..... تو بہ دل ہی دھلا کر رکھ دیا میرا۔ حد ہی کر دی سلمی تم نے، نیچے تو ایسے ہی کھیلتے ہیں۔“ فلکی کی امی نے دیورانی کو پیار سے گھورا۔ تو وہ جھینپ کر ہنسنے لگیں۔

”بھئی یہ کوئی نئی بات تو نہیں ہے۔ ان کی تو پرانی عادت ٹھہری رسی کا سانپ بنانے کی۔“ چچا جو جانے کب سے آکر چپ چاپ عین چچی کے پیچھے کھڑے ہو گئے تھے۔ اب شرارت سے انہیں چھیڑ رہے تھے۔ ”چلو تمہاری کسر باقی رہ گئی تھی جو ”آئیل مجھے مار“ کرنے یہاں پہنچ گئے۔“ پھوپھو نے خفگی سے بھائی کو گھورا۔

”اور ان کے گھر کی تو رسیاں بھی ایسی کہ جن کے بارے میں سیانے پہلے ہی کہہ گزرے کہ ”رسی جل گئی پر بل نہ گئے۔“ سانپ کا خوف زائل ہوتے ہی چچی کی فطری بذلہ سخی لوٹ آئی تھی۔

پھوپھو جو ہر بات گھما پھرا کر خود پر لینے کی عادی تھیں، منہ بنا کر وہاں سے ہٹ گئیں۔ اور پھر اس دلچسپ اور اچانک پیش آنے والے اس واقعے پر سب اپنے انداز میں تبصرہ کرتے ہوئے واپس اپنی اپنی کرسیوں کی طرف بڑھ گئے۔ جہاں باراتی بیٹھے کولڈ ڈرنکس سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ جبکہ دولہا کی بہنیں اور کزنز میدان خالی پا کر اسٹیج پر چڑھی دولہا دلہن کے ہمراہ فوٹوز اور مووی بنوا رہی تھیں۔

خالہ کا اشارہ پا کر غفی باقی لڑکوں کے ساتھ کھانے کے ”پیک شدہ“ ریڈی میڈ ڈبے اٹھا لایا اور باری باری حاضرین کو تھماتا چلا گیا۔ جب سے شادی بیاہ میں کھانے پر پابندی لگی تھی، ضرورت نے ایجاد کے مختلف راستے ڈھونڈ لیے تھے۔ لوگوں نے باراتیوں کو کھانا کھلانے کی مختلف صورتیں اپنائی تھیں۔ شاید معاشرے سے رسومات ختم ہو سکتی ہیں مگر مجبوریاں نہیں۔

غفی مہمانوں میں بے حد مصروف تھا جب نشا اپنا آف وائیٹ غرارہ سنبھالتی اس کے پاس چلی آئی۔

”غفی بھائی ذرا ایک منٹ کو ادھر تو آئیے۔“

غفی چونکا..... ”کیا بات ہے؟؟“

”اوں ہوں..... ایسے نہیں پہلے ادھر آئیے۔“ نشو نے لاڈ سے سر ہلایا۔

”بہت ضروری بات ہے کیا؟“ غفی مسکرایا۔

”جی ہاں..... بہت ضروری۔“

”نشو! میری پیاری سی بہنا! پلیز میں ذرا یہاں سے فارغ ہو لوں تو ابھی آتا ہوں، ٹھیک ہے۔“ وہ بات مکمل کرتے ہی فوراً بارات کے ہمراہ آئے ہوئے ایک صاحب کی طرف متوجہ ہو گیا جو شاید پینے کے لیے سادہ پانی منگوانا چاہ رہے تھے۔

”اف..... نشو پاؤں پٹختی، سخت کوفت کے عالم میں ایک طرف جا کر کھڑی ہو گئی، اور غفی کا انتظار کرنے لگی۔ جانے کب انہیں فراغت ملے گی تو ادھر آئیں گے اور پھر جانے یا دیکھ رہے کہ نہیں، وہ بے بسی سے کھڑی سوچ رہی تھی، جبکہ باقی کزنز آپس میں خوش گپیوں میں مصروف تھیں۔ کتنی ہی دیر گزر گئی..... اور پھر اتفاقاً غفی کولڈ ڈرنکس کے مزید کرٹس ادھر رکھوا کر واپس مڑا اور نشو کو ابھی تک ایک کونے میں اپنا منتظر دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔

”ایسی کون سی ضروری بات کرنی ہے نشو کو مجھ سے.....! خیر دیکھتا ہوں۔“ وہ باقی تمام کام چھوڑ کر اس کی طرف چلا آیا۔

”ہاں گڑیا..... بولو..... جلدی سے بتاؤ کیا بات ہے؟“ وہ نشو کو پیار سے اکٹھڑایا ہی کہتا تھا۔

نشو و نما لے تہ مذہب کے عالم میں کھڑی اپنے ہاتھ ملستی رہی اور پھر اپنا پرس کھول کر ایک تہہ شدہ پرچہ غفی کی جانب بڑھا دیا۔
 ”یہ کیا ہے گڑیا.....؟“ غفی نے قدرے حیرانی سے نشو و نما دیکھتے ہوئے پرچہ تھام لیا۔ نشو و نما لے سوچتی رہی پھر بولی۔

”اسے بغور پڑھیے گا غفی بھائی..... یہ سوال ہے کسی کی زندگی کا، پلیز اس کا جواب ضرور دیجئے گا۔ مگر پلیز آپ کسی کو ہرگز یہ مت بتائیے گا کہ یہ پرچہ آپ کو میں نے دیا تھا۔“ نشو و نما کو حیران پریشان چھوڑ کر تیزی سے اپنا غرارہ دوپٹہ سنبھالتی ایک طرف بڑھ گئی، غفی چند لمحے کھڑا سوچتا رہا اور پھر تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر تہہ شدہ پرچہ کھولنے لگا، تبھی امی نے اسے پکار لیا۔

”غفی بیٹا..... ذرا ادھر تو آنا“ اور امی کے پکارنے پر وہ مجبوراً کاغذ جیب میں ڈال کر اس سمت بڑھ گیا جہاں امی اس کی منتظر تھیں۔
 فلکی اور بھابی دلہن بنی یعنی کو اسٹیج سے اتار کر اندر لے جا چکی تھیں، اور باراتی واپس جانے کو پر تول رہے تھے۔ اگرچہ یہ صرف نکاح کی تقریب تھی اور رخصتی چھ ماہ بعد ہونا قرار پائی تھی مگر دولہا اس کی ماں کافی دیر تک آپس میں جانے کیا صلاح مشورہ کرتے رہے تھے کہ دولہا کی والدہ بارات کی واپسی کے لیے خالہ سے اجازت لینے آئیں تو ایک عجیب و غریب فرمائش کر دی۔
 دلہن کو بارات کے ساتھ گھر لے جانے کی، اور خالہ جو اس بات کے لیے ذہنی طور پر تیار نہ تھیں حیران رہ گئیں۔

”یہ بھلا کیسے ممکن ہے؟ ہماری تو اس لحاظ سے کوئی تیاری ہی نہیں، اور پھر ہم لوگوں نے آپ کے صلاح مشورے کے بعد ہی چھ ماہ بعد رخصتی کا پروگرام رکھا تھا۔“
 ”وہ تو سب ٹھیک ہی ہے، بہن، مگر دیکھو بنیادی چیز نکاح ہی ہے۔ جب نکاح ہو چکا تو میرا خیال ہے کہ اب دلہن کی رخصتی روک لینے کا کوئی جواز نہیں بنتا۔ خود میرا بیٹا اور تمہارا داماد اس بات کے لیے بضد ہے کہ اس کی منکوحہ ابھی اس کے ساتھ گھر جائے گی اور میں سمجھتی ہوں کہ وہ ایسا سوچنے میں حق بجانب بھی ہے۔ جب نکاح ہو چکا تو اب دلہن کے بغیر خالی بارات واپس جاتی بھلا کیا بچے گی؟ سو یعنی بیٹی کو ابھی ہمارے ساتھ ہی رخصت کر دو۔“ مگر..... خالہ“ ہکا کرہ گئیں۔

”اگر مگر کچھ نہیں..... بیٹیاں تو پیر پیغمبروں نے بھی رخصت کر دیں۔ تم یعنی کو زیادہ سے زیادہ چھ ماہ مزید اپنے پاس رکھ لو گی مگر آخر کو تو اسے ایک دن تم سے جدا ہو کر اپنے گھر جانا ہی ہے ناں؟ سو ابھی سہی۔“

”یہ بات نہیں ہے..... وہ دراصل۔“ خالہ کچھ کہنے کی کوشش میں محض تھوک نکل کر رہ گئیں، انہیں کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کریں۔
 ”بھئی سوچ لو..... ابھی تو دولہا بڑی محبت اور شوق سے اپنی منکوحہ کو طلب گار بن کر ساتھ لے جانا چاہ رہا ہے۔ مگر تم لوگوں کے انکار پر اگر آج اس کے دل میں بال آ گیا تو پھر بعد کو تمہاری بیٹی ساری زندگی سر پکڑ کر روئے گی۔“ دولہا کی والدہ نے اپنے تئیں بڑے اہم نکتے کی جانب توجہ مبذول کرائی۔

”تو آپ اس کی والدہ ہیں، اسے سمجھائیں ناں کہ بڑوں کے درمیان جو فیصلے ہو چکے ہیں ان کی لاج رکھے۔“ خالہ نے بے اختیار کہا تو دولہا کی والدہ ہنس دیں۔

”آج کل کی اولاد ایسی بات بھلا کہاں سمجھتی ہے اور پھر اس کا مطالبہ کچھ ایسا غلط بھی تو نہیں ہے وہ آپ سے نئے ماڈل کی کار نہیں مانگ رہا، کوٹھی اپنے نام نہیں لگو رہا، بینک بیلنس نہیں پوچھ رہا، وہ تو صرف اپنی بیوی یعنی کی رخصت کروا کے ساتھ لے جانا چاہ رہا ہے، بلکہ یہ تو آپ کے حق میں زیادہ بہتر ہے کہ چھ ماہ بیٹی کو گھر سے لمبا چوڑا جہیز دے کر رخصت کرنا پڑتا مگر اب اس کی چنداں ضرورت نہیں بس ہمیں تو تین کپڑوں میں صرف ہماری بہو درکار ہے۔“ باقی ہمارے پاس خدا کا دیا بہت کچھ ہے۔“ دولہا کی والدہ نے خالہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بڑے دھیان سے سمجھایا۔

”اچھا..... میں ذرا گھر والوں سے تو مشورہ کر لوں۔“ خالہ نے گویا ہتھیرا ڈالتے ہوئے کہا۔

تب ہال نما کمرے میں خاندان کے تمام بزرگوں کی ”مشاورت کمیٹی“ کا ہنگامی اجلاس منعقد کیا گیا۔ دولہا کی چرب زبان ماں بہنوں نے بالآخر یہ مقدمہ جیت کر ہی چھوڑا تھا۔

اور یوں یکدم ہی عینی کی رخصتی کی تیاری ہونے لگی، فلکی نے چابکدستی سے عینی کا میک اپ درست کیا، اور پھر ایک چھوٹے سوٹ کیس میں اس کی ضرورت کی چیزیں مثلاً نائیت سوٹ، ٹاول گاؤن، اس کا نیا تولیہ، اور اسی طرح کی دوسری چھوٹی موٹی اشیاء رکھ دیں اور پھر کچھ دیر بعد ہی اس نے باہر جا کر عینی کی تیاری مکمل ہونے کی اوکے رپورٹ دی تبھی خالہ بوکھلائی ہوئی فلکی کی امی کے پاس چلی آئیں؟

”سوچ رہی ہوں دلہن کے ساتھ کون جائے؟“

”لو..... یہ بھی کوئی مسئلہ ہے کیا.....؟ جسے تم کہو گی وہی ساتھ ولی بن کر چلی جائے گی۔“ فلکی کی امی نے ہنس کر جواب دیا۔

”تو بس اب تم نسرین کو عینی کے ساتھ بھجوادو۔“ خالہ نے فوراً کہا ”لیکن نسرین کا تو بچہ چھوٹا ہے اور پھر ان دنوں اس کی طبیعت بھی کچھ کچی پکی سی ہے، تم اگر چاہو تو شو عینی کے ساتھ چلی جائے گی۔“

”ہاں..... یہ بھی ٹھیک ہے۔“ خالہ اس اچانک رخصتی والی افتاد سے کافی بوکھلا کر رہ گئی تھیں۔ فلکی کی امی نے انہیں ساتھ لگا کر حوصلہ دیا۔

”خاطر جمع رکھو، دیکھنے میں تو اپنی عینی کے سسرال والے کافی معقول لوگ نظر آ رہے ہیں اللہ نے چاہا تو عینی خوش رہے گی وہاں۔“ مگر خالہ نجانے کیوں امی کے کندھے سے لگ کر سسکنے لگیں اور امی کی آنکھوں میں رے آنسو بھی پلکوں کی باندھ توڑ کر بہہ نکلے۔

سچ ہے کہ والدین بیٹیوں کے جنم کے ساتھی ہوتے ہیں مگر کرم (نصیب مقدر) کے نہیں۔ بیٹیاں بری نہیں لگتیں مگر برے نصیبوں سے خوف آتا ہے۔

ادھر عینی بھی اپنی اچانک رخصتی کا سن کر خوب زور و شور سے رو رہی تھی، کا جل مسکارا اور سرخی پاؤڈر سب ملیا میٹ ہو رہا تھا۔ تب نسرین بھابی نے آگے بڑھ کر اس کے کان میں سرگوشی کی۔

”اے عینی.....! زیادہ ڈرامہ بازی کی ضرورت نہیں ہے ہمیں سب معلوم ہو گیا ہے کہ جب ادھر سارے منجھلی چچی کے ”سانپ ڈرامے“ کی شوٹنگ دیکھنے میں مصروف تھے تو نے اسٹیج پر ساتھ بیٹھے دولہا سے اپنی رخصتی کی ساز باز کر لی، مگر اب رو دھو کے خواہ مخواہ ہمارا دل دھلا رہی ہے۔“

بھابی کی بات سن کر عینی گھونگھٹ تلے مسکرا دی۔ ”تو اور کیا..... ہماری عینی کے حسن کا تیر، دولہا میاں کے عین دل میں جا کر ترزاؤ ہوا ہے،

اب بے چارے عمر بھر ”ہائے ہائے“ کرتے رہیں گے۔“ فلکی مسکرا دی۔ ”یعنی گربہ کشتن روزِ اول والی مثال مت بھولنا، پہلے دن جو اس پر عمل کر لے، ساری زندگی راج پارے اس کے ہاتھ رہتا ہے۔“ ایک اور تجربہ کار کزن نے آگے بڑھ کر کہا۔ جس کا شوہر..... گھنٹوں سے بچے سنبھال رہا تھا اور ساری تقریب میں تھلی بنی ادھر ادھر اڑی پھر رہی تھی۔

”ہاں بھئی..... جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے.....“ فریال پھوپھو کی شرا بھی ادھر چلی آئی، اور وہ جاتے جاتے فلکی سے اپنے سر پر ضرور ہاتھ پھروالینا، کوئی اور بولی چونکہ اس نے میرا بھائی کو جس طرح قابو کر رکھا ہے وہ ہر کسی کے بس کی بات نہیں، ہاں واقعی..... محترمہ مانتے دنوں سے میکے میں ویلیاں (فراغت کے دن گزارنا) کھا رہی ہے اور وہ بیچارے وہاں اس کے انتظار میں سوکھ رہے ہوں گے۔ سچ میں تو ایک رات بھی میکے رک جاؤں تو میرے ”حضرت“ کا منہ سو جاتا ہے، میرے میاں بھی یہی کہتے ہیں کہ کوئی ضرورت نہیں میکے میں رکنے کی، سب میرے ساتھ جاؤ ساتھ گھر آ جاؤ، ورنہ میرا تمہارے بغیر دل نہیں لگتا۔“

کسی نے مان سے کہا۔ ”بھئی یہ سب مرد حضرات کی ”میکہ روک“ پالیسی ہوتی ہے اور تم بے چاریاں اسے اس کی محبت سمجھتی ہو، میکے میں بیوی کو رات بھر کے لیے نہ چھوڑنے کے پیچھے بھی اس کی اپنی غرض پوشیدہ ہوتی ہے، جسے وہ محبت کا نام دیتا ہے، جہاں اس کی غرض کوئی اور راستہ دیکھ لے تو وہ بیوی کو ہمیشہ کے لیے بھی میکے بھجوانے سے دریغ نہیں کرتا، تب اس کی محبت کہاں چلی جاتی ہے۔“ یہ سہیلی ماموں کی بیٹی ندا باجی تھیں۔ جن کے میاں نے دوسری شادی کر لی تھیں۔ ”سچ بتاؤ فلکی میرا بھائی سے تمہاری ناراضگی چل رہی ہے کیا۔“ ارشد ماموں کی بیٹی نے اپنی عقابانی نظریں فلکی کے چہرے پر گاڑتے ہوئے اچانک ہی وہ سوال داغ دیا تھا جس کی بازگشت کے خوف سے فلکی اب تک اپنے ہی خول میں سٹی پھر رہی تھی وہ..... نہیں..... ہاں..... پتا نہیں۔ فلکی نے سر جھکا لیا۔

”دیکھنا ناں مجھے پہلے ہی شک تھا۔ وہ کیا کہتے ہیں کہ ”نام عبدل ہے مگر سب کی خبر رکھتا ہوں“ اس کی کزن اپنے درست اندازے پر فخر یہ انداز میں مسکرائی۔

”لو..... وہ میاں بیوی ہی کیا جن میں کبھی لڑائی نہ ہو، بقول کسی شاعر کے کہ ”بڑا مزہ اس ملاپ میں ہے کہ صلح ہو جائے جنگ ہو کر“ ایک اور کزن نے مزے سے آنکھیں منکائیں۔

”مجھے اس شعر کے وزن کی درنگی پر شبہ ہے۔“ کسی نے اعتراض اٹھایا۔

”بات تو سمجھ میں آگئی ناں تمہاری..... بس یہی کافی ہے۔“

”اور کیا! تم اپنے وزن اور صحت کی درنگی پر اپنی توجہ مبذول رکھو.....“ جانے کس نے مشورہ پیش کیا تھا کہ محفل کشت زعفران بن گئی، یعنی بھی رونادھونا بھول کر مسکرا رہی تھی۔

”ارے بھئی لڑکیو..... اتنی دیر ہوگئی، کون سی کھجڑی پکا رہی ہو، جلدی سے یعنی کو لے کر باہر پہنچو، باراتی کھڑے دہن کے انتظار میں سوکھ رہے ہیں۔“ تب قرآن پاک کے سائے تلے یعنی کو اس کے جیون ساتھی کے سنگ رخصت کر دیا گیا۔ شبو آ پابھی اپنی ضروری چیزوں پر مشتمل بیگ

تیار کر کے عینی کے ساتھ ہی گاڑی میں جا بیٹھی تھیں۔ سچی سچائی کا رہنمائی اور یوں عینی اپنے شریک سفر کے ہمراہ نئے سفر پر گامزن ہو گئی۔

☆☆☆

اگر میراب نے ممی اور انکل کو انٹرپورٹ آنے سے منع کر دیا تھا تاہم کسی موہوم سی آس پر اس نے باہر نکلتے ہی ادھر ادھر دیکھا، اور پھر اسے لوگوں کے جھوم میں وہ چہرہ نظر آ گیا جسے دیکھتے ہی اس کے دل کی کلی کھل اٹھی..... وہ گویا پتے صحرا سے یکدم ہی ہرے بھرے نخلستان میں آ گیا تھا۔ میراب اک خواب کی سی کیفیت میں آگے بڑھا، اور سامنے کھڑی لیزا کو بے اختیار اپنی بانہوں میں بھر لیا۔ کافی دیر تک دونوں ہی کچھ نہیں بول سکے، تب کئی لمحوں بعد میرا وہی ہوش و خرد کی دنیا میں واپس پلٹا۔

”تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں آ رہا ہوں؟“ اس نے بے ساختہ سوال کیا چونکہ لیزا اسے تو اس کا رابطہ ہی نہیں ہو سکا تھا جو اسے اپنی آمد کی اطلاع دے پاتا۔

”دیکھ لو..... میں نے بس جادو دیکھ لیا ہے.....“ لیزا مسکرائی اور اپنی سرخ اسپورٹس کار کی ڈیگھول دی تا کہ میراب اپنا سامان رکھ سکے۔

”مگر پھر بھی.....“ میراب کو تجسس ہو رہا تھا۔

”سو سمیل..... میں نے پاکستان تمہارے گھر فون کیا تو وہاں تمہارے ملازم رحیم بخش نے مجھے بتایا کہ تم امریکہ کے لیے فلائی کر چکے ہو،

تب میں نے تمہارے گھر فون کیا تو تمہارے قادر.....“

”انکل.....“ میراب نے تصحیح کی۔

”ہاں فریدی انکل نے مجھے تمہارے تفصیلی پروگرام سے آگاہ کیا۔“ لیزا نے تفصیل بتائی اور ساتھ ہی گاڑی اسٹارٹ کر دی ”شکر ہے تمہاری مام (امی) سے بات نہیں ہوئی ورنہ وہ تو میرے فون پر بہت موڈ آف کرتی ہیں، البتہ تمہاری بہنیں بہت خوش مزاج ہیں، وہ تمہاری مام پر نہیں گئیں بلکہ فریدی انکل کی کا پی ہیں۔“ لیزا نے بے لاگ تبصرہ کیا مگر میراب اس تبصرے سے خوش نہیں ہوا۔

”ہاں فریدی انکل واقعی بہت خوش اخلاق ہیں، اسی ہنس مکھ مزاجی کے جال میں تو میری ماں پھنس گئی تھیں۔“ بظاہر میراب ہنس کر بولا تھا مگر لہجے میں ہلکی سی تلخی گھلی ہوئی تھی۔

”کم آن میرو.....“ لیزا نے بے تکلفی سے میراب کے کندھے پر دھپ رسید کیا۔ ”اتنے عرصے بعد ملے ہو، اچھی باتیں کروناں۔ یا پھر

تفصیلی بات چیت میرے فلیٹ پر چل کر ہی کرو گے.....“

لیزا نے شرارت سے ایک آنکھ میچ کر اسے دیکھا اور کھلکھلا کر ہنس دی۔

”آں.....؟ نہیں لیزا.....“ یکدم ہی میراب کو کچھ یاد آ گیا۔

”وہ دراصل میں گھر میں ممی کو اپنی آمد کی پیشگی اطلاع دے چکا ہوں، لہذا وہ میری منتظر ہوں گی اور اگر میں بروقت گھر نہ پہنچا تو بے حد فکر مند ہوں گی۔“

”تو کیا ہوا..... میرے فلیٹ سے فون کر کے اطلاع دے دینا کہ تم اپنے ایک دوست کے ساتھ ہو، لہذا ذرا دیر بعد گھر پہنچو گے۔“ لیزا نے حل پیش کیا۔

”ممی کو چمکے دینا اتنا آسان کام نہیں ہے، اور وہ یہ بات اچھی طرح جانتی ہیں کہ یہاں تمہارے علاوہ کوئی ایسا دوست نہیں جس کو امریکا آتے ہی میں درشن دینے پہنچ جاؤں.....“ لیزا خاموش ہو گئی۔ تب میرا ب نے اسے گدگدایا۔

”چلو موڈ بحال کرو۔ وعدہ شام تمہارے ساتھ گزاروں گا۔ دیکھنا آج ڈاننگ فلور بھی دو محبت کے متوالوں کے عمدہ رقص سے تھرک اٹھے گا۔“ لیزا تب بھی چپ رہی۔

”اچھا چلو..... پہلے تمہارے فلیٹ پر ہی چلتے ہیں۔ مگر زیادہ دیر نہیں رکوں گا۔“ میرا ب نے بالآخر ہتھیار ڈالے، لیزا کی خفگی اسے کب منظور تھی۔

”ہاں چلو ٹھیک ہے، بس آدھا گھنٹہ بھی ہمارے لیے کافی ہوگا۔ میں تمہیں اپنے ہاتھ کی بنی کافی پلاؤں گی۔“ لیزا نے اپنے گھر کی طرف موڑ لی، وہ خوشی سے دوبارہ چپک رہی تھی۔

میرا ب نے رذویدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

کھلے گریبان کے سرخ اور نیلی ٹی شرٹ میں شولڈر کٹ سنہری بالوں کی پونی ٹیل بنائے، سن گلاسز کے ساتھ وہ کافی اچھی لگ رہی تھی، بلیک شارٹ کے نیچے اس کی صحت مند ٹانگیں کھلے عام دعوت نگارہ دے رہی تھیں، سفید پیروں میں سیاہ سینڈل کافی جج رہے تھے، اور وہ عام امریکی لڑکیوں کی طرح مسلسل منہ چلا رہی تھی، منہ میں شاید چیونٹم تھی یا چاکلیٹ! میرا ب کوئی اندازہ نہیں کر سکا تھا۔

لیزا کا چھوٹا سا فلیٹ بے حد صاف ستھرا اور سجا سنورا تھا۔ ٹیرس پرسر سبز پودے جھوم رہے تھے۔ اس کے پاس ان ڈور پلانٹس کی بھی کافی کولیکشن تھی۔

وہ اسے سنگ روم میں بٹھا کر شیشے کی الماری سے ہسکی اور جام نکال لائی۔ ”اتنی دیر یہ پیو..... میں تمہارے لیے کچھ کھانے کو لاتی ہوں۔“

”لیزا!.....! میں صرف کھانے پینے کے لیے ہی اتنی دور کا سفر طے کر کے آیا ہوں؟“ میرا ب نے اس کا ہاتھ تھام کر شکایت بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

”پھر.....؟“ لیزا مسکرا دی۔

اور اس پھر کا جو جواب اسے میرا ب نے دیا تھا وہ کافی طویل ہو گیا تھا۔ حتیٰ کہ میرا ب چونک کر کھڑا ہو گیا۔

”اوہ..... دو گھنٹے گزر گئے، تمہارے سنگ وقت گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلتا، اچھا میں اب چلوں۔ ورنہ ممی تو چٹنی بنا ڈالیں گی میری۔“

میرا ب نے سائنڈ ٹیبل پر رکھی اپنی رسٹ واچ اٹھا کر کلائی میں ڈالی اور صوفے پر بیٹھ کر پیروں میں اپنی جرابیں اور بوٹ پہننے لگا۔

”بہت ڈرتے ہو اپنی ماما سے؟“ لیزا نے آئینے کے سامنے اپنے لبوں پر اپ اسٹک کی گہری تہہ جماتے ہوئے ہنس کر پوچھا۔

”کسی کا خوف بذات خود کچھ نہیں ہوتا، بلکہ یہ اس ہستی کا احترام، اس سے محبت کی دلیل اور درحقیقت اس کی توجہ کے چھن جانے سے بچنے کا ایک عمل ہوا کرتا ہے۔ دراصل ہم جن لوگوں سے بہت محبت کرتے ہیں، انہیں ناراض کرنے سے ڈرتے ہیں تاکہ ہمیں ہمد وقت ان کا پیارا اور قربت دستیاب رہے۔“ میراب نے جواب میں پورا فلسفہ بیان کر ڈالا۔

”چلو..... اچھی بات ہے۔ ایسا ہی خوف کچھ میرا بھی رکھنا۔“ لیزا بالوں میں برش پھیرتے ہوئے مسکرا کر بولی۔

”اگر یہ سب نہ ہوتا تو میراب اس وقت یہاں ہوتا..... تمہارے پاس..... تمہاری اہمیت میری زندگی میں باقی سب لوگوں سے کہیں زیادہ ہے۔ کیا یہ بات تمہیں ابھی تک معلوم نہیں ہوئی لیزا.....؟“ میراب نے اس کے قریب آ کر دونوں ہاتھ اس کے کندھوں پر ٹکا کر اس کی گہری نیلی آنکھوں میں جھانکا۔

”ہاں..... مجھے پتا ہے۔“ وہ فخر سے مسکرائی۔ ”اچھا اب چلو تمہیں دیر ہو رہی ہے۔“ لیزا نے پیار سے اس کے ہاتھ تھام لیے میراب کے مضبوط ہاتھوں کی حرارت..... رفتہ رفتہ لیزا کی ہتھیلیاں اپنے اندر جذب کر رہی تھیں۔

”کاش یہ ہاتھ ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے کی گرفت میں رہتے۔ تو زندگی کے کتنے ہی کٹھن مراحل دیکھتے ہی دیکھتے طے ہو جاتے۔“ میراب نے سوچا۔

”آؤ چلیں.....“ لیزا نے دونوں کے درمیان چھایا سکوت توڑا۔

”چلو.....“ میراب نے اس کی کمر میں بازو ڈال کر اسے ساتھ لگالیا۔

”ٹھہرو..... میں دراز میں سے اپنا پرس نکال لاؤں.....“ لیزا جلدی سے اس سمت لپکی، اور پرس لے کر فوراً آ بھی گئی۔

”تم آج کل بہت زیادہ تمباکو نوشی کی عادی نہیں ہو گئیں؟“

شیشے کی سینئر ٹیبل کے پاس سے گزرتے ہوئے اس پر رکھی ایش ٹرے میں بے شمار بجھے ہوئے اور کچھ ادھ جلے سگریٹس کے ٹوٹے (ٹکڑے) اور ان کے راکھ دیکھ کر میراب کہے بغیر نہ رہ سکا۔

”نہیں..... میں تو اتنی سگریٹ نہیں پیتی یہ تو.....“ وہ جانے روانی میں کیا کہنے جارہی تھی کہ کسی احساس کے تحت اچانک خود بخود چپ ہو گئی، اور میراب نے بے ساختہ چونک کر اسے دیکھا تھا۔ مگر لیزا نے نظر چرا لی۔

”اچھا..... تم رات کو کلب جاتے ہوئے بھلا کون سا ڈریس پہنو گی؟“ میراب آگے بڑھا اور سامنے موجود دو دروازوں کے دونوں پٹ کھول ڈالے تاکہ لیزا کو شام کے لیے ڈریس منتخب کرنے میں مدد دے سکے، مگر پھر فوراً ہی چونک کر ایسے پیچھے ہٹا کہ جیسے کچھونے ڈنگ مار لیا ہو۔

الماری میں ترتیب سے رکھے تہ شدہ اور بیگنرزمیں لٹکے تمام سوٹ مردانہ تھے۔ میراب نے فوراً الماری بند کر دی اور لیزا کی طرف مڑا.....؟

”وہ دراصل میرے کپڑوں کی الماری دوسری طرف ہے۔“ لیزا نے مسکرا کر وضاحت کی۔

”چلو بس بعد میں خود ہی دیکھ لینا۔ مجھے تو ویسے بھی دیر ہو رہی ہے۔“ وہ باہر جانے کے لیے آگے بڑھا اور دروازے کی چابی اٹھا کر لیزا

ابھی اس کے پیچھے ہی نکل آئی۔

”تم مجھے کسی ٹیکسی اسٹینڈ پر ڈرا کر دو۔“ میرا ب نے گاڑی میں بیٹھ کر کہا اور جواباً لیزا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

☆☆☆

چونکہ نکاح میں شامل تمام عزم و اقارب کا تعلق اسی شہر سے تھا چنانچہ عینی کے رخصت ہوتے ہی سب لوگوں نے خالہ سے اجازت لے کر اپنے اپنے گھروں کی طرف واپسی کا قصد کیا۔

حمیرا اچھی اور نبیلہ تائی جب اپنی اپنی چادر و برقعے اٹھانے کمرے میں آئیں تو وہاں پہلے سے موجود سعیدہ ممانی نے رازدارانہ انداز میں انہیں مخاطب کیا۔

”اے یہ فلکی بھلا کیوں اتنے عرصے سے میکے میں دھونی رمائے بیٹھی ہے؟“

”پتہ نہیں ویسے فلکی کے گھر والے تو ہر ایک سے یہی کہہ رہے ہیں کہ چونکہ میرا ب کو کمپنی کی طرف سے تین، چار ماہ کے لیے امریکہ یورپ کے دورے پر جانا تھا، اور فلکی کو ان دنوں ڈاکٹر نے سفر منع کر رکھا ہے سو وہ تو ساتھ جا نہیں سکتی اور میرا ب کے بغیر پیچھے گھر میں بھی تنہا نہیں رہ سکتی تھی، سو میرا ب نے اسے اجازت دی کہ اس کی غیر موجودگی کے دوران اپنے میکے جا کر رہ لے تاکہ اسے بھی وہاں اطمینان رہے کہ فلکی محفوظ ہے، البتہ اگر اس کا سسرال یہاں ہوتا تب ظاہر ہے وہ سسرال والوں کے ساتھ ہی ہوتی۔“ حمیرا اچھی نے اطمینان سے جواب دیا۔

”اے بی بی..... سنا تو ہم نے بھی یہی ہے۔ مگر آثار کچھ اور دکھائی دے رہے ہیں۔“ نبیلہ تائی نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

”ارے نہیں بھابی..... ابھی پچھلے ہی دنوں تو میرا ب نے اپنے ڈرائیور کے ہاتھ فلکی کے استعمال کے لیے کار بھیجوائی ہے۔ چونکہ کامران میاں تو اپنی کار دفتر لے جاتے تھے اور پیچھے فلکی کو ڈاکٹر وغیرہ کے پاس جانے میں پراہم ہوتی تھی، سو میرا ب نے کار بھجوا دی تاکہ اسے رکشے ٹیکسیوں میں دھکے نہ کھانے پڑیں،“ حمیرا اچھی نے فلکی کے حق میں اپنی جانب سے مضبوط دلیل پیش کی تھی مگر سعیدہ چچی نفی میں سر ہلا کر رہ گئیں۔

”بھئی ہمارے پاس تو کچھ اور قسم کی خبریں ہیں، مگر خود فلکی کے گھر والے منہ سے کچھ پھوٹ کر نہیں دے رہے تو ہم کیوں کسی سے کہیں، تمہیں تو معلوم ہے کہ مجھے تو ویسے بھی کسی کی بات ادھر ادھر کرنے کا شوق نہیں، اگر کوئی مجھ سے اپنا راز کہہ دے تو بس سمجھ لو کہ بات کنویں میں پڑ گئی۔“ اتنا کہہ کر سعیدہ تائی نے دونوں خواتین کے چہروں کے تاثرات کا جائزہ لیا، اور اپنی بات میں سسپنس پیدا کرنے کو خاموش ہو گئیں جبکہ نبیلہ تائی کو بات جاننے کی کھد بد لگ گئی۔

”اے اب بتا بھی ڈالو۔“ حمیرا اچھی بھی متحسب نظروں سے سعیدہ بی کی طرف دیکھنے لگیں، تب وہ رازداری سے دونوں کی طرف جھک کر کہنے لگیں۔

”بھئی یہ فلکی کی بھالہ ہے ناں؟ ارے نسرین کی بات کر رہی ہوں.....“

”ہاں ہاں: پتا ہے اب بول بھی چکو.....“ نبیلہ تائی کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو رہا تھا۔

”ہاں تم سنو بھی تو سہی۔“ سعیدہ بی نے انہیں چپ کرایا، اور وہ خاموش ہو کر اس کی بات سننے لگیں۔

”تو بھی..... نسرین کی امی میری دور کی رشتہ دار بھی لگتی ہیں وہ مجھے ایک تقریب میں ملیں تو انہوں نے ہی یہ بتایا کہ فلکی اپنے شوہر سے ناراض ہو کر میکے آئی ہوئی ہے..... اور آج کل ادھر ادھر نوکری کی تلاش میں ہاتھ پاؤں مار رہی ہے، انہوں نے اپنے تئیں انکشاف کر کے داد طلب نظروں سے دونوں کی طرف دیکھا۔

”مگر نسرین کی اماں کو یہ بات کیونکر پتا چلی؟“ حمیرا چچی نے سوال کیا۔

”لو اور سنو..... تمہارا بھی وہ حساب کہ ساری رات ہو گئی کہانی سنتے اور..... ارے بھی (وہ سرگوشی کے سے انداز میں بولیں) سمجھا کرو.....

نسرین سے بھلا گھر کا کوئی معاملہ چھپا رہ سکتا ہے بھلا؟ اسی نے جا کر اپنی ماں کو بتایا ہو گا ناں..... وہ کیا کہتے ہیں کہ گھر کا بھیدی انکا ڈھائے۔“

”ہاں..... یہ بات تمہاری میرے دل کو لگتی ہے۔“ نبیلہ تائی نے کہا۔

”بس بھابی..... کیا جھوٹ ہے اور کیا سچ! اللہ کی اللہ ہی جانے..... بس خدائیں دے تو ان کے نصیب نیک کرے۔“ حمیرا چچی چادر سنبھال کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

”ہاں بھی..... ہم تو کچھ بولے تو خواہ مخواہ بات پکڑی جائے گی اور پھر دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔“ سعیدہ بی نے ادھر ادھر محتاط انداز میں دیکھا۔

”لو یا درکھنا..... میں نے تو تمہیں کچھ بتایا ہی نہیں، ارے بھلا میری کہاں عادت ہے کسی کی کوئی بات نہیں۔“

”تو اور کیا..... بس بے فکر ہو جاؤ..... تم نے مجھ سے بات کی ہے اور میں تو خود تمہاری طرح ہوں جب کوئی دل کی بات مجھ سے کرتا ہے تو کیا مجال جو آگے کہیں کر جاؤں۔“ نبیلہ چچی نے انہیں تسلی دی اور حمیرا چچی مسکرا دیں۔ تبھی شجاعت چچا کے پکارنے پر ”ابھی آئی“ کہتے ہوئے انہوں نے دونوں خواتین سے اجازت چاہی۔

”اچھا اب چلو..... کل شام انشاء اللہ یعنی کے ویسے پر ملاقات ہوگی۔“

”ارے ہاں سنا ہے کہ اس کے سسرال والوں نے یعنی کے میکے سے تمام رشتے داروں کو ویسے کی دعوت دی ہے۔“ تائی نے آنکھیں گھمائیں۔“

”ہاں بھی اچھے کھاتے پیتے لوگ لگتے ہیں۔“ سعیدہ بی نے حمایت کی۔

”مجھے تو بھابی..... وہ لوگ کافی نو دود لیتے ہی لگے..... لڑکے کی ماں نے خواہ مخواہ اتنا بھاری زیور لا در کھا تھا، اور میک اپ بھی چلپلاتا ہوا کر

رکھا تھا۔“ حمیرا چچی نے اپنا تجزیہ پیش کیا۔

”بھئی جسے خدا دے وہ کیوں نہ سونے میں پیلا ہو۔“ تائی نبیلہ نے رشک سے کہا۔

”اس حد تک تو ٹھیک ہے مگر مجھے تو اپنے ناز و انداز سے وہ کافی شوقین حرا عورت لگی، دولہا کی والدہ تو لگ ہی نہیں رہی تھی۔“

حمیرا چچی بولیں۔ ”بھئی جب خدا کھلا پیسہ دے اور ساتھ صورت شکل بھی ڈھنگ کی ہو تو ناز واداد خود بخود آ جاتے ہیں وہ مثل نہیں سنی تم نے کہ۔“

”غریب کی جو وسب کی دادی، اور امیر کو جو وسب کی بھابی۔“ تائی نبیلہ موقع محل کی مناسبت سے ضرب المثل برتنے میں اپنی مثال آپ تھیں، جمیر اچھی مسکرا دیں اور شجاعت بچا کے دوبارہ پکارنے پر خدا حافظ کہہ کر باہر نکلیں اور ان کے پیچھے نبیلہ تائی اور سعیدہ ممانی بھی باہر کی سمت چل دیں۔

http://kitaabghar.com ☆☆☆ http://kitaabghar.com

باقی تو تمام مہمان جا چکے تھے، مگر فلکی وغیرہ کے گھرانے کو خالہ نے بصد اصرار روک لیا تھا کہ اب عینی کی چوتھی چالوں کی رسمیں وغیرہ کر کے ہی گھر جانا، کامران بھائی نے آفس کا بہانہ کر کے گھر جانا چاہا تو خالہ نے انہیں بھی نہ جانے دیا، کہ یہاں سے تمہارا آفس زیادہ نزدیک پڑتا ہے۔ ناشتے کے بعد یہیں سے چلے جایا کرنا اور دوپہر کو آجایا کرنا، ان کے علاوہ خالہ کی ایک نند جو نکاح میں شمولیت کے لیے سکھر سے آئی ہوئی تھیں وہ بھی خالہ کے اصرار پر ٹھہر گئی تھیں، سب کو ہونے والی چائے کی طلب نسرین بھابی اور فلکی کو کچن میں لے گئی تھی، گھر میں عجب ہڑبونگ سی مچی ہوئی تھی، میز کرسیاں ادھر ادھر پڑی تھیں، قالین اور فرش پر گلاب کی پیتاں بکھری ہوئی تھیں۔ اور نمر اکمر کے گرد و پٹہ کس کے صفائی میں مشغول تھی، اور اس کے سنگھڑ ہاتھوں کی بدولت جلد ہی ہر چیز اپنے ٹھکانے پر آتی جا رہی تھی، امی اور خالہ اور خالو اور خالہ کی نند وغیرہ خوش گپیوں میں مشغول تھے جانے کون کون سے پرانے قصے دہرا کر قہقہے فضا میں رس گھول رہے تھے۔ جبکہ نشو اور خالہ کی بیٹی اسماء سب کے لیے بستر ٹھیک کر رہی تھیں۔

عفی کو دو روز بعد اپنی ڈیوٹی جوائن کرنے بلوچستان جانا تھا۔ سو وہ اپنے کمرے میں آ کر اپنی ڈائری میں ان ضروری چیزوں کا اندراج کرنے لگا جو اسے اپنے ہمراہ لے جانی تھیں تاکہ کوئی ضروری چیز رہ نہ جائے۔ اس کام سے فارغ ہو کر اس نے اپنی ڈائری بند کر کے سٹڈی ٹیبل کی دراز میں ڈالی، اور اپنے بستر پر آ کر بیٹھ گیا۔

فراغت کے لمحات میسر آتے ہی اچانک اسے اپنی جیب میں پڑے اس پرچے کا خیال آیا جو اسے نشو نے دیا تھا۔ اس نے جھٹ جیب میں ہاتھ ڈال کر تہہ شدہ کاغذ باہر نکالا اور اسے کھول کر بغور پڑھنے لگا۔ جیسے جیسے اس کی نظریں تحریر سے پھسلتی جا رہی تھیں اس کے چہرے کا رنگ متغیر ہوتا جا رہا تھا.....

انکا

انکا..... چھ انچ کی گڑیا، ایک قتالہ عالم، آفت کی پڑیا۔ پراسرار قوتوں کی مالک، خوش قسمتی کی دیوی، جس کے حصول کے لیے بڑے بڑے پجاری اور عالم سر توڑ کوششیں کرتے تھے۔ ایک ایسی داستان جس نے سالوں تک پراسرار کہانیوں کے شائقین کو اپنے سحر میں جکڑے رکھا۔ انکا..... اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ بہت جلد کتاب گھر پر جلوہ افروز ہو رہی ہے۔

باب-5

کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

<http://kitaabghar.com><http://kitaabghar.com>

غنی نے پرچہ چُر مُر کر کے اتنی زور سے اپنی مٹھی میں دبایا کہ ہتھیلی کی پشت پر نیلی رگیں ابھر آئیں، ساتھ ہی دوسرے ہاتھ کا مکہ بنا کر اس نے زور سے میز پر مارا اور پھر وہ مڑا تڑا کاغذ ٹیبل پر رکھ کر دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے اپنی کپٹیاں دبائیں اور آنکھیں بند کر کے خود کو ریلیکس کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس پرچے پر لکھی تحریر نے اسے سچ مچ اندرتک سے ہلا ڈالا تھا۔ وہ کبھی یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ..... نشو..... کہ نشو..... کہ..... اف..... ف..... ف.....

<http://kitaabghar.com><http://kitaabghar.com>

اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا، کیا کرے وہ؟؟؟

شدید بے چینی کے عالم میں کرسی سے اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ وہ عجب تذبذب کا شکار تھا۔

کیا اس تحریر کو ایک معصوم سی خطا سمجھ کر نظر انداز کر دے؟ یا پھر سرکش اور منہ زور جذبیوں کی سرکوبی ضروری ہے۔ جذبات کی ہلکی پھلکی لہریں بالآخر کبھی نہ کبھی کسی بڑے طوفان کا روپ بھی دھار سکتی ہیں اور پھر..... پھر..... یہ طوفان کچھ نہیں دیکھتا، سب کچھ اپنے ساتھ خس و خاشاک کی مانند بہا کر لے جاتا ہے، آن واحد میں سب کچھ ملیا میٹ ہو کر رہ جاتا ہے اور پیچھے..... تباہی کے نشانات کے علاوہ کچھ بھی باقی نہیں رہ جاتا، تب ہی دل میں ایک فیصلہ کر کے اس نے کمرے کا دروازہ کھولا اور خاموشی سے باہر چلا آیا۔ سامنے ہی مہمانوں کے لیے بستر بچھاتی اسے نشو نظر آگئی چہرے پر قدرے خنکی کے آثار اور آنکھوں میں ناراضگی کا تاثر لیے وہ نشو کے سر پر جا پہنچا۔

”نشو.....“ آواز پر نشو نے نظریں اٹھا کر اوپر دیکھا تو غنی بھائی کے بھنے بھنے لب، پتھر یلا چہرہ اور سرد لہجہ اسے اندرتک سے سہا گیا۔

”نشو..... تمہارا کام ختم ہو جائے تو ذرا میرے کمرے میں آنا۔“

”جی..... جی.....“ نشو محض ہکا کر رہ گئی تھی اور وہ حکم حاضری دے کر پلٹ بھی گئے تھے اور نشو گم صم انھیں ان کے کمرے کی طرف بڑھتا دیکھ رہی تھی۔

”آج تو خدا خیر ہی کرے“ نشو نے بستر کی شکن آلود چادر درست کرتے ہوئے سوچا۔ آج اس نے پہلی بار غنی بھائی کا یہ روپ دیکھا تھا، دوسرے کی رگوں میں خون سرد کر دینے والا ان کا لہجہ سنا تھا اور نہ اس سے پہلے تو انھیں ہمیشہ ہنستے کھلکھلاتے ہی پایا تھا۔

وہ تو خاندان بھر میں انتہائی ٹھنڈے مزاج کے، بلا کے شیریں گفتار اور بے حد خوش خلق مشہور تھے۔ بزرگوں کے پسندیدہ، نوجوان لڑکیوں کے آئیڈیل اور بچوں کے من پسند ”ہیرو“ تھے۔

اور پھر نشو..... نشو کے لیے تو وہ..... جانے کیا سے کیا ہو گئے تھے۔ اس سے بے حد پیار بھی تو کرتے تھے وہ..... بے حد لاڈلی بہن تھی وہ

ان کی..... خالہ زاد ہونے کے باوجود..... وہ اپنی سگی بہنوں سے بڑھ کر عزیز تھی انھیں۔ بچپن میں کتنی ہی بار اپنی گود میں کھلایا تھا اسے۔ اسی کی زبان میں تتلا کر باتیں کی تھیں اس سے، اپنے کاندھوں پر بٹھا کر سیر کرائی تھی، گھوڑا بن کے اپنی پیٹھ پر لا دے پھرے تھے۔ اپنی طرف سے گھڑ کر کہانیاں سناتی تھیں۔ اس کی ہر فرمائش لپک جھپک کر پوری کیا کرتے..... اور ابھی تک بھی بالکل بچوں کی طرح ٹریٹ کرتے تھے اسے۔

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

بالکل اچانک ہی..... اب آ کر ان کے اس انداز نے نشو و نما کر رکھ دیا تھا۔ وہ اپنی اس کیفیت کو کوئی نام دینے سے قاصر تھے..... اب جب کہ وہ..... عنوانِ شباب کی حدود کو چھو رہی تھی، سوچ کے زاویے بدل رہے تھے۔ نگاہوں کے مناظر تبدیل ہو رہے تھے۔ ہوائیں اس کے بالوں کو چھو کر اٹھکھیلیاں کرنے لگی تھیں، پھول جھوم جھوم کر اسے انجانے سندیے سنار ہے تھے، تو دل کی مدھرتان پر اس کی دھڑکنیں جو گیت گنگنا اٹھی تھیں..... اس کی بازگشت کا گلہ گھونٹنا اب اس کے بس کی بات نہیں رہی تھی۔

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

کیسے سنائے وہ یہ گیت.....!!

ہوائیں جو پیغام اسے سناتی ہیں

وہ راز کی بات کسے بتائے جا کر

غنی بھائی..... غنی بھائی..... دل ان سے شیر کرنے کو چل اٹھا۔ سب سے زیادہ انھیں کے تو قریب تھی وہ..... اور پھر وہی تو متعلقہ بھی بندہ تھے۔ وہ ضرور اس کی یہ فرمائش بھی پوری کر دیں گے۔ ہاں بالکل..... وہ اگر بوتل میں ہاتھی بند کرنے کی ضد بھی کرتی تو وہ یقیناً کسی نہ کسی طرح یہ بھی کر گزرتے اور یہ معاملہ تو خود ان کے اپنے ہاتھ میں تھا..... تبھی تو اس نے کاسرے سوال دراز کر دیا تھا، مگر..... مگر آج یہ کیسی تپش تھی غنی بھائی کے لہجے میں.....؟

”خیر میں کوئی نہیں ڈرتی ورتی غنی بھائی سے۔“ اس نے حوصلے کی گرتی ہوئی دیوار کو تھاما۔

”کون سا گناہ کر دیا ہے میں نے؟“ صرف اپنی زندگی کی ایک حقیقت سے ہی تو آگاہ کیا ہے انھیں، اور سچائی سے منہ موڑنا بھلا کہاں کی دانشمندی ہے.....!! اور اگر اتنی سی بات پر غنی بھائی خفا ہوا کرتے ہیں تو میری بلا سے۔“ اس نے لا پرواہی سے سر جھٹکا اور انھوں نے کامران بھائی سے شکایت کر دی تو.....؟

دل میں ایک اندیشے نے سرا بھارا۔

”خیر دیکھا جائے گا تب.....“ سوچوں کے تانے بانے بنتی نشو و نما لگانے کے بعد جو بھل ذہن اور مرے مرے قدموں سے چلتی غنی بھائی کے کمرے کی جانب بڑھی، آگے ٹی، وی لاؤنج میں خالہ کی نند کی دونوں بیٹیاں بیٹھی نہایت انہماک سے ٹی وی پر کوئی ایکشن مووی دیکھنے میں مصروف تھیں جبکہ ان کے قریب ہی بیٹھی نمر اپنا جیولری باکس کھولے کل شام ویسے کی تقریب میں پہننے کے لیے کپڑوں کے ساتھ کی میچنگ جیولری تلاش کر رہی تھی، نشو و نما قدموں آگے بڑھ گئی مبادا وہ اسے مشورے کے لیے پکار بیٹھے۔

احمر بھائی اور کامران بھائی شاید کسی کام سے باہر کہیں گئے ہوئے تھے۔ جبکہ امی، خالہ اور ان کے نندا اور نندوئی خالہ ہی کے کمرے میں محفل جمائے ہوئے تھے، پان چھالیہ کا دور چل رہا تھا اور نہ جانے کون کون سے قصے چھڑے ہوئے تھے۔

”نشو.....! ذرا یہ چائے تو غفی کو پکڑا آنا۔“ بھائی نے کچن سے نکل کر گرم بھاپ اڑاتی چائے کی پیالی اسے تھادی اور نشو نے دوبارہ قدم آگے بڑھا دیے اور سامنے ہی غفی بھائی کا کمرہ آ گیا تھا۔

نشو نے دوپٹہ سلیقے سے شانوں پر پھیلا یا اور اک گہرا سانس لے کر اپنا زائل ہوتا ہوا اعتماد بحال کرنے کی کوشش کرتے ہوئے دروازے پر دستک کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا ہی تھا کہ غفی بھائی کی گھمبیر آواز سنائی دی۔

”اندر آ جاؤ.....“ شاید انھوں نے دروازے پر اس کے قدموں کی آہٹ پالی تھی، دھڑکتے دل کے ساتھ نشو اندر داخل ہوئی اور سٹڈی ٹیبل کے سامنے کرسی پر بیٹھے غفی بھائی کی سمت چائے کی پیالی آگے بڑھائی۔ ”آپ کی چائے غفی بھائی.....“

”میز پر رکھ دو.....“ انھوں نے اس کی طرف دیکھے بغیر ہی روکھے لہجے میں جواب دیا اور اس کا رہا سہا اعتماد بھی ساتھ چھوڑنے لگا۔ چند لمحات یونہی خاموشی کی نذر ہو گئے۔

غفی بھائی کسی فائل پر جھکے اپنے آپ کو بے حد مصروف ظاہر کرتے رہے اور وہ یونہی کھڑی ان دیکھے اندیشوں میں گہری لرزتی رہی تب اسی نے ہمت کر کے ساکن جھیل میں کنکر پھینکا۔

”آپ نے بلایا تھا غفی بھائی.....؟“ اس نے ڈرتے ڈرتے سوال کیا۔

تب غفی نے کاغذ پر چلتا قلم روک کر جن نظروں سے اسے دیکھا تھا، وہ انداز نشو کے ہوش گم کر دینے کو کافی تھا۔

”کیا تمہیں نہیں معلوم کہ تمہیں کیوں بلایا گیا ہے؟ واقعی اتنی کمسن اور بھولی ہو تم؟؟؟“ ان کی نگاہوں میں یہی سوال تو پنہاں تھا جسے پاکر جواباً نشو نے سر جھکا لیا تھا۔ تب غفی بھائی نے کاغذ کا وہ شکن آلود پرچاس کی سمت بڑھایا۔

”یہ کیا ہے نشو.....؟!“ انھوں نے گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھ کر سوال کیا۔ مگر اس بار انداز بہت پرسکون تھا۔ جواباً نشو چپ چاپ کھڑی اپنی کلائی میں پڑی چوڑیوں سے کھیلتی رہی۔

”میں پوچھ رہا ہوں..... یہ کیا گھنیا پن ہے؟؟؟“ انھوں نے کاغذ کا پرچاس کی آنکھوں کے سامنے لہرا کر قدرے بلند آواز میں پوچھا۔

”کیا تم سن رہی ہو؟ بولتی کیوں نہیں اب!! بہری ہو گئی ہو کیا؟“ انھوں نے قدرے چلا کر کہا مگر اس احتیاط سے کہ آواز کمرے سے باہر نہ جائے۔

”جی سن رہی ہوں.....“ نشو نے سر اٹھا کر نہایت پرسکون انداز میں جواب دیا۔

غفی بھائی اس کا یہ انداز دیکھ کر شٹنا سے گئے، اس کے چہرے پر کسی قسم کا کوئی خوف یا ندامت کے کوئی آثار نہ تھے، بلکہ اس کا رویہ اس کے حد درجہ پر اعتماد ہونے کی چغلی کھارہا تھا۔

”پھر بتاتی کیوں نہیں کہ یہ سب کیا ہے؟“ غفی بھائی غرائے۔

”محض جذبات کا اظہار.....“ وہ اس خود اعتمادی سے بولی۔

”اور جذبات کوئی مجرم نہیں ہوتے غشی بھائی کہ انھیں بیڑیاں پہنا کر، بندشوں میں جکڑ کر، پابند سلاسل کر دیا جائے۔ یہ تو خوشبو کی طرح ایک من کے آنگن سے نکل کر دوسرے من کے آنگن میں پھیل جایا کرتے ہیں، محبت کے بخارات بادلوں کا روپ دھار کر جب کسی کے دل کی بنجر زمین پر پھوار کی طرح چپکے سے برس جاتے ہیں تو دوسرے کو اس وقت پتا چلتا ہے جب خشک و بنجر زمین سے چاہت کی ہری بھری کوئلیں پھوٹ پڑتی ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے گہری جڑ پکڑ لیتی ہیں۔“

”جسٹ شٹ اپ.....“ غشی بھائی کا چہرہ غصے کی حدت سے دھک اٹھا تھا اور وہ کرسی چھوڑ کر کھڑے ہو گئے۔

”یہ صلہ دیا ہے نشوونما نے میرے لاڈ پیار کا۔ مجھے بے حد افسوس ہوا۔ لگتا ہے ان دنوں پڑوسی ملک کی فلمیں بہت دیکھنے لگی ہو، یا پھر کسی گھٹیا ترین مصنف کا کوئی ناول تمھارے ہاتھ لگ گیا ہے..... یا پھر کسی نیچے شاعر کا مجموعہ کلام ان دنوں تمھارے زیر مطالعہ ہے، ورنہ تم..... ایسی بچی تو نہیں تھیں۔“

”بچی.....؟“ نشوونما استہزاء سے ہنسی ہنسی دی، ”میں بچی نہیں رہی غشی بھائی، دسویں جماعت کی سولہ سالہ وہ طالبہ ہوں جسے اب امی چادر اوڑھ کر اسکول جانے کی تاکید کیا کرتی ہیں، اور جو کورس کی کتابیں پڑھنے کے علاوہ نصاب عشق کے اسرار و رموز سے بھی واقف ہو چکی ہے۔ آپ اسے ابھی تک بچی سمجھتے ہیں..... حیرت ہے۔“

”مگر یاد رکھو نشوونما..... جو تم چاہتی ہو وہ کبھی نہیں ہو سکتا، سنا تم نے؟“

غشی بھائی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس حد درجہ ڈھٹائی، بے شرمی اور اس بدزبانی پر اسے کچا ہی چبا جاتے۔

”کسی بھی بلند و سرکش پہاڑ کی چوٹی کو سر کرنے کے لیے پہلا قدم اٹھانا ہی اولین شرط ہوا کرتی ہے عفان احمد عثمانی صاحب.....! ورنہ تو حوصلوں کو سلامی دینے کے لیے کبھی کبھی خود بلندیاں ہی قدم چومنے کو جھک جایا کرتی ہیں۔“ وہ اس کے مد مقابل آ کر مسکرائی..... ”امپاسمیل.....“

غشی نے اپنے جڑے بھینچے اور وہ پرچہ پرزہ پرزہ کر کے اس کے سامنے ہوا میں اچھال دیا۔ ”گیٹ لاسٹ۔“

”نو پرایلم.....“ وہ بڑے ضبط سے پھر مسکرا دی۔

”آپ بے شک اپنے دل کے آنگن کا دروازہ مضبوطی سے بند کر لیجئے..... اور اس پر جتنے مرضی پہرے دار بٹھا لیجئے۔ مگر یاد رکھیے۔ میں بھی پکی چورنی ہوں..... نقب لگا کر اندر گھس آؤں گی۔“ اس کی کا جل لگی آنکھوں میں کھلا چیلنج تھا۔ اب غشی کا ضبط جواب دے بیٹھا تھا۔

”نشوونما سے پہلے کہ میں تمھیں مار بیٹھوں..... چلی جاؤ یہاں سے..... ورنہ مار مار کر دماغ سے عشق کا بھوت اتار دوں گا۔ سمجھی؟“ غشی نے انگلی اٹھا کر تنبیہ کی، غصے کی شدت سے اس کی ناک کے نتھنے پھڑک رہے تھے۔

”ہونہہ.....“ نشوونما نے ایک نظر غشی پر ڈالی اور پلٹ کر دروازے کی سمت بڑھ گئی اور تملاتا ہوا غشی اس کی پشت پر پڑی سیاہ چوٹی کو بل کھاتے دیکھتا رہ گیا اور وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

”سنو سنو.....!“ نمرانے اسے تیز قدموں سے کمرے کی سمت جاتے دیکھا تو پکار لیا۔

”تم کل کیا پہنو گی؟“

”کپڑے.....“ جواب دینے کے دوران بھی نشو و ہاں رکی نہیں اور سیدی آ کر دوش روم میں بند ہو گئی، آخر آنسوؤں کی صورت دل کا غبار بھی تو نکالنا تھا کہیں۔

”کبھی کسی بات کا ڈھنگ سے جواب نہیں دیتی یہ لڑکی۔“ نمرانے سوچا۔

☆☆☆

بیگم سلمیٰ شوکت کی بے قراری بام عروج پر ہے اور وہ شدید بے چینی کے عالم میں ہاتھ مسلتی ہوئی کمرے میں ٹہل رہی ہے، کبھی سائڈ ٹیبل پر پڑا موبائل فون اٹھا کر بار بار کوئی نمبر ڈائل کرتی ہے اور پھر جواب نہ ملنے پر مایوسی سے سر ہلا کر رہ جاتی ہے۔

صبح سے ضمیر خان گھر نہیں آیا اور موبائل بھی اٹینڈ نہیں کر رہا۔

”پتا نہیں کہاں ہے وہ.....؟ خدا میرے بچے کی حفاظت کرے.....“ دل ہی دل میں دعا مانگ کر وہ گالوں پر آنے والے آنسو انگلی کی پور سے صاف کرتی ہے اور بیڈ کے کونے پر ٹک جاتی ہے۔

گھڑی کی سوئیاں رات کے بارہ بجنے کا اعلان کر رہی ہیں۔ سلمیٰ شوکت کسی گہری سوچ میں غلطاں ہے۔

چہرے سے الجھن مٹ رہی ہے۔ آخر کسی نتیجے پر پہنچ کر پاس پڑے ٹیلی فون سیٹ کی طرف ہاتھ بڑھاتی ہے، پھر کچھ سوچ کر سائڈ ٹیبل کی دراز کھول کر اس میں سے ڈائری باہر نکالتی ہے اور اس چھوٹی سی ڈائری میں سے چند نمبرز پر نشان لگا کر ایک نمبر ڈائل کرتی ہے دوسری طرف سے کسی نے فون اٹھا کر کہا۔

”ہیلو.....!“

”جی میں بیگم شوکت خان بول رہی ہوں، سوری اس وقت آپ کو زحمت دی، دراصل پتہ کرنا تھا کہ زین..... میرا مطلب ہے ضمیر خان تو ادھر نہیں آیا؟“

”نہیں جی..... اس وقت نعیم بھی موجود نہیں ہے۔“ دوسری طرف سے نفی میں جواب پا کر بیگم شوکت کے چہرے پر مایوسی پھیل گئی۔

”جی..... اچھا جی..... میں تو سمجھی تھی کہ زین، نعیم کی طرف گیا ہوا ہے۔ کمپانیڈ اسٹڈی کے لیے..... مگر آپ نے بتایا کہ نعیم بھی گھر پر نہیں ہے تو ہو سکتا ہے کہ دونوں مل کر کسی تیسرے دوست کے ہاں بیٹھے پڑھائی کر رہے ہوں۔“

”آپ کسی اور دوست کے ہاں پتہ کر لیں۔“ دوسری طرف سے کہا گیا۔

”چلیے میں پتا کر لیتی ہوں..... اوکے اللہ حافظ۔“

لائن ڈسکنٹ کرنے کے بعد وہ دوسرا نمبر ڈائل کرتی ہے اور پھر تیسرا..... اس کے بعد چوتھا۔ مگر ہر جگہ سے ضمیر خان عرف زین کے بارے میں لاعلمی کا اظہار اسے تشویش میں مبتلا کر جاتا ہے۔

”اف.....! اور تو مجھے اس کے کسی دوست کا علم نہیں۔ کہاں پتا کروں؟“ وہ اضطرابی کیفیت میں ہاتھ مسلتی ہے، روز بروز قابو سے باہر ہوتا جا رہا ہے یہ لڑکا..... اور یہ شوکت خان..... وہ بھی اتنی رات گئے نہ جانے کون سی بزنس میٹنگ میں مصروف ہے۔ جانے کس سے فون پر بات کر رہا تھا کہ آج رات اسے مال اٹھانا ہے، سمجھ میں نہیں آتی کہ آخر ایسا کون سا مال ہے، جو اتنی پردہ نشینی کے سبب صرف رات کے اندھیرے میں ہی ڈیرے پر اترتا ہے۔“ بکھرے کہہ کر ایک روز اس ”مال“ کا سراغ نہ لگوایا تو میرا نام بھی سلی خاوانی نہیں، تو بھی کیا یاد کرے گا شوکت خان۔“ سلی کے چہرے پر حسد کے جذبات نمایاں ہو کر فوراً ہی تشویش کے سانچے میں ڈھل گئے۔

”آخر زین کہاں رہ گیا؟ گھر فون تک بھی نہیں کیا اس نے نہ خود موبائل اٹینڈ کر رہا ہے۔ سچ کہا کسی نے جیسا باپ ویسا بیٹا۔ میری زندگی تو ان دونوں نے ہی عذاب کر رکھی ہے۔“ تب وہ ٹھنڈی آہ بھر کے دوبارہ موبائل اٹھا کر ایک نمبر ڈائل کرتی ہے۔

”خان جی..... کہاں ہیں آپ؟ کب سے آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔“ دوسری طرف سے فون اٹینڈ ہوتے ہی شکوہ آپ ہی آپ اس کی زبان سے پھسل گیا۔

”کیوں..... کیوں ایمر جنسی نافذ ہو گئی ہے کیا؟“ شوکت خان کی تیوری پر بل آ گیا۔

”وہ..... دراصل آج ضمیر خان ابھی تک گھر نہیں آیا.....“ سلی بیگم نے قدرے ہچکچاہٹ کے ساتھ بتایا۔

”اوہو..... اچھا..... ورنہ میں تو سمجھا تھا کہ شاید آگ وغیرہ لگ گئی گھر میں۔“ شوکت خان طنزیہ لہجے میں بولا۔ پھر یکدم غرایا۔

”بھئی تمہیں تو پریشان ہونے کا بہانہ چاہیے۔ ہر سہولت دی ہے تجھے گھر میں، مگر تجھے پھر بھی چین نہیں۔ نہ کسی اور کو چین لینے دیتی ہے جاہل عورت۔ ہر وقت میری تفتیش میں لگی رہتی ہے۔ اگر زین ابھی تک گھر نہیں پہنچا تو اس میں اتنا گھبرانے والی کیا بات ہے۔ لڑکا بالابالا ہے، جوان خون ہے، کہیں یار دوستوں کی محفل میں گھرا مستیاں کر رہا ہوگا۔ اب وہ کوئی لڑکی تو ہے نہیں کہ ہر وقت تیرے گوڈے سے چسپی گھر میں بیٹھی رہے۔ صبح تک خود ہی آ جائے گا فکر نہ کرو اور لمبی تان کے سو جا۔“ شوکت خان نے بے نیازی سے کہا۔

”مگر خان جی..... سو بچن سو دشمن ہوتے ہیں خدا نخواستہ.....“

”او..... کبھی اچھی بات نہ نکالنا اپنے منہ سے، ہمیشہ اپنی میچنگ بات ہی کرنا۔ ہونہہ..... نہ منہ اچھا نہ بات سوتی۔“ شوکت خان کا پارہ ہائی ہو گیا۔ ”کچھ نہیں ہوتا اسے..... تو بے فکر رہ..... اور ہاں آج رات میرا انتظار مت کرنا۔ مجھے خاصی دیر ہو جائے گی۔ بلکہ شاید اب، میں صبح کو ہی گھر آؤں۔“ شوکت خان نے اطلاع کا پتھر مار کر کال اینڈ کر دی اور سلی بیگم ٹھنڈی آہ بھر کر رہ گئیں۔

”جانتی ہوں شوکت خان تیری مصروفیت کو بھی اور اب ضمیر خان بھی تیرے ہی نقش قدم پر بے تھے تیل کی طرح دوسروں کی کھیتیاں اجاڑتا پھر رہا ہے۔ تیرے ہی ضرورت سے زیادہ لاڈ پیا اور دی گئی ڈھیل نے زین کو بگاڑ کے رکھ دیا ہے۔ مگر یاد رکھنا شوکت خان ضمیر کو میں بے ضمیر شوکت خان نہیں بنے دوں گی۔ درندے کو سدھار کر اپنے اشاروں پر نچانے کے لیے اب مجھے بجلی کا ہتھ اٹھانا ہی پڑے گا۔“ اس نے سوچا۔ مگر فوراً ہی اس کی سوچ کا رخ بدل کر تشویش کے پیرائے میں ڈھل گیا۔ ”ضمیر خان..... کاش تو لڑکی ہی پیدا ہو جاتا۔ کم از کم میری نظروں کے سامنے میرے زیر تربیت تو رہتا، مگر کوئی فائدہ نہیں، باپ بھائی کا کیا تیرے آگے آتا تو.....؟

گھڑی کی سوئیاں رات کے ساڑھے بارہ بجے کا پتا دے رہی تھیں اور شدید بے بسی کے عالم میں سلمیٰ بیگم دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر سسکیاں بھرنے لگیں۔

☆☆☆

لیز نے میراب کو ایک ٹیکسی اسٹینڈ پر ڈراپ کر دیا۔ اگرچہ لیز اسے جدا ہونے کو اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔ مگر مجبوری تھی۔ آخر کو اسے گھر بھی تو جانا تھا، سو دل پر صبر کی سل رکھ کر لیز اگلے لگایا اور رات کو کلب آنے کا وعدہ کر کے اس کی پیشانی چومی اور ایک ٹیکسی کی طرف بڑھ گیا۔ ٹیکسی ڈرائیور جو کہ ایک خوب روڑی تھی اور پینٹ کوٹ کے اوپر پی کیپ لگائے مستعدی سے آگے بڑھی اور میراب کے ساتھ سے سوٹ کیس تھام کر کار کی ڈگی میں رکھا اور جلدی سے آکر ٹیکسی کا دروازہ کھولا اور میراب کے سیٹ سنبھالتے ہی چابکدستی سے دروازہ بند کر کے فوراً دوسری جانب سے آکر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

”کہاں جائیں گے سر؟“ بیٹھے ہی اس نے سوال کیا۔ میراب جو دل ہی دل میں اس کی بے پناہ حسرتی کا قائل ہو گیا تھا اسے اپنے گھر کا ایڈریس سمجھانے لگا۔

مختلف کشادہ سڑکوں سے ہوتی ہوئی ٹیکسی بالآخر ایک گیٹ کے سامنے جا کر گیٹ کھلا ہوا تھا اور سامنے لان کا مختصر سا منظر نمایاں تھا۔ لڑکی سے سوٹ کیس پکڑ کر میراب نے اسے کرایہ ادا کیا اور سوٹ کیس تھام کر گیٹ کی سمت بڑھا۔ سرخ اینٹوں کی روش پر چلتے ہوئے مختصر سالان عبور کر کے جب وہ گھر کے داخلی دروازے تک پہنچا تو اس سے پہلے کہ وہ دستک دیتا، یا اطلاع گھنٹی بجاتا، یکدم ہی دروازہ کھلا اور میراب حیران رہ گیا سامنے ہی پھولدار ساری میں بالوں کا سادہ سا جوڑا لپیٹے می گھڑی تھیں۔ اس کے دیکھتے ہی ان کے لبوں پر دلاویز تبسم پھیل گیا اور انہوں نے اپنے بازو اس کے لیے وا کر دیے میراب بھی سوٹ کیس زمین پر رکھ کر ان سے جالپٹا۔

”مئی آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ دروازے پر میں موجود ہوں؟“ میراب پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔ جواباً مئی مسکرائیں۔

”بھئی یہ بات تو ایک عورت خصوصاً ماں ہی بہتر جان سکتی ہے کہ شاید قدرت نے اس کے اندر کوئی ایسا مخصوص نظام نصب کر رکھا ہے کہ جو اسے اس کی اولاد کے بارے میں مکمل آگاہی دیتا ہے، مگر تم یہاں کھڑے کھڑے ہی سوال و جواب کرتے رہو گے یا اندر بھی چلو گے۔ تب وہ مئی کی تقلید میں آگے بڑھ گیا۔

”ینگ مین..... السلام علیکم.....“ دونوں ماں بیٹا کی آواز سن کر فریدی انکل بھی اندر سے نکل آئے اور آگے بڑھ کر بڑے خلوص سے میراب کو اپنے بازوؤں کے حلقے میں لے لیا۔ سلام کا جواب دینے کے بعد مجبوراً میراب کو ان سے بھی بغلیں ہونا پڑا۔ انکل فریدی نے ایپرن باندھا ہوا تھا، اور ان کے وجود سے مختلف مسالوں کی ملی جلی خوشبو آ رہی تھی۔

”لگتا ہے آپ سیدھا کچن سے آرہے ہیں۔“ میراب نے مسکرا کر ان کے ہاتھوں کی طرف دیکھا وہ بے دھیانی میں کفگیر ہاتھ میں تھامے یونہی چلے آئے تھے۔

”اوہ..... آج میں تمہیں اپنے ہاتھ کی بیکڈ ٹراؤٹ کھلاؤں گا اور ساتھ ہی مزیدار رس بھری پڈنگ، انگلیاں چاٹتے رہ جاؤ گے برخوردار۔“ انگریزی لب لہجہ میں انکل کو اتنی گاڑھی اردو بولتے سن کر میراب مسکرائے بنانہ رہ سکا۔ ممی کی طویل رفاقت نے بالآخر اپنا اثر دکھانا شروع کر دیا تھا۔

”یہ مومو اور تارو نظر نہیں آ رہیں۔“ دفعتاً میراب کو اپنی دونوں بہنوں کا خیال آیا۔

”مومو کی تو آج کل ایکسٹرا کلاسز ہو رہی ہیں جب کہ تارو نے ان دنوں جوڈو کراٹے سکھانے والا ایک کلب جوائن کر لیا ہے۔ بس اب تو اسے بلیک بیلٹ ملنے میں کچھ ہی عرصہ باقی رہ گیا ہے۔“ ممی نے خوش دلی سے اسے تفصیل بتائی۔

”تم پہلے یوں کرو کہ اپنا سامان اس کمرے میں رکھ کر منہ ہاتھ دھو کر فریش ہو جاؤ تب گپ لگائیں گے۔“ اور میراب سویٹ کیس کا سٹرپ کھینچتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

جب تک میراب نہا دھو کر کھانے کی ٹیبل پر آیا تو مومو اور تارو بھی واپس آ چکی تھیں، دونوں میراب سے مل کر بے حد خوش ہوئی تھیں مگر انہیں فلکی سے ملنے کا بے حد شوق تھا اور وہ میراب کے ہمراہ اپنی بھابی کو نہ پا کر کچھ مایوس اور افسردہ سی تھیں، انہوں نے اپنے فرینڈز میں یہ اعلان بھی کر دیا تھا کہ غنقریب ان کی پاکستانی بھابی ان سے ملنے امریکہ آ رہی ہیں تب وہ اسے اپنی سب دوستوں سے ملوائیں گی۔ مگر پھر ممی نے انہیں یہ کہہ کر تسلی دی تھی کہ ان کی فلکی بھابی بہت جلد ایک ننھے منے سے بے بی مہمان کے ہمراہ ان سے ملنے امریکہ آئے گی، ہے ناں میراب؟؟؟ ممی نے تصدیق طلب نظروں سے میراب کی طرف دیکھا جو دھواں ہوتے چہرے کے ساتھ گم صم بیٹھا خلاؤں میں دیکھ رہا تھا۔

”میرا..... انکل“ ممی نے پلیٹ کے کنارے پر کاٹنا بجا کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

”آ..... آں.....“ وہ چونک اٹھا۔

”جی.....؟“

”کچھ نہیں مائی سن، تم کھانا شروع کرو۔“ فریدی انکل نے اس کا شانہ تھپتھا کر سلاڈ کی ڈش اس کی طرف بڑھائی۔ ”بھی ابھی سے تو اسے فلکی کی یاد مت دلاؤ، ورنہ اتنے دن امریکہ میں کیسے گزار پائے گا۔“ انہوں نے مسکرا کر ممی کو تنبیہ کی۔

”انکل فز واقعی بے حد لذیذ ہے۔“ میراب تعریف کیے بغیر نہ رہ سکا۔

”واقعی.....“ انکل نے بچوں کی طرح خوش ہوتے ہوئے بے یقینی سے پوچھا۔

”Sure“ میراب نے یقین دلایا۔

”ابھی تو تم نے ان کے ہاتھ کا آلمنڈ سو فلی اور میٹکو پڈنگ نہیں چکھی، ورنہ باقی تمام ڈائٹے بھول جاتے۔“ ممی نے پیار بھری نظروں سے انکل کی طرف دیکھا۔

”مگر انکل آپ کھانا وغیرہ بنانے میں اتنے ماہر ہوئے کیسے؟“ میراب سوال کئے بن نہ رہ سکا۔

”بھئی ویسے تو تمہاری ماں ہی گہرداری سنبھالتی ہے مگر جب اس کی ڈیوٹی روٹین کافی ٹف ہو تو پھر میں بھی کچن دیکھ لیتا ہوں۔ ویسے مجھے کھانے میں کافی کچھ بنانا آتا ہے، چونکہ جب میں شادی سے پہلے گھر میں تنہا رہتا تھا۔ تب بھی اپنے لیے خود ہی کھانا پکاتا تھا۔“

”کیوں آپ کی کوئی گرل فرینڈ نہیں تھی کیا؟“ بے ساختہ میرا کہہ بیٹھا اور پھر دل ہی دل میں خود کو ملامت کرنے لگا کہ کیا ضرورت پڑی تھی اسے بھلا انکل سے اتنی بے تکلفی جھاڑنے کی، مگر انکل اس کے اس جملے میں بڑے محفوظ ہوئے۔ ”کوئی ایک گرل فرینڈ؟؟؟“

”بے شمار لڑکیاں میری دوست رہ چکی ہیں مگر اتفاق سے ان سب کے لیے بھی کھانا مجھ غریب کو ہی پکانا پڑتا تھا۔“ انکل نے بے چارگی سے شانے اچکائے۔

”تو کوئی سلیقہ شعار دوست بنانی تھی ناں۔“ ممی نے مسکرا کر شرارت سے انکل کو چھیڑا۔

”کیا کرتا؟ کوئی تم جیسی ملی ہی نہ تھی، اور جب ملی تو کھٹ سے میں نے شادی کی آفر کر ڈالی۔“

”اور اب ان کے لیے بھی کھانا آپ کو ہی پکانا پڑتا ہے۔“ مومو جواب تک خاموش بیٹھی تھی بے ساختہ بول اٹھی اور اس پر سب کا مشترکہ قہقہہ پڑا۔

”بھئی کیا کریں اسے کہتے ہیں قسمت۔“ انکل نے خُش سے کانٹا الگ کرتے ہوئے بے چارگی سے کہا۔

”جی نہیں پاپا بلکہ بد قسمت.....“ اس بارتا رانے نکل اگایا۔

اور فضا میں دوبارہ قہقہے کی پھل پھڑی سی چھوٹ پڑی۔ دفعتاً ممی کو کچھ خیال آیا۔

”میرو..... تمہاری فلائٹ تو اب سے چار گھنٹے پہلے آئی تھی ناں، پھر تم اتالیٹ.....؟؟“

”وہ دراصل ممی.....“ لقمہ میرا ب کے حلق میں ہی پھنس کر رہ گیا۔ جسے بمشکل تمام پانی کے گھونٹ سے اپنے اندر اتارنے کی کوشش میں اسے اچھو لگ گیا۔

”ریلیکس..... مائی سن ریلیکس.....“ فریدی انکل نے اس کی پیٹھ چھکی۔

”وہ دراصل ایئر پورٹ پر ایک پرانا دوست مل گیا تھا کالج کے زمانے کا۔ وہ مجھے کافی پلانے اپنے ساتھ لے گیا تھا۔“ میرا ب کو فوراً ہی بہانہ سو جھ گیا۔

”اور تم اس کے ساتھ مسلسل تین گھنٹے تک کافی ہی پیتے رہے تھے۔“ ممی معنی خیز انداز میں مسکرائیں۔

”آخر ایسا کون سا دوست ہے تمہارا جسے میں نہیں جانتی، نام بتانا پسند کرو گے اس کا۔“ ممی کی سرونگاہیں میرا ب کو اپنے وجود میں اترتی محسوس ہوئیں۔ ماحول یکدم ہی بوجھل سا ہو گیا۔

”کہیں اس دوست کا نام لیزا تو نہیں تھا؟“ ممی طنزیہ طور پر مسکرائیں میرا ب گوگوں کی کیفیت میں تھا، ممی کے سامنے لیزا کا نام لینا ایسا ہی تھا گویا بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنا اور اگر اس کا نام نہ لے تو پھر کس کا نام لے؟

”افوہ بھی یہ تم کس تفتیش میں پڑ گئیں؟“ انکل فریدی نے می کو ایک بار پھر ٹوک دیا۔ بچہ تھکا ہارا گھر آیا ہے اسے ذرا سکون کا سانس تو لینے دو، ہوگا کوئی ہاسٹل کے زمانے کا دوست..... آخر تمہیں سب کا نام و پتا تو معلوم نہیں ہو سکتا ناں۔“

تب میراب نے ممنون نظروں سے انکل کی طرف دیکھا تو وہ اس کی طرف قدرے جھک کر رازداری سے بولے۔ ”ویسے یہ مائیں کچھ زیادہ ہی وہمی اور شکی مزاج نہیں ہوتیں۔ برخوردار! میری ماں بھی بالکل ایسی ہی تھی، آخر یہ دنیا کی سب مائیں ایک جیسی کیوں ہوا کرتی ہیں۔“ جواباً میراب محض شانے اچکا کر رہ گیا۔

کھانے کے بعد مومو فریج سے کٹنا ہوا تر بوز نکال لائی اور پھر سب نے مل کر ٹھنڈا ٹھار تر بوز کھایا۔ اس کے بعد مومو اور تارو تو کچن میں کھانے کے برتن دھونے چلی گئیں، برتن بھی کیا دھونے تھے، برتن دھونے والی مشین موجود تھی مومو اور تارو نے جلدی سے تمام برتن سانچے میں فٹ کئے اور مشین کے لوازمات پورے کرنے کے بعد ٹن آن کر دیا اور اطمینان سے آکر بیٹھ گئیں، جانتی تھیں کہ کچھ ہی دیر بعد دھلے ہوئے خشک برتن ان کے منتظر ہوں گے۔

میراب اچانک معذرت کرتا ہوا اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا اور جب کچھ دیر بعد لوٹا تو اس نے ہاتھ میں چند ٹیکس تھامے ہوئے تھے۔ ”ممی..... یہ آپ کے لیے.....“ میراب نے ایک پیکٹ کھول کر می کی طرف بڑھایا۔ ”واؤ..... اتنی خوب صورت اور نفیس ساری..... سچ بتانا میرو یہ کس کی پسند ہے؟“

”میری اور کس کی.....؟“ میراب نے خوش ہو کر کہا اس نے اور بھی ڈبے کھول ڈالے اور قالین پر مختلف رنگوں کی اشیاء بکھر گئیں۔

کاچ کی ست رنگی چوڑیاں..... سندھی و بلوچی کڑھائی والے گلے، چاندی کی پازیبیں، کشمیری اور سواتی شالیں اور چترالی مخصوص لباس جو وہاں کی لڑکیاں رقص کے دوران زیب تن کرتی ہیں۔ مومو اور تارو تو ایسی خوبصورت اور نادر اشیاء کو دیکھ کر پاگل ہوا ٹھیں، کبھی وہ جھپٹ کر چوڑیاں اپنی کلائیوں میں ڈالتیں تو کبھی فیصوں پر لگانے کیلئے کشیدہ گلے اٹھا کر اپنے ساتھ لگائے بھاگ کر آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوتیں اور پھر بار بار می سے ایک ہی سوال کرتیں کہ آخر یہ کڑھائی والے گلے کس طرح ان کے بلاؤز پر تنک لگیں گے۔ ”تم فکر مت کرو۔ میں ٹیلر کو سمجھا دوں گی اور وہ لگا دے گا۔“ ممی نے دونوں کو تسلی دی اور پھر جب دونوں لڑکیوں نے اپنے پیروں میں پازیب پہنی اور پاؤں ہلایا تو چھن چھن کی آواز پر بالکل ہی دیوانی ہوا ٹھیں۔

”امیزنگ.....“ دونوں کے منہ سے بیک وقت نکلا۔

اب سب کو یہ تحائف پسند آئے تھے میراب کو یہ دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی تھی کتنے ہی دنوں تک مسلسل بازاروں کے کئی چکر کاٹنے کے بعد وہ بمشکل تمام ان سب کے لیے یہ چیزیں منتخب کر پایا تھا اور پازیب کی جوڑی اور چوڑیاں تو وہ لیزا کے لیے بھی لایا تھا۔ وہ بھی یہ تحائف پا کر یقیناً بے حد خوش ہوگی۔

میراب یہ سوچ کر خود بخود مسکرا دیا۔

”اچھا یہ بتاؤ..... ان میں سے کون کون سی چیزیں میری، بہو نے پسند کی تھیں ہمارے لیے۔“ ممی پھر فلکی کا ذکر درمیان میں لے آئی تھیں۔

”بس سب کچھ مشترکہ ہی تھا۔“ میرا ب نے گول مول جواب دے کر جان چھڑائی۔ مگر دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ مناسب موقع دیکھ کر می کو فلکی کی طلاق والی بات فوراً بتا ڈالے تاکہ زیادہ دیر تک وہ کسی غلط فہمی میں نہ رہیں۔

”تم اپنے پاپا کے لیے کچھ نہیں لائے میری؟“ می نے دبے دبے لہجے میں میرا ب سے سوال کیا۔

”اوہ ہاں.....“ وہ فوراً اٹھ کر اندر گیا اور جب واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں سواتی، سندھی اور بلوچی ٹوپوں کا لفافہ اور شیشوں والی واسکٹ تھی۔

”یہ انکل کے لیے.....“ اس نے چیزیں می کی طرف بڑھائیں۔ ”سوری..... پہلے نکال کر لانا بھول گیا تھا۔“

”ابھی تمہارے پاپا واش روم سے آتے ہیں تو انہیں اپنے ہاتھ سے سب دینا۔“ می نے اسے تاکید کی۔

شکر ہے جو چیزیں اس نے اپنے لیے خریدی تھی ابھی کھولنے کی نوبت نہیں آئی تھی، اور یوں نئی نکل کو تحفے میں جا رہی تھیں، ورنہ وہ تو سچ فریدی انکل کے لیے پاکستان سے کچھ نہیں لایا تھا۔ مگر اب شکر ہے کہ می کے سامنے عزت رہ گئی تھی۔ اس نے سوچا۔

☆☆☆

ویسے تو امریکا میں اس وقت شام کے پانچ بجنے والے تھے اور آرام بے سود تھا، مگر می کی ہدایت پر وہ کچھ دیر ریٹ کے لیے اپنے کمرے میں چلا آیا، مگر لیٹنے یا سونے کا موڈ بالکل نہیں بناتا۔ وہ سوٹ کیس کھول کر اپنے کپڑے باہر نکالنے لگا۔ تمام کپڑے اینگنز پر لگا کر الماری میں لٹکانے کے بعد وہ سوچ میں پڑ گیا۔

آج شام کو لیزا کے ساتھ کلب جانے کے لیے وہ کون سا سوٹ منتخب کرے؟

بالآخر کافی غور و خوض کے بعد آف وہائٹ پلون کے ساتھ دھاری دار شرٹ اور سی گرین کوٹ منتخب کر کے وہ مطمئن ہو گیا۔ کمرے سے باہر نکلا تو مومو سی کو بلانے کے لیے آرہی تھی تاکہ وہ گرم گرم کافی پی سکے۔

کافی پینے کے دوران میرا ب کو معلوم ہوا کہ انکل اس وقت نائٹ ڈیوٹی پر جا چکے ہیں البتہ می کی نائٹ شفٹ آج ختم ہو چکی تھی لہذا وہ ناصرف گھر پر موجود تھیں بلکہ رات کے کھانے کی تیاری کے سلسلے میں بے حد مصروف بھی تھیں، کافی پی کر میرا ب نے کمرے میں آ گیا اور کلب جانے کی تیاری کرنے لگا۔

جونہی وہ خود پر پر فوم سپرے کرنے کے بعد کمرے سے باہر نکلا، سامنے ہی یکن کے فرنیچر سے کچھ نکالتی می کی نظر اس پر پڑی اور وہ اس کی تیاری و اہتمام دیکھ کر چونک اٹھیں۔

”تم کہیں باہر جا رہے ہو میری؟“

”جی..... جی ہاں..... جی نہیں..... وہ دراصل میرا مطلب ہے کہ ہاں جی جانا تو مجھے تھا، آئی مین ”ہے“ وہ یکدم ہی بوکھلا گیا تھا۔

”تمہیں یہاں آنے دیر ہوئی نہیں اور گھومنے پھرنے کی پہلے پڑ گئی۔ حالانکہ تم تو ہمیں کے پلے بڑھے ہو، یہاں سے ہی پاکستان گئے تھے، پھر بھلا یہاں گھومنا پھرنا تمہارے لیے کیا اٹریکشن رکھتا ہے۔“

”جی مگر..... پرانی یادیں تازہ ہوتی ہیں، پھر میں امریکا کو بہت مس کرتا ہوں..... بھلا کوئی انسان اپنے جائے پیدائش اور بود و باش بھی

کبھی بھلا سکتا ہے بطور خاص.....“

”بطور خاص امریکن گرلز کو۔“ مئی شرارت سے مسکرائیں۔

”مئی آپ بہت شریر ہوتی جا رہی ہیں۔“ مئی جھاڑن سے ہاتھ پونچھتیں اس کے قریب چلی آئیں۔ ”مگر کیوں؟“ میرا ب سراپا استفسار بن گیا، جب کہ لیزا تو پل پل اس کی راہ دیکھ رہی ہوگی، میرا ب نے سوچا، مگر مئی جس نے اس وقت اپنے دوست سے ملنے کا وعدہ کیا تھا۔

”بے شک اپنے دوست کو فون کر کے بتا دو کہ آج تم اسے ٹائم نہیں دے سکتے، چوں کہ آج کی تمہاری شام، تمہاری ماں کے نام ہے۔“

”مگر مئی ابھی تو میں یہاں خاصے دن ہوں۔ او، کے پراس کل شام کہیں نہیں جاؤں گا۔ بس آپ کے ساتھ رہوں گا۔ مگر آج تو جانے دیں پلیز، میں اپنے دوستوں کو ٹائم دے چکا ہوں۔“ میرا ب نے التجا کی۔

”مگر میں تو تمہاری لیے تمہاری پسند کا کھانا پکا رہی تھی۔“

”تو میں واپس آ کر کھالوں گا نا کھانا۔ پلیز مئی..... جاؤں اب؟“

”او کے بیٹا..... مگر جلدی گھر آ جانا۔“ میرا ب لجاجت سے بولا تو مئی کا دل پسج گیا، میرا ب کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔ وہ فوراً مڑا اور بیرونی

دروازے کی سمت لپکا۔

”سنو میرو..... فلکی کو اپنے خیریت سے امریکا پہنچنے کی اطلاع کر دی تھی۔“ جانے مئی کو اچانک کیا خیال آیا تھا جو پیچھے سے اسے پکار بیٹھی

تھی میرا ب بھی جاتے جاتے ٹھٹھک کر رک گیا۔

”لیکن مئی فلکی..... تو گھر پر نہیں ہے۔ بتایا تو تھا آپ کو کہ وہ کافی عرصہ سے اپنے میکے میں ہی قیام پذیر ہے۔“ بے ساختہ وہ کہہ بیٹھا ”اس

کے میکے میں ہی سہی کم از کم فون کر کے اپنی خیر و عافیت کی اطلاع تو دو۔ کتنی پریشان ہو رہی ہوگی فلکی تمہارے لیے، اور تم ہو کہ پروا تک نہیں..... کیا

کہوں تمہیں اب.....“ مئی جھنجھلا گئیں۔ ”چلو اسی وقت میرے سامنے فون کر کے اس سے بات کرو ورنہ بعد میں بھول جاؤ گے بلکہ آج تو فلکی سے

میری بھی بات کروانا۔“

”جی.....؟“ میرا ب پریشان سا ہو گیا۔ ”مگر مئی اپنی خیریت کی اطلاع تو میں نے ایئر پورٹ پہنچتے ہی دے دی تھی۔“ اچانک اس نے

جھوٹ کا سہارا لیا۔

”واقعی.....؟“ مئی نے پوچھا۔

”جی بالکل۔“ میرا ب نے یقین دلایا۔

”او کے تم مجھے نمبر ملا کے دو..... کم از کم میں تو فلکی کی طبیعت معلوم کروں۔ کیا سوچے گی وہ بھلا کہ ساس مجھے بیاہ کر لائی اور اس کے بعد

کبھی حال تک نہیں پوچھا۔“ میرا ب دوبارہ پریشان ہو گیا۔ اگر وہ ابھی مئی کو حقیقت حال سے آگاہ کر دے تو مئی کو مطمئن کرنا آسان کام نہیں۔ لہذا

بات بہت لمبی ہو جائے گی اور کیا اتنی دیر تک لیز اکلےب میں اس کا انتظار کرے گی۔ یا پھر مایوس ہو کر واپس پلٹ جائے گی، ممی کے سامنے طلاق کی اتنی لمبی چوڑی تفصیل بتانے کے لیے یہ موقع تو ہرگز بھی مناسب نہیں تھا پھر کیا کرے وہ؟“ ممی ناصر صرف اس کے سر پر کھڑی تھیں بلکہ اس کی تیزی سے بدلتی ہوئی کیفیت کا بغور جائزہ لے رہی تھیں۔

”کس سوچ میں پڑ گئے میرے؟ اب ملا بھی دو نمبر..... ممی نے اسے پکارا۔ مرتے کیا نہ کرتے کہ مصداق میرا ب کی کپکپاتی انگلیاں ٹیلی فون سیٹ پر پاکستان کا کوڈ نمبر ڈال کرنے میں مصروف ہو گئیں۔

☆☆☆

فلکی کے ذہن پر رشتہ دار خواتین کی باتیں ہتھوڑے کی طرح برس رہی تھیں۔ وہ تو بھابی کے کہنے پر اتفاقاً معاذ کے دودھ کا فیڈر اٹھانے کے لیے کمرے میں جا رہی تھیں کہ تائی، ممانی اور حمیرا چچی کے مابین ہونے والی گفتگو میں اپنا نام سن کر وہیں ٹھٹھک گئی اور تب سے اب تک اس کا ذہن کافی بوجھل سا تھا۔ حالاں کہ فلکی تو اپنے آپ کو بہت مضبوط اعصاب کی عورت سمجھتی تھی، تو کیا اس کے اعصاب حالات کی تپش میں دھیرے دھیرے پگھلنے لگے تھے.....!

فلکی ذرا چینی دان تو پکڑنا۔“ کچن میں ساتھ کھڑی بھابی کی آواز سن کر فلکی نے جلدی سے شوگر پوٹ آگے بڑھایا بھابی نے بغور فلکی کی طرف دیکھا۔

”فلکی یہ چینی دان نہیں بلکہ نمک کا ڈبہ تھا یا یہ تم نے مجھے۔“
 ”اوہ..... سوری بھابی..... دراصل نمک کافی موٹا پیا ہوا ہے جب کہ چینی نہایت باریک ہے تو اسی لیے شاید مجھے اندازہ نہیں ہو سکا تھا۔“
 فلکی خفت سے مسکرا دی۔

”یہ لیجیے.....“ اس نے چینی دان بھابی کی سمت بڑھایا۔
 ”فلکی.....! بھابی نے آگے بڑھ کر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ”تم کچھ ڈسٹرب سی لگ رہی ہو؟“
 ”آں..... نہیں بھابی..... ایسی تو کوئی بات نہیں.....“ وہ جبراً مسکرا دی۔
 ”نہیں فلکی کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔“

”بھابی نے اس کے دھواں دھواں ہوتے چہرے پر نظر ڈالی، تب بہت ضبط کے باوجود آنسوؤں کے قطرے اس کے گالوں پر بہہ نکلے، بھابی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا ”سب ٹھیک ہو جائے گا فلکی۔ تم فکر مت کرو۔“ تب فلکی نے اپنے آنسو پونچھ ڈالے۔
 اب ٹھیک ہونے کے لیے کچھ بچا ہی کب تھا؟ مگر فلکی کسی کے سامنے کمزور پڑنا نہیں چاہتی تھی، وہ بہادر تو تھی مگر کاش کہ ہارے ہوئے لشکر کا حصہ نہ ہوتی۔ تبھی خالہ کچن میں چلی آئیں۔

”اری لڑکیو.....! صبح عینی کے لیے ناشتے میں کیا لے جانا ہے کچھ سوچا تم نے؟“

”خالہ بازاری ناشتہ ٹھیک رہے گا۔ کیوں فلکی.....؟“ بھابی نے فلکی کی طرف دیکھا اور اس نے بھی اثبات میں سر ہلادیا۔

”اچھا..... مثلاً کیا چیز ہو.....؟“ خالہ نے سوال کیا۔

”میرا خیال ہے نان، سری پائے اور حلوہ پوری ٹھیک رہے گا۔“ بھابی نے تجویز پیش کی۔

”ہاں..... تھوڑی سی کھیر بھی لے جائیں گے۔“ فلکی نے آئیڈیا دیا۔

”چلو ٹھیک ہے، میں جا کر لڑکوں کو بتا دوں کہ صبح ساڑھے سات بجے تک ضرور ناشتہ لینے چلے جائیں تاکہ نوبے تک ”ناشتہ پارٹی“ لڑکے والوں کے ہاں پہنچ جائے۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟“ خالہ نے ان کی رائے لی۔

”جی بالکل.....“ دونوں نے یک زبان ہو کر کہا، تب خالہ مطمئن ہو کر باہر چل دیں۔

☆☆☆

”آؤ بیٹی..... بسم اللہ کر کے اپنے گھر میں قدم رکھو۔ یعنی کی ساس نے گاڑی سے اتر کر اسے سہارا دیا۔ شبو آپا نے بھی دوسری جانب سے آکر یعنی کو تھام لیا۔ اس کا دولہا (ابرار) بھی دھیرے دھیرے یعنی کے ساتھ قدم آگے بڑھا رہا تھا۔ یعنی کی نندوں نے گھر کے گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہی اس پر پھولوں کی پیتاں نچھاور کر کے اپنی بھابی کا استقبال کیا۔

گھر میں ہمارے آئی دلہن

سکھی پھول برساؤ۔

افشاں لاؤ، سہرا لاؤ

دلہن کے سب سنگ سنگ آؤ

گھر میں ہمارے.....

بے شمار لڑکیاں سر سے سر ملا کر تان اٹھا رہی تھیں۔ اسی طرح جوش و خروش سے یعنی کو اندر لایا گیا۔ ہال نما کمرے میں پڑے۔ تخت پر گاؤ تکیے کے سہارے یعنی کو بٹھادیا گیا۔ شاید کوئی رشتے کی مندرجہ جوا کر چا بکدستی سے اس کا میک اپ درست کر گئی تھیں، جو رخصتی کے وقت رونے دھونے کے باعث مدھم پڑ گیا تھا، پھر پروفیشنل فوٹو گرافر اور مووی کیمرے والا اندر چلا آیا، اور دولہا دلہن کی مووی بننے لگی۔ شبو آپا شولڈر بیگ اتار کر ایک طرف صوفے پر بیٹھ گئیں۔ دلہن کے ارد گرد سے ذرا ریش چھٹا تو ہجو پارٹی زرق برق لباس میں چلچلاتا ہوا میک اپ کیے اور مصنوعی وگس لگائے آن پہنچی اور آگے ہی ان کے سازندوں نے اپنے ساز درست کیے اور ایک فربہ اندام بیچڑے نے بھاری آواز میں سر اٹھایا اور اس کے ساتھ ہی ایک چھریرے بدن والا بیچڑا حرکت میں آگیا اور ہال کے عین درمیان میں آکر مہمانوں کے سامنے کمر لپکا کر ناپنے لگا۔

آند اتیرے لیے ریشمی رومال

آند اتیرے لیے ریشمی رومال

اتوں تیراناں کڈیا

وے میں بڑیاں ای چاواں نال

آند اتیرے لئی ہائے ریشمی رومال

یعنی کی ساس یعنی کے سر پر سے نوٹ واروار کر اسے ویلیں دیتی رہیں اور دیگر حاضرین محفل بھی ان کی اس فراخ دلی کی تقلید کرتے رہے، کچھ وقت اسی کھیل تماشے میں گزر گیا جب کہ ماحول کی اس رنگینی پر شبوآپ کچھ حیران سی تھیں، ورنہ ان لوگوں کے ہاں تو ایسی باتوں کو خاصا بر محسوس کیا جاتا تھا۔ کیا مجال تھی جو کوئی بیچڑا، یا مراٹھی گھر کے اندر پھٹک جاتا، بلکہ ابا گھر پر موجود ہوتے تو کسی کی اتنی جرأت نہ ہوتی کہ بلند آواز سے ڈیک چلا کر نغمے بھی سن لیتا، اذان کی آواز کے ساتھ ہی گھر کی خواتین کے سروں پر فوراً ڈوپٹے آجاتے، شادی بیاہ کے دوران بھی اس بات کا پورا خیال رکھا جاتا کہ لباس ڈھنگ سے پہنے جائیں اور خوشی کو سلیقے اور ادب و احترام سے منایا جائے نہ کہ بے قابو ہو کر عقل و تمیز سے ہاتھ دھو لیے جائیں اور یہاں تو خواتین کے لباس دیکھ کر ہی شبوآپ کی آنکھیں پھٹی رہ گئی تھیں۔ بطور خاص دولہا کی اویڑ عمر خالہ بغیر آستین کی فرنٹ اپن شرٹ کے ساتھ ریشمی اسٹاکش ٹراؤزر پہنے گہرے میک اپ میں بڑی عجیب و غریب لگ رہی تھیں، پھر جب اس نے پرس میں سے بیش قیمتی سگریٹ کا پیکٹ نکال کر سگریٹ سلگائی اور اک سرور کے عالم میں کش لگانے شروع کئے تو شبوآپ اپنی حیرت پر قابو نہ پا سکیں اور ساتھ ہی بیٹھی ہوئی ماڈرن سی لڑکی سے پوچھ ہی لیا۔

”ابراہیم کی خالہ اسموکنگ کرتی ہیں؟“ لڑکی نے چونک کر شبوآپ کی طرف ناگواری سے دیکھا اور بولی۔

”انہیں عرصے سے گیس ٹرل ہے اور ڈاکٹرز نے اسموکنگ ایڈوائس کی ہے۔“ شبوآپ حیران رہ گئیں، وہ آج پہلی مرتبہ کسی سے سن رہی تھیں کہ کسی ڈاکٹر نے خود مریض کو سگریٹ نوشی کا عادی بنایا ہو۔ مگر خاموش ہو گئیں۔

بیچڑا پارٹی کو بھاری رقم دے کر رخصت کرنے کے بعد دولہا کی والدہ نے اعلان کیا۔

”خواتین و حضرات..... اب میری خوب روٹی رختی آپ سب حاضرین کے سامنے عمدہ رقص کا مظاہرہ کرے گی۔“ اور پھر حاضرین کی بے پناہ تالیوں کے شور میں رختی صاحبہ اپنی میکسی سنبھالتی ہوئی ناز و ادا کے ساتھ اٹھلاتی ہوئی ہال کے وسط میں پہنچ کر کر گئی۔

”جی فرمائیے.....! کس گانے پر رقص دیکھنا پسند کریں گے؟“ اس نے چیونگم چباتے ہوئے بڑی ادا سے پوچھا اور پھر وہ مہمانوں کے بے پناہ اصرار پر یکے بعد دیگرے مختلف گانوں پر رقص کرتی رہی اور اس دوران مہمانوں کو نکلے کباب اور مشروبات سرو کیے جاتے رہے۔ گھونگٹ کی آڑ میں نہ جانے یعنی کے کیا تاثرات تھے مگر شبوآپ کو اک عجیب سے احساس نے آن گھیرا تھا۔ کہیں ان لوگوں کے انتخاب میں خالہ وغیرہ سے کوئی بھول چوک تو نہیں ہوگئی۔ انہوں نے فکر مندی سے سوچا، چونکہ ان کے ہاں تو دلہن کے گھر میں آتے ہی دہلیز رکوائی اور کھیر چٹائی جیسی رسومات ہوا کرتی تھیں۔ مگر یہاں ان گھریلو رسومات کو جیسے کوئی جانتا ہی نہیں تھا اور اس کی جگہ ناچ گانے کی محفل بھی تھی، حالانکہ بظاہر تو ان لوگوں کا شمار شہر کے شرفاء

میں کیا جاتا تھا۔ مگر جانے پھر یہ کون سا اندازِ شریفانہ تھا، شبو آ پا لہجن آمیز سوچوں میں گھری تھیں کہ دولہا کی ماں کی آواز پر چونک پڑیں۔ ”چلو بھئی رختی بیٹی اب بس کرو۔ رات کافی ہو چکی ہے۔ بیٹھے بیٹھے دلہن بے چاری کی کمر اکڑ گئی ہوگی، اسے اب اس کے کمرے میں لے چلو۔“ تب شبو آ پی اٹھ کر عینی کے پاس چلی آئیں اور اسے سہارا دے کراٹھانے لگیں۔

دلہن کا کمرہ گلاب کی خوشبو سے مہک رہا تھا، کمرے کے وسط میں گلاب اور موتیا کی ادھ کھلی کلیوں کی بیج و سبج و عریض بیڈ کو اپنے حصار میں لیے ہوئے تھی۔

”دیکھو دلہن کتنی خوبصورت بیج بنوائی ہے ہم نے تمہارے لیے۔“ ابراہن کی خالہ نے عینی کو مخاطب کیا۔ ”اور یہ صرف دو گھنٹے کے آرڈر پر تیار ہوئی ہے، یعنی جیسے ہی تمہارے گھر والوں نے تمہاری رخصتی کے لیے رضامندی کا اظہار کیا تو تمہاری ساس یعنی میری بہن نے مجھے یہاں فون کر کے بیج تیار کروانے کا حکم دیا اور میں نے فوراً بے حد خوب صورت بیج کا آرڈر دے دیا۔ اچھی ہے ناں.....؟“ انہوں نے پوچھا تو عینی محض سر جھکا کر رہ گئی۔ ”میں نے سائنڈ ٹیبل پر دو دھ اور پانی کے جگ کے علاوہ پھل اور مٹھائی وغیرہ بھی رکھوا دی ہے۔ مزید کسی شے کی ضرورت ہو تو بلا جھجک بتا دینا، اور ہاں..... تمہارا شب خوابی کا لباس، اس الماری کے اندر ہینگر میں لگا ہوا ہے اور وہ رہا واش روم کا دروازہ.....“ انہوں نے ساری تفصیل بتا کر ایک طرف اشارہ کیا اور بلا وجہ ہی مسکرا دیں۔ ”اچھا تو اب میں چلوں.....“ انہوں نے کہا۔ دلہن کا جائزہ لیا اور آگے بڑھ کر خواہ مخواہ اس کی نت درست کرنے لگیں۔ ”ٹھیک طرح بیٹھو، تنکے سے ٹیک لگا کر۔“ انہوں نے عینی کو پچکارا اور لڑکیوں کو عینی کی کمر کے چیمپے گاؤ تکیہ لگانے کی ہدایت کرتے ہوئے بلا مقصد ادھر ادھر دیکھا اور پھر بادل نخواستہ شب بخیر کہہ کر باہر نکل گئیں، لڑکیاں بھی اپنا کام مکمل کر کمرے سے باہر چل گئیں تو شبو آ پی نے بھی جھک کر عینی کی پیشانی چومی اور اس کا شانہ تھپتھا کر کمرے سے باہر جانے کے لیے مڑیں، تو تب یکدم ہی عینی نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔

”شبو آ پی.....!“ وہ تھوگ نکل کر بولی..... ”پلیز آپ یہاں سے مت جائیے ناں..... پتہ نہیں کیوں میرا دل بے حد گھبرا رہا ہے۔“

”ہشت لگی.....“ شبو آ پی نے اسے پیار سے گھورا۔ ”بھئی دل تو گھبرائے گا ہی، نئی جگہ اور نیا ماحول جو ہوا، لیکن اب اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ میں یہاں تمہارے گھٹنے سے لگ کر بیٹھ رہوں اور ابراہن کمرے کے باہر کھڑے انتظار میں سوکھتا رہے۔“ وہ مسکرائیں۔ ”پلیز عینی ریلیکس رہو۔“

”آپی..... آپی یہ لوگ کچھ عجیب سے نہیں لگے آپ کو۔“ بالآخر عینی کہہ ہی بیٹھی۔

”دشش..... ش.....“ شبو آ پی نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر محتاط انداز میں ادھر ادھر دیکھا۔

”بے وقوف لڑکی.....! آہستہ بولو، دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں کسی نے سن لیا تو کیا کہے گا کہ چند گھنٹوں قبل بیاہ کر اس گھر میں آنے والی نئی دلہن کے اپنی سسرال کے بارے میں کیسے نیک خیالات ہیں۔“ چند لمحے چپ رہنے کے بعد شبو آ پی دیر سے بولیں۔

”عجیب نہیں ہیں یہ لوگ مگر بس شاید ماڈرن کہلانے کے شوقین ہیں، نو دویلتے۔ خواہ مخواہ شواف کرنے والے یا پھر شہدے کہہ لو، مگر لوگ برے نہیں ہیں اور پھر ابراہن تو بہت ہی اچھا اور سلجھا ہوا لڑکا لگتا ہے، تمہیں بھی یقیناً پسند آئے گا، اچھا اب میں چلوں..... تمہارا دولہا تو مجھے کوس رہا ہوگا کہ کمرے سے باہر نکلنے کا نام ہی نہیں لے رہیں۔“ وہ ہنس کر اس کے پاس سے اٹھ گئیں اور نظروں ہی نظروں میں اسے حوصلے سے کام لینے کی تلقین

کرتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئیں۔ کچھ ہی دیر بعد کمرے کے دروازے پر قدموں کی آہٹ ہوئی اور عینی کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہونے لگیں، شاید برابر اندر آ رہا تھا۔ وہ اپنے آپ میں سمیٹنے لگی۔

کتاب گھر کی پیشکش

☆☆☆

”ممی مجھے لگتا ہے کہ فلکی کے گھر کا نمبر خراب ہے چونکہ فون انٹینڈ نہیں ہو رہا۔“ میرا ب نے رسیور کریڈل پر شیخ دیا۔

”تمہیں یقین ہے ناں میرا ب کہ تم نے درست نمبر ملایا تھا۔“

”آف کورس ممی۔۔۔۔۔۔“ اس نے اعتماد سے جواب دیا۔

”اچھا۔۔۔۔۔۔“ ممی مایوس ہو گئیں۔ ”ہاں ظاہر ہے تمہارے تو دل پر لکھا ہوگا فلکی کا نمبر، بھول تو ہو نہیں سکتی۔۔۔۔۔۔ خیر۔۔۔۔۔۔“ وہ خود کلامی کے سے انداز میں بڑبڑائیں۔

http://kitaabghar.com

http://kitaabghar.com

”میں اب جاؤں ممی۔۔۔۔۔۔ واپس آ کر آپ سے بہت ساری باتیں کروں گا۔“

”اوکے۔۔۔۔۔۔ گاڑی کی چابی لیتے جاؤ، کی بورڈ پر لٹک رہی ہوگی۔“ سر کے اشارے سے جانے کی اجازت دیتے ہوئے ممی نے اسے تاکید

کی۔ میرا ب کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔ وہ فوراً بیرونی دروازے کی سمت لپکا۔

کتاب گھر کی پیشکش

☆☆☆

کتاب گھر کی پیشکش



کلب کی دھیمی روشنیوں میں ڈانگ فلور پر کئی جوڑے سلومیوزک پر ٹچ بٹنوں کی جوڑی بنے رقص میں مصروف تھے، میراب کی بے تاب نگاہیں ہر طرف لیزا کو ڈھونڈ رہی تھیں مگر وہ کہیں بھی نظر نہیں آ رہی تھی، وقت گزاری کے خیال سے میراب ایک طرف کونے میں پڑی میز کرسیوں کی طرف بڑھ گیا اور وہاں بیٹھ کر انتظار کی گھڑیاں گننے لگا۔ ویٹر بس آئی تو میراب نے اپنے پسندیدہ مشروب کا آرڈر دیا اور دروازے کی سمت پر امید نظروں سے نکلنے لگا کہ شاید لیزا آجائے۔ پھر اس نے لیزا سے موبائل پر بات کرنا چاہی تو نہ جانے کیوں وہ موبائل امیڈ ہی نہیں کر رہی تھی، میراب بے بسی سے بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا۔ رقص کا پہلا دور ختم ہوا تو بہت سارے جوڑے اسی طرح پڑی میز کرسیوں کی طرف لپکے جدھر میراب بیٹھا تھا۔ ذرا سی دیر میں تمام خالی کرسیوں پر لوگوں نے قبضہ کر لیا اور اس کے بعد ہر طرف وہسکی اور بیئر کا دور چل پڑا۔

”ایکسکیوز می.....“ کہہ کر نو جوان لڑکی میراب کے سامنے پڑی کرسی پر آ بیٹھی، میراب نے چونک کر اس کی سمت دیکھا۔
 ”ہیلو.....!“ اس نے مسکرا کر میراب کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

اخلاقاً میراب کو بھی مسکراتا پڑا مگر اس نے لبوں سے کوئی جواب نہ دیا وہ خاموش ہی رہا۔

اگلی بار رقص کے لیے قدرے تیز میوزک کا انتخاب کیا گیا۔ جنہیں رقص کرنا تھا وہ اپنے اپنے ساتھیوں کو منتخب کر کے ایک بار پھر ڈانگ فلور کی سمت بڑھ گئے۔ وہ لڑکی بھی تیزی کے ساتھ اٹھی اور آگے بڑھ کر اپنا ہاتھ میراب کے سامنے پھیلا دیا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ رقص کے دوران میراب کا سنگ چاہتی ہے۔

”سوری..... میں اپنی گرل فرینڈ کا انتظار کر رہا ہوں۔“ میراب نے جان چھڑانا چاہی۔

”پلیز.....“ لڑکی نے جہان بھر کے التجائی لہجے میں سمو کر میراب کی طرف دیکھا۔

”مجھے بھی اپنے بوائے فرینڈ کا انتظار تھا مگر..... ناظم پاس کے لیے ہی سہی..... آ جاؤ۔“ اس نے متلجی نظروں سے میراب کو رام کرنا چاہا۔
 ناچار میراب کو اٹھنا پڑا، لڑکی بے اختیار مسکرا دی۔

”میرے نئے بوائے فرینڈ کے طور پر ہینڈم لڑکا بہت بہتر رہے گا۔“ اس نے سوچا۔

نیم تاریک گوشے میں تیز میوزک کی تال پر وہ لڑکی تقریباً میراب سے لگی رقص کرتی رہی لیکن اس کی ہجائونیز حرکتیں میراب کو خفقان میں مبتلا کر رہی تھیں، اگر میرا کو لیزا کا پاس وفانہ ہوتا تو وہ اس اوور کافینڈنٹ لڑکی کو وہ مزہ چکھاتا جو اسے ایک اناڑی ایشیائی سمجھ کر رقص کے دوران اس کے جذبات سے کھیلنے کی کوشش میں لطف اندوز ہو رہی تھی۔

وہ رقص کرتے کرتے جان بوجھ کر ایسے زاویے بناتی کہ میراب کے دل کی دھڑکنیں بے قابو ہونے لگتیں، تب وہ میراب کو ایسی نظروں سے دیکھتی گویا کوئی فاتح تیر نظر سے گھائل اپنے مفتوح کو دیکھتا ہے، اس کی آنکھوں میں میراب کے لیے جو کھلا چیلنج تھا وہ بعد میں اس کے لبوں پر پھیل جانے والے طنزیہ تبسم میں دھل جاتا، مگر وہ میراب کے اندر چھپے ہوئے مرد کو لاکا رہی تھی، اسے اکسار ہی تھی، شہ دے رہی تھی..... شاید بعد میں مات دینے کے لیے، تبھی کچھ سوچ کر لڑکی کے ہاتھ پر میراب کی گرفت سخت پڑ گئی، اس کے انداز میں عجب والہانہ پن، اور رقص میں بھی بے خودی اور

شدت آگئی، مگر اگلے ہی لمحے لیزا کا خیال آیا تو اس کے ہاتھوں کی گرفت لڑکی کے گرد خود بخود ڈھیلی پڑ گئی اور پھر وہ بس تھکے تھکے انداز میں لڑکی کا ساتھ دیتا رہا، لڑکی بھی اس کا رویہ دیکھ کر مایوس ہو گئی، ورنہ اسے اپنے حسن پر بڑا ناز تھا، خدا خدا کر کے رقص کا یہ مرحلہ اپنے اختتام کو پہنچا تو میرا ب لڑکی سے معذرت کرتا..... اسے پرے دھکیل کر بھاگتا ہوا کلب سے باہر آ گیا۔

میرا ب نے پارکنگ ایریا سے اپنی گاڑی نکالی اور آندھی طوفان کی طرح لیزا کے گھر پہنچ گیا، لفٹ کے ذریعے جب وہ پانچویں منزل پر پہنچا تو ارادہ یہی تھا کہ لیزا سے خوب خفگی کا اظہار کرے گا، جو اسے انتظار کی بھٹی میں جھونک کر خود جانے کہاں رہ گئی تھی۔

آج وہ تو خوب منتیں کروا کے ہی مانے گا۔ اپنی سوچوں میں گم وہ جیسے ہی لیزا کے فلیٹ کے دروازے تک پہنچا، گھر کے اندر سے آنے والی ٹامانوس سی آوازیں سن کر چونک اٹھا۔ یقیناً کسی مرد کی آواز تھی اور ساتھ لیزا کے بولنے کی بھی مدھم سے آوازیں باہر آرہی تھیں۔ مگر دونوں آپس میں کیا باتیں کر رہے تھے۔ یہ اسے سمجھ نہیں آرہا تھا۔ شاید دونوں کے درمیان کسی بات پر زور و شور سے بحث ہو رہی تھی اور پھر اچانک ہی ایک چھٹکے کی سی آواز سنائی دی جیسے شیشے کی کوئی چیز ٹوٹی ہو، میرا ب متذبذب میں پڑ گیا، اسے کیا کرنا چاہیے، آیا کہ دروازے پر دستک دے ڈالے یا پھر باہر سے ہی واپس چلا جائے۔

”مگر اندر ہو کیا رہا ہے آخر.....؟ اس نے تجس سے مجبور ہو کر کی ہولی (چابی والے سورخ) سے آنکھ لگا دی اور اندر جو منظر نظر آیا اسے دیکھ کر وہ دم بخود رہ گیا۔

☆☆☆

رات کے اندھیرے میں سائلنسر نکلی جیسے موٹر سائیکلوں کا گروپ مصروف شاہراہ پر زگ زیگ بناتا ہوا رواں دواں تھا۔ ایک تو پہلے ہی ان موٹر سائیکلوں کی کانوں کے پردے پھاڑ دینے والی آواز سے لوگ نالاں ہیں اوپر سے یہ لڑکے خود بھی ہا، ہو، شور برپا کر کے سیٹیاں بجا رہے ہیں۔ اگرچہ ان دنوں ڈبل سواری پر پابندی ہے مگر پھر بھی ہر موٹر سائیکل پر دوڑ کے سوار ہیں ان میں ہر موٹر سائیکل کے پچھلے سوار کے ہاتھوں میں پچکاری نما کوئی شے ہے جسے وہ لوگوں کی طرف کر کے ان کے چہرے پر جھاگ نما کسی گاڑھی سی سیال شے کا اسپرے کر کے بھاگ جاتے ہیں، کاروں کے سوار لوگوں نے اس شر سے محفوظ رہنے کے لیے اپنے شیشے چڑھالیے ہیں مگر موٹر سائیکل سوار اس ہڑ بونگ اور غنڈہ گردی سے کافی خوفزدہ ہیں چونکہ اپنی صورتوں سے ہی یہ لڑکے چھٹے ہوئے بد معاش دکھائی دیتے ہیں اور ان سے پننگ لینے کا مطلب اپنی جان سے کھیلنے کے مترادف ہے۔

سڑک پر عجیب و غریب بے ہودہ حرکتوں اور ہلڑ بازی کا مظاہرہ کر رہے ہیں یہ لڑکے اٹلے سیدھے کتب دکھا کر جانے کس سے داد وصول کرنا چاہتے ہیں، کبھی موٹر سائیکل ایک سمت میں ٹیڑھی کر کے اسے زمین پر لٹانے والے انداز میں چلاتے اور کبھی اگلے پہیہ آسمان کی طرف اٹھا کر پچھلے ایک پہیے پر اسے دوڑاتے ہیں اور بھی اچانک ان میں ایک موٹر سائیکل پھسل کر زمین پر گر جاتی ہے اور اپنے سوروں سمیت دور تک گھسنی چلی جاتی ہے یکدم فضا میں ایک دلخراش چیخ گونجتی ہے اور یہاں سے وہاں تک خون ہی خون بکھر کر رہ جاتا ہے۔

☆☆☆

”بسم اللہ..... بسم اللہ..... میرے شوکت جی تشریف لائے ہیں۔“ نادیدہ بی نے آگے بڑھ کر ان کی بلائیں لیں۔

”دیکھو نادیدہ بی..... ہمارے پاس وقت بہت محدود ہے۔ اگر مال آپکا ہے تو فوراً دکھاؤ۔“ شوکت خان نے بے تابی سے کہا۔

”ہاں جی..... کیوں نہیں..... اس بار تو اپنی زرینہ جی ایسی چیز لائی ہیں کہ دل خوش ہو جائے گا جناب کا اور میں تو بخشش میں ہیروں کا سیٹ

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

لوں گی۔ آپ سے۔“ نادیدہ نے لاڈ سے کہا۔

”ارے میں کوئی پرانے زمانے کا بادشاہ تھوڑا ہی ہوں، جو تجھے بخشش دوں گا مگر خیر پہلے چیز کو دیکھئے تو دے کہ جس کی تو اس قدر تعریف

کیے جا رہی ہے کہ زمین اور آسمان ایک کر دیے ہیں،“ شوکت خان ہنس دیا۔

”پرانے زمانے کے بادشاہ نہ سہی مگر اس دور میں حکومت کے وزیر یا تدبیر تو ہیں..... آپ کے خیال میں ایم این اے ہونا کیا کم اہمیت رکھتا

ہے..... بہر حال میں آپ کا زیادہ صبر نہیں آزماؤں گی۔“ وہ مسکرائی۔ ”آئیے میرے ساتھ.....“ نادیدہ بی شوکت خان کو ایک طرف لے کر چلی گئی۔

”وہ رہا آپ کا مطلوبہ کمرہ، مال اندر آپ کا منتظر ہے۔“ نادیدہ نے انگلی سے ایک جانب اشارہ کیا اور شوکت خان گھنی مونچھوں پر ہاتھ

پھیرتا، زیر لب مسکراتا ہوا بے قراری سے آگے بڑھا۔

”خان جی.....!“ نادیدہ نے انہیں دھیرے سے پکارا۔ شوکت خان نے الجھن آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

”بس ایک گزارش ہے..... ذرا احتیاط سے کام لیجئے گا۔ چوں کہ نئی نئی بات ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ لینے کے دینے پڑ جائیں..... یاد رکھیے

گا.....“ وہ مکاری سے مسکرائی..... ”آج آپ صرف مال دیکھنے آئے ہیں۔ برتنے نہیں۔“ شوکت خان خواب کے سے عالم میں چونکا۔

”ہاں..... ہاں..... فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، میں تمہیں کسی مشکل میں نہیں پڑنے دوں گا، تم کیوں گھبراتی ہو۔“ شوکت خان نے کہا

اور احتیاط سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔

☆☆☆

یعنی کی سسرال میں شبو آپنی کوسونے کے لیے علیحدہ کمرہ دیا گیا۔ مگر جانے کیوں انہیں ابھی تک نیند نہیں آرہی تھی حالاں کہ رات کا ایک

بجٹے والا تھا۔ <http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

”کاش وہ ساتھ کوئی ڈائجسٹ یا کتاب ہی رکھ لاتیں تو کم از کم وقت اسے پڑھنے میں وقت گزر جاتا..... مگر یعنی کی تو رخصتی ہی اتنی اچانک

ہوئی کہ..... ویسے مجھے اب سونے کی کوشش ضرور کرنی چاہئے تاکہ صبح بروقت بیدار ہو سکوں اور صبح تو خالہ کے گھر سے دلہن والوں کا ناشتہ لے کر بھی

کوئی نہ کوئی تو ضرور آئے گا۔“

”دیکھو..... ساتھ کون کون آتا ہے ناشتہ لے کر۔“ شبو آپنی اپنی سوچوں میں گم تھیں کہ نسوانی چیخ کی آواز پر اپنی جگہ اچھل کر رہ گئیں۔

”کون ہے..... کیا ہوا..... ارے یہ تو یعنی کی آواز ہے۔“ وہ دھک سے رہ گئیں اور لپک کر کمرے کے دروازے تک آئیں تو یہ دیکھ

کر ہلکا ہکا رہ گئیں کہ اپنے لہنگے میں الجھتی، گرتی پڑتی یعنی چلاتے ہوئے بیرونی دروازے کی سمت بھاگ رہی ہیں جب کہ ابرار اور اس کی ماں یعنی کو

پکارتے ہوئے اس کے پیچھے ہیں تاکہ اسے پکڑ کر اندر لاسکیں۔

”یعنی..... یعنی.....“ شبو آپی نے اسے پکارا، مگر یعنی سن ہی کب رہی تھی وہ تو شدید خوف کے عالم میں چلاتی ہوئی باہر کی طرف بھاگ رہی تھی۔ تب وقت ضائع کیے بغیر شبو آپی سامنے پڑے ٹیلیفون کی طرف لپکیں اور خالہ کے گھر کا نمبر ڈائل کرنے لگیں۔

”ہیلو..... کون..... احمر..... میں شبو۔ فوراً یعنی کے سسرال پہنچو..... یعنی کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہے، اور سنو، ضائع کرنے کے لیے وقت تمہارے پاس بالکل نہیں ہے۔“ فون رکھ کر وہ یعنی کے پیچھے لپکیں..... مگر یعنی اس وقت اپنے حواسوں میں کب تھی وہ تو دیوانہ وار آگے ہی آگے بھاگتی چلی جا رہی تھی۔

”رک جاؤ یعنی..... آگے لان میں لسیشن کتے کھلے ہوئے ہیں۔“ ابرار نے پیچھے سے اسے تنبیہ کی۔ مگر اس وقت تک یعنی دروازہ کھول کر باہر نکل چکی تھی۔

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>



باب-6

کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

باہر نکلتے ہی عینی نے مین گیٹ کی طرف دوڑ لگا دی مگر ابھی وہ لان کے وسط بھی نہیں پہنچی تھی کہ بجائے کس طرح سے دواسیشن کتے بھونکتے ہوئے نکلے اور تیزی سے سیدھے تیر کی طرح عینی کی طرف لپکے۔ رات کے سناٹے میں عینی کے حلق سے ابھرنے والی یہ چیخ بڑی بھیانک تھی چوں کہ دونوں کتے یکدم ہی اس پر جھپٹ پڑے تھے مگر بھلا ہو عینی کے بھاری بھر کم کا مدار لہنگے کا کہ جیسے ہی ایک کتے نے عینی کی ٹانگ دبو چنے کو اپنا منہ کھولا، اس نے غیر ارادی طور پر اپنے لہنگے کا گھیر کتے کے منہ پر دے مارا، جسے فوراً ہی کتے نے اپنے منہ میں دبایا مگر پھر اگلے ہی لمحے چپ چاپ کرنے لگا چوں کہ لہنگے کے گھیر پر لگے بے شمار ستارے اور نفیس کام کی سنہری تاریں ٹوٹ کر اس کے حلق میں چپک گئی تھیں، جب کہ دوسرے کتے کے منہ میں عینی کے کا مدار دوپٹے کا پلو آگیا تھا جسے وہ دانتوں میں پھنسا کر زور زور سے جھٹکے دے رہا تھا اور نادیہ دشمن سمجھ کر بھنبھوڑ رہا تھا۔ نتیجتاً جو دوپٹہ بڑی جدوجہد کے بعد عینی کے سر پر پنوں کی مدد سے جوڑے کے ساتھ اٹکایا گیا تھا، اپنی گرفت کھو بیٹھا۔ پنیں ڈھیلی ہو کر گر گئیں، بالوں کا جوڑا کھل گیا تو زلفیں شانوں پر بکھر گئیں، ماتھے کی بندیا مانگ سے الگ ہو کر کہیں گھاس میں لڑھک گئی اور عینی ہڈیاں انداز میں چیخنے لگی۔

یہ تو اچھا ہی تھا کہ اس نئی آبادی میں گھر کافی فاصلے پر تھے اور ان میں سے اکثر تو ابھی زیر تعمیر تھے ورنہ شاید عینی کی چیخوں پر لوگ گھروں سے باہر نکل آتے۔

ابراہم دیوانہ وار عینی کے پیچھے لپکا مگر اس کی ماں نے اسے واپس پیچھے کھینچ لیا۔

”ٹھہر جاؤ..... ذرا سا مزہ تو چکھ لینے دوا سے۔ تمہیں بڑا جو روکا درد ستارہا ہے۔“

”مگراتی دیر میں کتے اس کی ٹکا بوٹی کر ڈالیں گے۔“ ابراہم نے بے بسی سے کہا۔

”بوٹی ان کے ہاتھ آئے گی تب ناں..... اتنا کچھ تو پہنا ہوا ہے اس نے۔“ ابراہم کی خالہ اور بہنیں بھی شور مچا رہی تھیں اور خالہ نے بڑے بے ہودہ انداز سے مسکرا کر کہا تو ابراہم اندر ہی اندر کھول کر رہ گیا۔ تبھی شبو آپی خالہ کے گھر فون کر کے باہر نکلیں تو عینی کو یوں لان میں کتوں کے ساتھ نبرد آزما دیکھ کر بے ساختہ چلا اٹھیں۔

”ہائے..... کوئی بچاؤ میری عینی کو.....!“ اور پھر ابراہم نہ رہ سکا اور دو چھلانگوں میں عینی تک پہنچ گیا۔ جھپٹ کر کتوں کے گلے میں پڑے پنوں پر ہاتھ ڈال کر انہیں ایک طرف دھکیلا اور عینی کو بازوؤں میں بھر لیا۔ عینی بے دم ہو کر شاید اس کی بانہوں میں جھول گئی تھی جب کہ چند لمحے پہلے والی کتوں کی خونخواری رخصت ہو چکی تھی اور اس وقت وہ مالک کو سامنے پا کر اپنی دم ہلا رہے تھے۔

ابراہم نے انہیں ڈانٹا تو وہیں اس کے قدموں میں بیٹھ کر اس کے پیروں سے اپنی تھوٹی رگڑنے لگے اور حلق سے چیاؤں چیاؤں کی آوازیں نکالنے لگے جیسے اپنی غلطی پر نادم ہوں۔

”اوائے کون ہے یہاں.....؟“

”گیٹ کا چوکیدار اپنے کیمین کے اندر سے شاید کچی نیند سے بیدار ہو کر آیا تھا اور چور ڈاکو سے مدد بھیڑ ہونے کے خیال سے ہاتھ میں بندوق تھامے ہوئے تھا مگر پھر ٹارچ کی مدھم روشنی میں اپنے سامنے ابرار کے کندھے پر جھولتی ہوئی، چند گھنٹوں پیشتر بیاہ کر آنے والی دلہن کو اس حالت میں دیکھ کر ہلکا بکارہ گیا کہ جس کے لہجے کا نچلا حصہ لیرم لیر ہو کر گھاس پر ادھر ادھر پڑا تھا۔ پنڈلیوں پر لاتعداد خراشیں تھیں اور دوپٹے کا پلو اس کے کندھے پر محض ایک دھجی بن کر جھول رہا تھا۔

”اب آئے ہو.....؟ کیا کھا کر سوئے تھے رات؟“ ابرار غرایا۔

”سوری جناب.....!“ چوکیدار نے نظریں جھکا لیں۔

”تمہیں تنخواہ رات بھر سونے کی نہیں بلکہ جاگنے کی ملتی ہے۔ یہ بات آئندہ ہمیشہ ذہن میں رکھنا۔“ ابرار نے اسے تنبیہ کی۔

”جی سرکار.....! غلطی ہو گئی۔“ چوکیدار بدستور سر جھکائے کھڑا تھا۔

”اچھا چلو اب کتوں کو یہاں سے لے جاؤ اور عینی بی بی کے جوتے اٹھا کر اندر لے آؤ۔“ چوکیدار کو ہدایت جاری کرنے کے بعد ابرار عینی کو بازوؤں میں اٹھائے بیڈروم میں لے آیا اور بستر پر لٹانے کے بعد اس کی پنڈلیوں پر پڑنے والی خراشوں کا معائنہ کرنے لگا۔ شکر ہے ان میں سے کوئی زخم گہرا نہیں تھا لیکن اگر چند لحوں کی تاخیر ہو جاتی تو.....! یہ سوچ کر ہی ابرار کو جھرجھری سی آ گئی۔ وہ الماری کے اوپر پڑا اپنا فرسٹ ایڈ باکس اٹھا لایا تھا اور اس وقت بیٹھا عینی کی پنڈلیوں پر بڑی احتیاط سے دوا لگا رہا تھا کہ اسی اثنا میں شبو آپی، ابرار کی ماں بہنوں اور خالہ کے ساتھ اندر داخل ہوئیں۔ ابرار کی امی نے ناگوار سے انداز میں ابرار کو عینی کی مرہم پٹی کرتے دیکھا اور پاس پڑے صوفے پر جا بیٹھیں۔

”کیا عینی کو اس طرح کے دورے پہلے بھی پڑا کرتے تھے؟“

ابرار کی خالہ نے حسب عادت سگریٹ سلگائی تھی۔

”جی نہیں، ایسا تو پہلے کبھی نہیں ہوا۔“ شبو آپی نے دھیرے سے جواب دیا۔ ”نہ کبھی اس کی ایسی حالت ہوئی۔“

”تو پھر کسی لڑکے وڈکے کے ساتھ..... میرا مطلب ہے چھوٹے موٹے ٹخلوں میں پڑوس میں تو ایسے نالک چلتے ہی رہتے ہیں۔“

ضبط کی انتہا سے شبو آپی کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔ ”عینی ہرگز ایسی لڑکی نہیں ہے۔“ انہوں نے سخت لہجے میں جواب دیا۔

”چھوڑیں اس بات کو، اس کے کپڑے بدلوا کر اسے ہوش میں لانے کی کوئی تدبیر کریں۔“ ابرار اپنا فرسٹ ایڈ باکس بند کر کے اٹھ گیا۔

ماں کے اشارے پر ابرار کی بہن اچھی اور وارڈروب سے ایک کا مدارشلاور سوٹ اُتار لائی۔

”پہلے اسے ہوش میں لے آئیں۔“ ابرار نے کہا۔

”تمہیں بڑی فکر ہے اس کی۔ لے آتے ہیں ابھی ہوش میں بھی۔“ ابرار کی خالہ نے سگریٹ کی راکھ ایش ٹرے میں جھاڑ کر معنی خیز انداز

میں مسکرا کر ابرار کی طرف دیکھا اور اٹھ کر پاس پڑے جگ سے چلو میں پانی لے کر عینی کے چہرے پر چھینے مارے۔

عینی نے آہستہ سے آنکھیں کھول دیں۔ عینی کے ہوش میں آتے ہی اس کی ساس کے تاثرات حیرت انگیز حد تک تبدیل ہو گئے اور وہ ”ہائے میں صدقے جاؤں! میں واری اپنی چندا کے“ کہتی ہوئی عینی کی طرف لپکی۔

”دلہن! یہ کپڑے بدل لو۔ میں اتنی دیر میں تمہارے لیے گرم دودھ منگواتی ہوں۔“ ابرار کی خالہ نے سوٹ عینی کی طرف بڑھایا اور ابرار کی ماں شبو آپی کے ساتھ مل کر عینی کو سہارا دے کر اٹھانے لگیں۔

”دلہن بی بی کے گھر والے آئے ہیں.....“ بیگماں نے اندر آ کے اطلاع دی۔

”دلہن..... یعنی عینی کے گھر والے۔ اس وقت.....؟ مگر کیوں.....؟ انہیں کس نے بتایا جا کر؟“ ابرار کی ماں پریشان سی ہوئی۔

”مم..... مم..... میں نے فون کیا تھا۔ جب عینی کی طبیعت خراب دیکھی تو.....“ شبو آپی نے تھوک نگل کر جیسے اقرار جرم کیا۔

اس پر ابرار کی ماں اور خالہ نے کھا جانے والی نظروں سے بیک وقت ان کی طرف دیکھا مگر ظاہر ہے کہ کچھ کہہ نہیں سکتی تھیں چنانچہ بیگماں کو حکم دیا کہ عینی کے گھر والوں کو یہیں کمرے میں لے آؤ اور خود چہرے پر منافقانہ مسکراہٹ سجا کر سدھانے کے استقبال کو آگے بڑھیں۔ عینی جو ابھی کپڑے بدل کر بستر پر لیٹی ہوئی تھی گھر والوں کے آنے کی خبر پا کر جلدی سے اٹھ بیٹھی۔

چند ہی لمحوں بعد آڑی آڑی سی رنگت اور چہرے پر پریشان کن تاثرات لیے خالہ اندر داخل ہوئیں۔ ان کے پیچھے کامران بھائی اور نسرین بھابی کے ساتھ غفی اور احمر بھی تھے مگر انہوں نے دلہن کے بیڈروم میں آنے سے گریز کیا اور باہر لاؤنج میں ہی بیٹھ گئے۔

”کیا ہوا میری بچی کو.....؟“ خالہ بے اختیار عینی کی طرف لپکیں۔ پاس کھڑے ابرار نے انہیں سلام کیا مگر انہوں نے جیسے سنی اُن سنی کر دی۔ اس وقت انہیں صرف عینی کی فکر تھی۔

”میرا خیال ہے دلہن شاید کسی وجہ سے ڈر گئی تھی، اب مگر سب ٹھیک ہے۔ فکر کی کوئی بات نہیں۔“ ابرار کی والدہ نے خوش دلی سے مسکرانے کا انداز اپنایا۔

”کوئی آسب سی سایہ وغیرہ یا کبھی ہوائی چیزوں کا اثر تو نہیں رہا اس پر؟“ ابرار کی خالہ نے عینی کی امی سے پوچھا۔

”اے خدا نہ کرے.....“ وہ جھٹ سے برامان کر بولیں۔

”کیوں ہوتا آسب کا اثر۔ اپنے گھر میں تو بھلی چنگی لڑکی رخصت کی تھی ہم نے۔ یہاں آ کر کچھ ہوا ہو تو پتا نہیں۔“ انہوں نے تنک کر کہا اور پھر عینی کی طرف متوجہ ہو گئیں، جو نسرین بھابی کے گلے لگی گھٹی سسکیاں لے رہی تھیں اور وہ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر کر تلی دے رہی تھیں۔

”ہوا کیا تھا آخر.....؟“ نسرین بھابی نے عینی سے پوچھا۔

”وہ..... وہ..... دراصل بھابی! میرے کمرے میں.....“

عینی نے ہکلاتے ہوئے قدرے خوفزدہ انداز میں اپنی ساس کی طرف دیکھا جو بے بسی سے اپنی بہن کی طرف مدد طلب نظروں

سے دیکھ رہی تھی۔

”بتا دو..... بتا دو شاہاش..... کوئی کچھ نہیں کہتا۔“ بھابی نے عینی کا شانہ تھپکا۔

”دراصل میرے کمرے میں کوئی بدمعاش گھس آیا تھا جو اٹی سیدی حرکتیں کرنے کے علاوہ ہنسی ہنسی باتیں کر رہا تھا۔“ عینی نے سر جھکا کر کہا۔

”بدمعاش.....؟“ ابرار کی خالہ نے اپنے نائٹ گاؤن کی ڈوریوں سے کھیلتے ہوئے فلک شکاف قہقہہ لگایا۔

”بتاؤں گی ابرار کو..... کہ عینی تمہیں بدمعاش کہہ رہی تھی۔“ اس کی ہنسی رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

”مگر میری بھولی بلبل.....! میاں بیوی کا رشتہ تو شرافت والا ہے ہی نہیں۔ یہ بات اس سے پہلے تمہیں کسی نے نہیں بتائی؟“

ہنستے ہنستے ابرار کی خالہ کی آنکھوں میں پانی بھر آیا۔ عینی کے گھر والے ہکا بکا کبھی عینی کو اور کبھی اس کی ساس اور خالہ ساس کو احمقوں کی طرح دیکھ رہے تھے۔ جب کہ عینی بدستور سنجیدہ تھی۔

”نہیں آنٹی.....! وہ..... ابرار نہیں تھے بلکہ وہ تو..... وہ تو.....“

”اچھا..... اچھا سمجھ گئی.....“ عینی کی ساس نے فقرہ درمیان میں ہی اُچک لیا۔ ”یہ دراصل ابرار کے تایا کی بات کر رہی ہوگی۔“ انہوں نے

بہن کی طرف دیکھ کر مخصوص انداز میں چٹھنوس چڑھائی تو وہ جیسے سب سمجھ گئی۔

”اوہ ہاں..... اچھا، اچھا..... وہی ناں جنہیں نکاح پر پہنچنا تھا مگر نہیں آ سکے تھے۔“ اس نے بات مکمل کر کے یوں اپنی بہن کی طرف دیکھا گویا اپنی ذہانت کی داد وصول کرنا چاہتی ہو۔

”ہاں وہی..... مگر جب رات گئے بے چارے یہاں پہنچے تو فوراً ہی دلہن کو دیکھنے اور دعا و سلام دینے کی ضد کرنے لگے چوں کہ صبح ہی

انہیں لاہور دا تا صاحب کے عرس میں جانا تھا اور پھر وہیں سے ان کی جرنی کی فلائٹ تھی۔ اچھا تبھی.....!“

”ویسے ابرار سے پیار بھی تو بہت کرتے ہیں بے چارے۔“ ابرار کی خالہ نے بیچ میں لقمہ دیا۔

”ہاں اولاد بھی تو کوئی نہیں ہے ان کی۔ ابرار کو ہی سگی اولاد کی طرح چاہتے ہیں اور اسی لیے بیماری اور کمزوری کے باوجود اتنی دور سے اسے دولہا

کے روپ میں دیکھنے چلے آئے۔ کتنا ارمان تھا ان کے دل میں ابرار کے بیاہ کا، سو جب انہوں نے دلہن سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا تو میں روک نہ سکی

جب کہ ابھی ابرار بھی اپنے کمرے میں نہیں گیا تھا۔ سو وہ دلہن کو دعا دینے کمرے میں پہنچ گئے۔ میں ابھی بس ان کے پیچھے بہو سے ان کا تعارف کروانے

کمرے میں جانے ہی لگی تھی کہ یہ تو بدکی ہوئی گھوڑی کی طرح کمرے سے بھاگ نکلی۔“ وہ عینی کی طرف دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکرائیں۔

جیسے کہنا چاہ رہی ہو کہ..... اور بولو.....!

”نہیں نہیں..... ایسا نہیں تھا.....“ عینی، ساس کے جھوٹے بیان پر گڑبڑ اٹھی۔

”کیا نہیں نہیں.....؟ بہت بے وقوف ہو تم۔“ خالہ نے اسے گھر کا اور ابرار کی ماں کی طرف پلٹیں۔

”بہن! اسے نا سمجھ، سمجھ کر معاف کر دینا اور ابرار کے تایا جی کو بھی بلا لیں۔ اس کی طرف سے میں ان سے معذرت کر لیتی ہوں۔“

”ارے..... کوئی بات نہیں۔“ یعنی کی ساس تیرے گھر نشانی پر بیٹھنے کے باعث اطمینان سے ہنس دی۔ ”آپ بے فکر رہیں۔ میں خود انہیں تمام حقیقت سے آگاہ کر دوں گی۔“

”تو اور کیا..... غلط فہمیاں ہمیشہ اعتماد بھرے رشتوں میں ہی جنم لیتی ہیں اور غلطیاں بھی انسانوں سے ہی ہوتی ہیں پھر عینی کی تو ابھی عمر ہی کیا ہے۔“ ابراہن کی خالہ نے اتنے بیٹھے لہجے میں پیار سے کہا کہ عینی کی امی شرمندہ ہو گئیں۔

”بس بہن! اعلیٰ ظرفی سے کام لے کر اس کی کوتاہیاں نظر انداز کرتی رہیے گا۔ انشاء اللہ بیٹیوں سے بڑھ کر آپ کی خدمت کرے گی۔“ انہوں نے پورے خلوص سے کہا۔

”میرا خیال ہے کہ اب واپس چلا جائے۔“ نسرین بھابی نے خالہ سے مخاطب ہو کر کہا۔

”ہاں چلو.....“ خالہ نے صوفے پر پڑی اپنی چادر اٹھائی۔

نسرین بھابی باہر بیٹھے مردوں کو خیر و عافیت کا مژدہ سنانے چل دیں۔

”خبردار! اب کوئی حماقت مت کرنا۔“ جاتے جاتے خالہ نے عینی کو تنبیہ کی۔

”مگر میں تو..... میری پوری بات تو سن لیں امی۔“ عینی نے احتجاج کیا۔

”چپ رہو بس۔“ خالہ نے اسے گھر کا۔

”شبو! کچھ تم ہی اسے سمجھاؤ۔“ خالہ نے خاموش کھڑی شبو آپی سے کہا اور وہ محض سر ہلا کر رہ گئیں۔

خالہ وغیرہ کے جاتے ہی شبو آپی بھی کھڑی ہو گئیں۔ تب عینی نے بے چارگی سے ان کی طرف دیکھا۔

”شبو آپی..... کیا آپ بھی.....؟“ اس کا گلہ اٹھ گیا۔ ”آپ بھی مجھے غلط سمجھ رہی ہیں؟“

”نہیں عینی! مگر سچ تو یہ ہے کہ میں جب سے تمہارے ساتھ اس گھر میں داخل ہوئی ہوں، قدم قدم پر تحیر آمیز واقعات سے دوچار ہونا پڑا ہے اور اب تو جیسے میرے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی سلب ہو کر رہ گئی ہے۔ میں کچھ بھی کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔“ عینی بے بسی سے سر جھکا کر رہ گئی۔

☆☆☆

اسپتال کے کارڈور میں جلے پاؤں کی بلی کی طرح بے قراری سے شہلٹی سلمیٰ شوکت موبائل کان سے لگائے دوسری جانب سے فون اٹھائے جانے کی منتظر تھی اور پھر دوسری طرف کسی کے کال انڈینڈ کرتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ ”خان جی..... خان جی.....! غضب ہو گیا۔ ہائے میرا لعل.....!“

”اوئے کیا ہو گیا.....؟ کیوں بین ڈال رہی ہے؟ تیرے پاس موبائل ہونا میرے لیے تو مصیبت ہی بن گیا ہے۔ جس طرح کالی بلی راستہ کاٹ جائے تو کوئی کام سنورے نہیں پاتا اسی طرح فون پر تیری روتی بسورتی آواز سن کر بھی بندے کا پیر غرق ہو جاتا ہے۔“

سلمیٰ شوکت نے ہتھیلی کی پشت سے اپنے آنسو پونچھے۔ ”بات سنیں خان جی! ہمارا بیٹا بہت زخمی ہے۔ اسپتال سے آپ کو فون کر رہی

ہوں میں۔ ضمیر اس وقت آپریشن تھیٹر میں ہے۔ اس کے سر پر شدید چوٹیں آئی ہیں۔ ڈاکٹر ز آپریشن کر رہے ہیں۔ اگر..... اگر میرے ضمیر کے کو کچھ ہوائیں تو..... شاید میں بھی زندہ نہیں رہوں گی۔“ وہ پھر رودی۔

”ہیں.....؟ اچھا..... کیسے ہوا یہ سب.....؟“ شوکت خان جیسے اچانک نیند سے جاگا۔

”بس جی..... موٹر سائیکل الٹ گئی اس کی اور..... اور..... میرا بچہ..... ہائے میرا لعل۔“ اس نے چمکیوں کے درمیان بات ادھوری چھوڑ دی۔

”اچھا فکر مت کر میں آ رہا ہوں مگر ڈاکٹر ز تو اچھی طرح اٹینڈ کر رہے ہیں ناں مس.....؟ وی آئی پی روم میں بٹھایا ہے تجھے کہ نہیں؟ اور تو نے اخباری نمائندوں کو فون کیا ابھی تک..... یا بس ٹسوے ہی بہائے جا رہی ہے؟“ شوکت خان نے ایک ہی سانس میں کئی سوالات ایک ساتھ کر ڈالے۔

”اخباری نمائندوں کا کیا اچار ڈالنا تھا مجھے.....! تمہیں ایسے نازک وقت میں بھی نمائندوں کی پڑی ہے۔ بس تم آ جاؤ۔“ سلمیٰ شوکت نے دوپٹے کے پلو سے آنکھیں پوچھتے ہوئے التجا کی۔

”اوائے پاگل خانے..... یہی تو وقت ہوتا ہے جب ایسے الزامات سیاسی حریفوں کے کھاتے میں ڈال کر انہیں عوام کے سامنے دکھایا جاتا ہے۔ پر تجھے کیا مالوم؟ (معلوم)..... خیر! میں اخباری نمائندوں کو خود فون کر دیتا ہوں اور ہاں وہ اگر اسپتال میں مجھ سے پہلے پہنچ جائیں تو بتانا کہ ضمیر خان موٹر سائیکل پر دوستوں کے ساتھ ایک خیراتی ادارے میں رقم جمع کرانے جا رہا تھا کہ مخالف سیاسی پارٹی کے کارکنوں نے اس پر پستول سے فائر کر دیا۔ وار بچانے کے لیے اس نے موٹر سائیکل ایک طرف جھکا لی تو یہ حادثہ ہو گیا۔ پولس (پولیس) کو بھی یہی بیان درج کرانا ہے، سمجھی.....؟ میں بس ابھی پہنچا ہی سمجھ۔ گھبرانا نہیں اچھا.....!“ شوکت خان نے تسلی دے کر فون بند کر دیا۔

☆☆☆

دو بوندیں ساون کی

دو بوندیں ساون کی، ترجمہ ہے جعفری آرچر کے شہرہ آفاق ناول کین اینڈ اہیل کا جسے اردو زبان میں ترجمہ کیا ہے علیم الحق حق نے۔ دو بوندیں ساون کی کہانی ہے دو ایسے افراد کی جو ایک دوسرے سے شدید نفرت کرتے تھے اور ایک دوسرے کو شکست دینے اور تباہ و برباد کرنے کے درپے تھے۔ ان میں سے ایک منہ میں سونے کا چمچ لے کر پیدا ہوا اور دوسرا در بدر کی ٹھوکریں کھاتا رہا۔ ایک شخص نے دنیا کے بہترین تعلیمی اداروں سے تعلیم پائی اور دوسرے کا استاد زمانہ تھا۔

یہ ناول کتاب گھر کے معاشرتی اصلاحی ناول سیکشن میں پڑھا جاسکتا ہے۔

صبح نسرین بھابی، فلکی، خالہ کی نند اور ان کی بیٹی مروی پر مشتمل قافلہ غمی کی ہمراہی میں ناشتہ لے کر آیا تو خواتین نے موقع پاتے ہی عینی کو گھیر لیا اور کرید کرید کر شریر قسم کے سوالات کرنے لگیں۔ جن کا عینی کے پاس کوئی جواب نہیں تھا، شاید جیسی مسکرا کے رہ گئی تھی۔

”رو نمائی میں کیا دیا ابرار نے؟“ بھابی کے سوال پر عینی نے ڈریسنگ ٹیبل کی دراز کھولی اور سرخ ٹھیلیں ڈبہ باہر نکال کر نسرین بھابی کی طرف بڑھایا جس میں سونے کے جزاؤ نگین دمک رہے تھے۔

”ارے.....! یہ بس یونہی ڈبے میں بند تمہیں پکڑا دیے اور ابرار میاں نے؟ کلائی میں نہیں ڈالے؟“ عینی کی پھوپھو نے کنگنوں کی جوڑی ہاتھ میں لے کر سونے کے وزن کا اندازہ کرتے ہوئے عینی سے پوچھا۔

”بھئی انہیں اتنا ناظم ہی کہاں دیا عینی نے۔ صبح چار بجے تک تو یہ لوگ پکڑن پکڑائی کھیلتے رہے۔ کیوں عینی.....!“ فلکی نے شرارت سے اس کے پہلو میں چٹکی بھری۔

”ہاں اس کے بعد تو جتنا بھی وقت ملا، لگتا ہے دو لکھ اسی کو غنیمت جانا، کنگن پہنانے میں بھلا مزید وقت کیوں گنواتے؟“ مروی نے شرارت سے آنکھ ماری۔

نسرین بھابی نے بغور عینی کی طرف دیکھا تو اس نے نظر چرائی، تبھی فلکی کی نظر شبوآپی پر پڑی جو تمام ہنسی مذاق سے انجان بنیں، چہرے پر حد درجہ سنجیدگی لیے جانے کون سے خیالوں میں گم تھیں۔ ان کے اطوار شدید تھکن کا پتا دے رہے تھے جب کہ آنکھیں کسی گہری سوچ میں ڈوبی، رتجکے کی غماز تھیں۔

”کیا بات ہے شبوآپی.....! آپ کہاں گم ہیں؟“ فلکی کے جھنجھوڑنے پر وہ چونک اٹھیں اور بظاہر نارمل نظر آنے کی کوشش کرنے لگیں۔ شام کو ولیسے کی تقریب ہوئی میں تھی۔ وہیں سے اپنے گھر والوں کے ہمراہ عینی کو میکے جانا تھا۔ دعوتِ ولیمہ اپنے اختتام کو پہنچا تو خالہ وغیرہ نے عینی کی ساس سے عینی اور ابرار کو اپنے ہمراہ لے جانے کی اجازت چاہی۔

”ہاں عینی کو بے شک آپ لوگ اپنے ساتھ لے جائیں مگر ابرار کو تو رہنے ہی دیں..... چون کہ ہماری طرف لڑکے کا دلہن کے ساتھ چوتھی کے لیے جانے کا رواج نہیں۔“

”اچھا.....“ خالہ مایوس سی ہو گئیں۔ تب فلکی کی امی آگے بڑھیں۔ ”مگر ہماری طرف تو یہی رواج ہے کہ جب دلہن چوتھی کے لیے میکے جاتی ہے تو اس کا دو لکھا بھی ہمراہ ہوتا ہے۔“

”مگر ہمارے ہاں ایسا کوئی دستور نہیں۔“ ابرار کی والدہ نے بے رخی برتی۔

”ٹھیک ہے آنٹی! جیسے آپ خوش۔“ کامران بھائی اور احمر جو قریب ہی کھڑے خواتین کی گفتگو توجہ سے سن رہے تھے، آگے بڑھ آئے اور جلدی سے مداخلت کی تاکہ معمولی سی بات پر دونوں گھرانوں کے بیچ کوئی تلخی جنم نہ لے۔

”پرسوں شام میں چار پانچ لوگوں کے ہمراہ عینی کو لینے کیلئے آؤں گی۔“ ان لوگوں کے چلتے ہی ابرار کی والدہ نے محض اطلاع دی اور بس۔

☆☆☆

یعنی کے گھر پہنچتے ہی فلکی کی امی اور کامران بھائی نے اپنے گھر واپسی کے لیے اجازت چاہی۔

”صبح ناشتے کے بعد چلے جانا۔“ خالہ نے انہیں روکنا چاہا۔

”نہیں مئی! اب ہمیں اجازت دو، آج صبح سے ہی گرد آلود ہوائیں چلتی رہی ہیں۔ سارا گھر مٹی مٹی ہو رہا ہوگا۔“ فلکی کی امی نے فوراً واپسی

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

کا جواز پیش کیا۔

”اچھا تو پھر بچوں کو تو چھوڑ جائیں۔“

خالہ کے کہنے پر امی ہنس دیں۔ ”اور بھلا ان کے بنائیں تنہا گھر پر کس کام کی؟ کام کاج تو سارا یہی کرتی ہیں۔“

”اچھا پھر پرسوں صبح ہی پہنچ جانا۔“ خالہ نے تاکید کی۔

”ہاں تم بے فکر رہو۔ ہو سکتا ہے ہم کل شام بھی ذرا دیر کو چکر لگا جائیں۔“ امی نے خالہ کو گلے لگا کر دلا سہ دیا۔

امی کی ہدایت پر فلکی اور نمبر 1 جلدی سے اپنی بکھری ہوئی چیزیں سمیٹنے لگیں جب کہ دیگر کزنز نے یعنی کواپے گھرے میں لے رکھا تھا اور اس

سے چھیڑ چھاڑ کر رہی تھیں۔ بھاری بھر کم بناری غرارہ سوٹ بدلنے کے بعد لائٹ پیچ کلر کے کٹن کے لباس میں خود کو کافی ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی مگر

پنڈلیوں پر کتوں کے پنجوں سے پڑنے والی خراشیں اسے بے چین کیے ہوئے تھیں۔ بھلا ہوشبو آپی کا جنہوں نے کپڑا بدلواتے ہوئے چپکے سے اس کی

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

زخموں پر ٹیوب لگا دی تھی۔

خالہ کی نند کی بیٹیوں نے اس وقت کچن کا چارج سنبھالا ہوا تھا اور سب لوگ مارگرم چائے کی پیالیاں پیش کی جا رہی تھیں۔ چائے پی کر ان

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

سب نے اجازت چاہی۔

”تو تم لوگ رک جاؤں ناں۔ خالہ بے شک چلی جائیں۔“ یعنی نے فلکی کا ہاتھ تھام کر کہا۔

”تم فکر مت کرو۔ ہم کل دوبارہ چکر لگائیں گے۔“ فلکی نے اس کی ہتھیلی کی پشت تھپتھپائی۔

اگرچہ نشو و دل ہرگز واپس جانے کو نہیں چاہ رہا تھا مگر مجبوری تھی، حالاں کہ پرسوں تو غنی کو بلوچستان کے لیے روانہ ہونا تھا مگر اس کا بس

چلتا تو ایک لمحے کے لیے بھی غنی کو اپنی نظروں سے دور نہ ہونے دیتی مگر بہت بے بس تھی اگرچہ انہیں گھر کے دروازے تک رخصت کرنے کے بعد غنی

بھی آیا اور سب سے خوب ہنس بول رہا تھا مگر نشو و جان بوجھ کر نظر انداز کر رہا تھا اور نشو اس کی بے رخی پر اندر ہی اندر تڑپ رہی تھی۔

دو تین دن سے بند گھر کو واقعی صفائی ستھرائی کی ضرورت تھی۔ سو اگلا تمام دن مختلف نوعیت کے گھریلو کاموں میں گزارا۔

اگرچہ یہ بات طے تھی کہ جس ڈرائیونگ اسکول میں فلکی نے ملازمت کے لیے انٹرویو دیا تھا اور جاب بھی حاصل کر لی تھی۔ انہوں نے فلکی

کی عدم دلچسپی اور ڈیوٹی پر حاضری نہ ہونے کے باعث کسی دوسری لڑکی کو اپائنٹ کر لیا ہوگا۔ تاہم کسی موہوم سی آس پر فلکی نے ڈرائیونگ اسکول فون کیا

اور یہ جان کر اسے بے حد خوشی ہوئی تھی کہ ناصر ف اس کی جگہ ابھی تک خالی تھی بلکہ فلکی کی درخواست پر اس کے پاس نے اسے ڈیوٹی پر حاضر ہونے

کے لیے مزید چار دن کی مہلت عنایت کر دی تھی۔

گھر کے کاموں سے فراغت پاتے ہی فلکی نہانے چلی گئی اور بال سلجھانے کے بعد یونہی آئینے کے آگے جا کھڑی ہوئی۔ کتنے ہی دنوں بعد آج وہ یوں بال سنوار کر آئینے کے روبرو آئی تھی۔ اسے خود اپنا آپ اجنبی سا لگا۔

آنکھوں تلے حلقے، راتوں کو جاگ کر روتے رہنے کی گواہی دے رہے تھے۔ گلاب کی پگھڑیوں جیسے ریشمی لب، کملا کر جامنی رنگت اختیار کر گئے تھے۔

کیا واقعی فلکی اپنی زندگی سے مطمئن ایک ایسی عورت دکھائی دے رہی تھی جسے شوہر کا اعتماد، اس کی محبت اور بے پناہ پیار حاصل تھا.....؟ ہرگز نہیں.....

بلکہ اس کے چہرے پر توبے تو جہی اور محرومی کی گرد جم چکی تھی اور اس کے نازک وجود پر گویا صدیوں کی تھکن طاری تھی۔ دل کا کرب آنکھوں سے واضح طور پر نمایاں تھا، اس کی روح زخمی اور بدن چھلنی ہو چکا تھا۔ قدم مزید مسافتیں طے کرنے کی طاقت کھو چکے تھے۔ کسی کو کھودینے کا ملال ہمیشہ کے لیے اس کی کھوکھلی ہنسی کا سنگی وساتھی بن چکا تھا۔

تو پھر وہ بھلا کب تک اپنی شکست کے مرقدر پر جھوٹی جیت کے پھول چڑھا کر سب کی آنکھوں میں دھول جھونکتی رہے گی۔

کیا دنیا کے سبھی لوگ اتنے پاگل ہیں جو اس کی غلط بیانی پر من و عن یقین کر لیں گے؟

یہ نالک بھلا کتنی دیر کا میا بی سے چل سکے گا.....؟ وہ ایک طلاقن کو کب تک سہاگن کے کردار میں دنیا والوں کے آگے پیش کرتی رہے گی.....!!

اور جب بھانڈا پھوٹے گا تو.....

خواہ مخواہ کتنی ہزیمت اٹھانا پڑے گی۔

اب اس ڈرامے کا اختتامی منظر پیش کر ہی دینا چاہیے اور اس کے لیے اسے اپنے شکستہ وجود کو یکجا کرنا ہوگا تاکہ لوگوں کی باتوں کا سامنا کر سکے۔

سب کے آگے سچ بول سکے.....!

کیا ہوگا.....؟

زیادہ سے زیادہ لوگ اس کے خلاف باتیں بنائیں گے، اسے کمزور، بدکردار اور بری عورت سمجھیں گے، جو اپنا گھر تک نہ بسا سکی۔

اتنی جلد ٹھپے کھائی ہوئی گیند کی طرح واپس پلٹ آئی۔ کبھی پلٹ کر نہ جانے کے لیے۔

مگر.....

کوئی اس سے اس کا رزق تو نہیں چھین لے گا۔

زندگی کی سانسوں پر سے اس کا حق تو ختم نہیں ہو جائے گا۔

مجازی خدا کے دھککارنے کے بعد خدائے حقیقی تو منہ نہیں موڑے گا اس سے۔

چوں کہ وہ تو تمام تر حقیقت سے باخبر ہے۔ تو شہ رگ سے زیادہ قریب ہے۔ آنسوؤں کی نمی سے اس کے رخسار بھیگ گئے۔ تب بے

اختیار اس کے دل سے دعا نکلی۔

”یا اللہ! مجھے ہمت دے کہ سچ بول کر لوگوں کی نفرتوں کو سہنے کا حوصلہ کر سکوں۔ مجھے صبر و استقامت عطا فرما، چوں کہ اے کاتبِ تقدیر میں تیرے لکھے پر راضی رہنا چاہتی ہوں پس تو مجھے ہر حال میں اپنی شکرگزاری کی توفیق عطا فرما۔“

<http://kitaabghar.com>

فلکی کا رواں رواں جیسے خالق کائنات کے روبرو سرسجھو دھما۔

عصر کی نماز ادا کر کے فلکی باہر آئی تو شبو آپی کو صحن میں کامران بھائی اور امی سے باتوں میں مشغول پایا جب کہ نشوکیاریوں میں لگے پودوں کو پائپ سے پانی دے رہی تھی اور شبو آپی سب کو دھیرے دھیرے یعنی کے سرال میں پیش آنے والے حالات و واقعات بتا رہی تھیں۔

”مجھے تو وہ لوگ پہلے ہی دن سے ٹھیک نہیں لگے تھے۔ دولہا کی ماں بہنوں کے طور طریقے بڑے ہی الگ تھلگ سے ہیں۔“ نسرین بھابی نے کہا۔

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

”کہیں خالہ وغیرہ سے لوگوں کے انتخاب میں کوئی چوک تو نہیں ہوگئی۔“ کامران بھائی زیر لب دھیرے سے بولے۔

”مگر مئی! (خالہ) نے آخر تو دیکھ بھال اور چھان پھٹک کی ہوگی۔“ امی نے کہا۔

”ہاں مگر امی! خالو تو بہت سیدھے سادے انسان اور ریٹائرمنٹ کے بعد تو وہ ویسے بھی بس گھر تک ہی محدود ہو کر رہ گئے ہیں اور خالہ کے دونوں بیٹے بھی انتہائی شریف اور اپنے کام سے کام رکھنے والے ہیں۔ مردم شناسی کے لیے بہت تجربے کی ضرورت ہوتی ہے اور ابھی اس لحاظ سے ان کی عمر ہی کیا ہے، لیکن خدا کرے کہ یعنی کی قسمت بہت اچھی ہو اور وہ اپنے گھر میں بڑی بھرپور زندگی گزارے۔“ فلکی نے خلوص دل سے دعا کی۔

”آمین۔“ شبو آپی نے آواز بلند کیا۔

”پہلے زمانے کے لوگ غیروں میں اس وقت تک بچوں کے رشتوں کے لیے ہاں نہیں کرتے تھے جب تک کہ ان کے یہاں کوئی شادی یا

موت میں شمولیت نہ کر لیتے چوں کہ ان مواقعوں پر تمام پوشیدہ رشتہ دار اور سارے رسم و رواج دیکھنے کو ملتے ہیں اور یوں کافی چھان پھٹک کر اور سوچ بچار کے بعد ہی کوئی فیصلہ کرتے تھے مگر اب ایسی باتوں کے لیے گویا وقت میں برکت ہی نہیں رہی، ہر کام میں غلت و آدھاپا کا دور ہے۔“ امی نے

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

پاندان سامنے سے ایک طرف سرکاتے ہوئے تاسف سے کہا۔

”ساری بات نصیبوں کی ہوا کرتی ہے امی! اور نہ تو دیکھ بھال سے بھلا کیا ہوتا ہے؟“ فلکی نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا تو امی نے چونک کر سر اٹھایا اور سرد آہ کھینچی۔

”ہاں تم ٹھیک کہتی ہو بیٹی! خدا بیٹی دے تو بس نصیب اچھے کرے۔“

”امی کڑھی کو بگھار پیاز کا لگے گا کہ لہسن کا؟“ نمرانے اچانک کچن سے نکل کر امی سے پوچھا۔ آج کل وہ کھانا پکانا سیکھ رہی تھی اس لیے کچن میں تو اتار سے نظر آیا کرتی۔

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

”کڑھی کو تو گن کر پوری سات چیزوں سے بگھارا جائے تو بے حد لذیذ بنتی ہے، وہ چیزوں کو کون کون سی ہیں، آؤ میں بتاتی ہوں۔“ شبو آپی

اٹھ کر اس کے ساتھ بچن کی طرف چل دیں۔

”کھانا اگر آج نہ رہا تو ہمارے معدوں کا تو پھر اللہ ہی حافظ ہے۔“ کامران بھائی مسکرا کر بولے۔

☆☆☆

”واہ بھئی واہ.....! کیا تحفہ پیش کیا تم نے ہماری خدمت میں سینکڑوں۔ ریشمی غلافوں میں لپٹا، ہزاروں پردوں میں چھپا، جس کی نقاب کشائی کرنا چاہی تو ہمارے ہاتھ ہی رخمی ہو گئے۔ میں پوچھتا ہوں کہ یہ تحفہ تھا یا ہمارے ارمانوں پر بمباری کی تھی تم نے؟“ شوکت خان نے غصے سے کہا۔

جواباً نادیہ بی کی مترنم ہنسی سنائی دی۔ ”یہ لیجئے..... زرینہ جی پاس ہی بیٹھی ہیں، ان سے بات کیجئے۔“ نادیہ نے ریسور آگے بڑھا دی۔

”جی خان صاحب! سنا ہے بڑے خفا رہنے لگے ہیں آج کل ہم سے؟“ اس نے بڑی ادا سے کہا۔

”نہ تمہارے ساتھ اس طرح ہوتا تو تم کیا کرتیں؟“ شوکت خان پھنکارا۔

”صبر.....! زرینہ اطمینان سے بولی۔

”کیا آپ کو نہیں پتا خان جی! کہ وحشی گھوڑی کو جب تک سدھانہ لیا جائے، تب تک وہ کسی کو اپنے پٹھے پر ہاتھ نہیں دھرنے دیتی۔ سدھانے کے بعد ہی اسے تانگے میں جوتا جاتا ہے اور آپ..... آپ ہمارا تحفہ پا کر ایسے نہال ہوئے کہ ہر احتیاط ہی بھلا ڈالی۔ اب یہ ہم ہی جانتے ہیں کہ کس طرح اپنی پلکوں سے کانٹے چنیں گے جو آپ نے انجانے میں ہماری راہ میں بودیے ہیں۔ خیر جانے دیجیے..... آپ یہ بتائیے کہ مال پسند تو آیا تھا ناں آپ کو؟“ وہ پیشہ ورانہ مسکراہٹ چہرے پر سجا کر بولی۔

”ایسا ویسا.....!“ شوکت خان نے کسی نمدیدے بچے کی طرح ہونٹوں پر زبان پھیری۔ ”بھئی! ہمارے تو ہوش و حواس ہی گم ہو گئے تھے دیکھ کر۔“ افاقتا معصوم اور بے داغ حسن..... سچ پوچھو تو ہیروں کی سوداگری خوب آگئی ہے تمہیں۔ تمہارے حسن انتخاب کی تو داد نہ دینا واقعی زیادتی ہوگی۔“ جواباً ریسور پر زرینہ کی کھلکھلاہٹ سنائی دی۔

”اور ہاں مگر یہ کانٹے چننے والی بات بھی تم نے خوب کی ہے۔“ شوکت خان نے اپنی بات جاری رکھی۔ ”حالاں کہ تمہیں معلوم ہے کہ یہ کانٹے بھی ہماری مدد سے ہی چنے جائیں گے۔ ہم اشارہ کریں گے اور راہ ہموار ہوتی چلی جائے گی پھر بھی ایسی فکر مندی.....“

”نہیں، مجھے معلوم ہے کہ آپ کے ہوتے ہوئے مجھ پر کوئی آنچ آسکتی ہے بھلا؟“ زرینہ مکاری سے مسکرائی۔

”تو پھر کب تک امید رکھوں اس نادر ہیرے کی؟“

”اس کے لیے تو فی الحال انتظار ہی فرمائیے۔ کہیں تو کچھ اور بھی جوادوں؟“

”نہیں..... اب اس سے کم پر طبیعت راضی نہیں ہوگی۔“ شوکت خان کی بے صبری پر زرینہ ہنس دی اور محض سرد آہ بھر کے رہ گیا۔

☆☆☆

میراب سخت الجھن میں تھا کہ اچانک قدموں کی آہٹ سن کر پلٹا اور جلدی سے کی ہول سے نظر ہٹا کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ شاید اوپر والے فلیٹ سے کوئی سیڑھیاں اتر کر اس فلور پر آ رہا تھا۔ یہ ایک موٹا تازہ سرخ منہ والا امریکی تھا، جو میراب پر ایک طائرانہ نظر ڈال کر آگے بڑھ گیا تھا۔ میراب چند لمحے تو لیزا کے فلیٹ کے سامنے کھڑا رہا اور پھر مایوسی کے عالم میں تھکے تھکے سے انداز میں سیڑھیاں اتر کر نیچے کھڑی اپنی گاڑی میں جا بیٹھا۔ اسے ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ جو کچھ اس کی نگاہوں نے دیکھا، کیا وہ سچ تھا.....؟؟



کتاب گھر کی پیشکش

http://kitaabghar.com

کتاب گھر کی پیشکش

http://kitaabghar.com

شعور شعنی خیر واقعات میں الجھی ہوئی بیت ناک داستان

کالے چراغ

(اسم اے راحت)

- ▶ پاتال جیسی اتھاہ گہرائیوں میں سات بے نور چراغ جنہیں انسانی خون سے روشن کرنا تھا۔
- ▶ بہتی علی جاہ کے معصوم دیہاتی کو پیش آنے والے شعنی خیر واقعات۔
- ▶ ایک بدروح نے اسے قبضے میں کر کے اس سے سات خون کرائے۔
- ▶ چپاوتی، جس کے سامنے بھوت اور آسیب بھی کانپتے تھے۔
- ▶ وہ صرف اماؤں کی رات کے گھور اندھیرے میں پیدا ہونے والوں کا خون مانگتی تھی۔
- ▶ دو خوفناک کالی طاقتوں کا کراؤ، دونوں صدیوں جیسے کا خواب دیکھ رہے تھے۔ غمگینی مان کون تھا؟
- ▶ جادو چمکتی پراسرار، دہشتناک کہانی۔

اپنے ہا کر یا قریبی بکسٹال سے طلب فرمائیں

کامیاب بک ڈپو

۴

علی میراں پبلیکیشنز

ناشر

نیو اردو بازار کراچی

۲۰۔ عزیز مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 7247414

اسلم راہی کے سحرانگیز قلم سے سحر و سراسر میں ڈوبا ہوا پہلا خوفناک ناول

بدروحوں کے پجاری

خوف، محرم، جادو، پراسراریت، سہنس سے بھرپور کہانی

قیمت
150
روپے

- ✽ یو کا کون تھی؟ ناگن یا انسان؟
- ✽ لاہور کے سینکڑا مندر میں کیا ہو رہا تھا؟
- ✽ کیا اونچی چمارن ایک غیبت بدروح تھی؟
- ✽ پیر بخال کی پراسرار چوٹیوں پر کس کی حکومت تھی؟
- ✽ زہریلے انسان کون تھے اور کہاں سے آئے تھے؟
- ✽ رام دیاس، سندھو اس اور چوٹی لال۔ تین انسان تین شیطان۔
- ✽ ایک قلبی گر کی داستان عجب۔ بڑے بڑے عامل اس سے گھبراتے تھے۔
- ✽ خونی تالاب کے کنارے پراسرار ہول کس کا تھا؟
- ✽ نظریہ آنے والی خوفناک موت کس نے سمجھی تھی؟
- ✽ طلسمی غار جہاں انسان اپنے حواس کھو بیٹھا تھا۔

اپنے ہا کر یا قریبی بکسٹال سے طلب فرمائیں

کامیاب بک ڈپو

۴

علی میراں پبلیکیشنز

ناشر

نیو اردو بازار کراچی

۲۰۔ عزیز مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 7247414

باب-7

کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

<http://kitaabghar.com><http://kitaabghar.com>

لیزہ کسی بوائے فرینڈ کے ہمراہ رہ رہی تھی اور کبھی اسے بتایا تک نہیں۔ اس وقت ان دونوں کے درمیان شاید کسی بات پر گرما گرمی ہو رہی تھی مگر کسی چیز کے چھناکے کے بعد شاید دونوں گھٹم گھٹا ہو گئے تھے۔ دونوں ہی جنگلی درندوں کی طرح چیخ رہے تھے مگر پھر نجانے کیا ہوا کہ بعد میں یہ غراہٹیں شاید پیار بھری سرگوشیوں میں بدل گئی تھیں چونکہ اس کے بعد اندر گہرا سکوت چھا گیا تھا۔ صرف ایک آدھ بار لیزہ کی بے ساختہ کھنکھاتی ہوئی ہنسی سنائی دی، جیسے کسی کی انگلیاں اسے گدگدا رہی تھیں اور بس..... طویل خاموشی۔ باہر دروازے سے لگا میراب جھنجھلا اٹھا، حالاں کہ وہ تو دل سے اس بات کا منتظر تھا کہ اگر معاملہ زیادہ سنگین ہوا تو وہ بے دریغ لیزہ کی مدد کے لیے اندر چلا جائے گا اور اس بد معاش کو ایسا مزہ چکھائے گا کہ وہ بھی زندگی بھر بس یاد ہی کرے گا مگر وہاں تو شاید بازی ہی پلٹ چکی تھی۔ بے دلی سے گاڑی اسٹارٹ کر کے میراب مین روڈ پر آ گیا۔ اس کا ذہن اس وقت سخت منتشر تھا۔ بے دھیانی میں کار ڈرائیو کرتے ہوئے اچانک اس کی نظر کسی کلب کے جگمگاتے ہوئے سائن بورڈ پر پڑی اور اس نے گاڑی کلب کی پارکنگ کی طرف موڑ لی۔ جیسے ہی دروازہ کھول کر میراب کلب کے اندر داخل ہوا سگریٹوں کے کثیف دھوئیں اور مختلف شرابیوں کی ٹلی جلی بونے اسے اپنے حصار میں لے لیا، اگرچہ میراب کی پوری زندگی یورپ و امریکا میں ہی گزری تھی مگر اس قسم کے کلب میں آنے کا اتفاق اسے آج پہلی مرتبہ ہو رہا تھا۔ اسے یہاں کا ماحول کافی گھٹیا قسم کا لگا مگر اس سے پہلے کہ وہ واپس پلٹتا آئے تو رنگت اور انتہائی مختصر لباس والی دولڑکیوں نے اسے دائیں اور بائیں سے گھیر لیا اور اپنے ساتھ لیے ایک میز کرسی کی طرف چل دیں۔

”چھوڑو مجھے.....“ میراب انہیں پیچھے دھکیلتا، وہ اتنا ہی سوڑھ ہوتی جا رہی تھیں پھر زبردستی اسے ایک کرسی پر بٹھا کر دونوں اس کے سامنے آ گئیں۔

”کیا لینا پسند کرو گے؟“ دونوں نے فر فر بدیسی مشروب کے نام گنونا شروع کر دیے

”کچھ نہیں چاہیے مجھے۔ پلیز جاؤ تم یہاں سے“ میراب نے بیزاری سے کہا۔

”کیوں؟ تم آج صرف یہاں نظروں سے پینے آئے ہو؟“ ایک نے شرارت سے اپنی انگلی کی نوک سے میراب کی ناک چھوئی اور دوسری نے ہنس کے بے باکی سے اس کی ران پر چٹکی بھری۔

”مم..... مم..... مجھے واپس جانا ہے۔“ میراب گھبرا کا اٹھ کھڑا ہوا۔

”ابھی سے.....؟“ دونوں لڑکیاں ایک ادائے دلبرانہ سے ہنس دیں اور میراب کو تھام کر دوبارہ کرسی پر دھکیل دیا۔ دفعتاً تیز میوزک بج اٹھا اور دونوں لڑکیاں اس کی لے پر تھرکنے لگیں۔

میراب نے دیکھا ہال کی تمام کرسیاں پر ہو چکی تھیں اور بے شمار لڑکیاں کرسیوں کے سامنے دھری میزوں پر لوگوں کے من پسند مشروبات سرو کرنے کے ساتھ ان پر پروانہ وار شمار ہو رہی تھیں۔ ابھی میراب ماحول کا جائزہ ہی لے رہا تھا کہ ایک طرف سے دو سیاہ فام وحشی نمودار ہوئے اور تیزی سے میراب کی سمت لپکے۔ ان کے خطرناک تیور دیکھ کر میراب کے اعصاب کچھ تن سے گئے۔ ان میں سے ایک قدرے گنجا سا تھا، میراب کی طرف بڑھا۔

”نکالو بیس ڈالرز۔“ وہ غرایا۔

”مگر کیوں.....؟“ میراب نے احتجاج کیا۔

”یہ اس کلب کی داخلہ فیس ہے پیارے!“ دوسرے نے چیونگم چباتے ہوئے بد معاشی سے میراب کو آنکھ ماری۔

”اوکے..... میں واپس جا رہا ہوں بس یوں سمجھ لو دوست! کہ غلطی سے اندر آ گیا۔“

”بے شک غلطی سے ہی، لیکن اندر تو آئے ہونا؟ اور غلطی کی قیمت ہے بیس ڈالرز۔ نکالو فوراً۔“ صبحے جشی نے گویا چہرے کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں سفید تیشی کی نارچ روشن کر دی۔ ان کے تیور کا کافی خطرناک دکھائی دے رہے تھے چنانچہ میراب نے چپکے سے بیس ڈالرز والٹ سے نکال کر ان کی سمت بڑھائے۔ دونوں پیسے لے کر سر سے ٹلے تو میراب نے سکون کا سانس لیا۔

اس کے ساتھ وہ آفت کی پرکالا ئیں بھی اڑن چھو ہو گئیں تو میراب کو یکدم ہی فضا ہلکی پھلکی محسوس ہونے لگی۔ اچانک ہال میں اندھیرا چھا گیا لیکن اس کے ساتھ ہی سامنے بنے ہوئے اونچے چوترے کو جسے باقاعدہ کی شکل دی گئی تھی اچانک وہاں تیز روشنیاں جل اٹھیں تو ہال میں ہر سمت مدھم سا جالا پھیل گیا اور پھر وہی گنجا جو ابھی کچھ ہی دیر پہلے میراب سے اپنے ساتھی کے ہمراہ ڈالرز نکالوانے آیا تھا اس وقت اسٹیج پر چڑھا ہاتھ میں مائیک تھا مے اعلان کر رہا تھا۔

”پیارے حاضرین! مجھے معلوم ہے کہ اس لمحے آپ کی بے تابی اپنے پورے عروج پر ہے لیکن گھبرائیے مت چوں کہ چند ہی لمحوں بعد آپ کے انتظار کی گھڑیاں ختم ہونے والی ہیں اور آپ سب کے دل کی دھڑکنوں کو بے ترتیب کرنے کے لیے اسٹیج پر آ رہی ہیں.....“ اس نے چند لمحوں کے لیے رک کا حاضرین کی طرف دیکھا۔ ہال پر مکمل سکوت طاری تھا۔ شاید میراب کی طرح سبھی دھڑکنوں کی آواز سننے میں مشغول تھے۔

”آپ کا صبر زیادہ نہیں آزماؤں گا۔“ گنجے نے اپنی چمکتی ہوئی چندیا پر ہاتھ پھیرا اور خود بخود مسکرایا۔ ”تو لیجئے سنھیلیے..... آپ کے دلوں پر اپنی اداؤں کی بجلی گرانے کے لیے آ رہی ہے..... مس ٹو بی.....“

آرکسٹرانے ڈرم پر ہیٹ دی اور تالیوں کی بے شمار گونج میں ایک سفید فام حسینہ موتیوں اور جھالروں سے مزین لباس پہنے نسل چیل کی نوک پر اک ادا ئیں دلبرانہ سے اسٹیج پر حاضرین کے سامنے آئی اور جھک کر سلام نیاز پیش کیا۔ اسے دیکھتے ہی لوگ جوش سے بے قابو ہونے لگے۔ تب اس نے مسکراہٹ کا تیر چلا کر بڑی ادا سے حاضرین کی جانب ایک فلائنگ کس (Flying Kiss) ہوا میں اچھالی اور اس کے ساتھ آرکسٹرانے کوئی تیز دھن چھوڑ دی اور حسینہ بے ساختہ تھرک اٹھی۔ اس کے قص کی مہارت دیکھ کر میراب ششدر رہ گیا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا گویا اس کے ساتھ آج تمام کائنات وجد میں آ گئی

ہے۔ رقص کے دوران ایک جھٹکے سے لڑکی نے اپنے بالوں سے ربن کی بنی ہوئی بو (Bow) اتار پھینکی اور اس کے ریشمی گھنے بال شانے پر بکھر گئے۔ کچھ اس طرح تھرکتے رہنے کے بعد لڑکی نے گلے میں پہنا ہوا پھولوں کا زیور اتار اور اپنے خوبصورت لبوں سے چھو کر اسٹیج کے سامنے قریب ہی بیٹھے ایک نوجوان کی گود میں پھینک دیا۔ وہ نوجوان تو اپنی اس خوش بختی پر دم بخود ہی رہ گیا اور پھولوں کی اس مالا کو جھپٹ کر دیوانہ وار چومنے لگا۔ یہ منظر دیکھ کر لڑکی کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اس کا تیز تر ہوتا رقص رفتہ رفتہ جنون کی شکل اختیار کر رہا تھا۔

تب لڑکی نے اپنی عنابی ستاروں والی جیکٹ اتاری اور حاضرین کی جانب اچھال دی۔ کئی منچلے دیوانہ وار اس جیکٹ پر جھپٹ پڑے۔ جیکٹ سے اٹھنے والے مس ٹوپی کے زیر استعمال پرفیوم کی مہک نے گویا انہیں وقتی طور پر پاگل کر دیا تھا۔

یہ نظارہ دیکھ کر مس ٹوپی کی مسکراہٹ مزید جان پکڑ گئی اور اس کے رقص میں بھی پہلے سے زیادہ شدت اور والہانہ پن آ گیا تھا اور پھر اس نے اپنے جسم پر لباس کی صورت لدے ہوئے بوجھ سے رفتہ رفتہ نجات حاصل کرنا شروع کر دی۔ ہال میں موجود لوگ جیسے ہوش و حواس کھو بیٹھے۔ ان کی نظروں کے عین سامنے گویا سونے سے تراشی ہوئی اک بے لباس مورت اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ محو رقص تھی اور وہ جلد از جلد پروانے کی صورت اس شمع پر نثار ہونے کو بے قرار تھے۔ خود میراب کی کیفیت بھی باقی لوگوں سے جدا نہ تھی بلکہ وہ تو ہاتھ میں تھامے مشروب کا گھونٹ بھرنا بھی بھول چکا تھا۔ آخر کار لڑکی نے اپنے آخری مختصر بوجھ سے بھی چھٹکارا حاصل کیا اور ادھر ڈرم پر اسٹک کا آخری وار گونجا اور لڑکی نے اپنے رقص کو اختتامی موڑ دے کر سامنے بیٹھے لوگوں کے آگے جھک کر بے پناہ تالیوں کی گونج میں ان کا شکریہ ادا کیا۔ اسی دوران ایک نوعمر سیاہ فام لڑکا ہاتھ میں نرم و گداز تولیہ تھامے اسٹیج پر دوڑا چلا آیا اور لڑکی کو تھما کر اسی طرح دوڑتا ہوا واپس چلا گیا۔ پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان لڑکی نے حاضرین کی طرف ایک الوداعی بوسہ اچھالا اور تولیے سے اپنا پسینہ سے تر بدن پونچھتی اسٹیج سے اتر کر غائب ہو گئی۔

شوخم ہو چکا تھا۔ اسٹیج پر تارکی چھا گئی تھی اور ہال کی لائٹس آن ہو گئی تھیں مگر لوگ ابھی تک مس ٹوپی کے سحر سے پوری طرح آزاد نہیں ہوئے تھے۔

”کچھ چاہیے؟“ شوخم ہوتے ہی وہی دولڑکیاں عذاب کے فرشتوں کی طرح ایک بار پھر میراب کے سر پر نازل تھیں۔ ”نہیں پلیز! بس اب گھر جاؤں گا۔“ میراب نے مشروب کا آخری گھونٹ بھرا اور پھر ایک جھٹکے سے کھڑا ہو گیا اور اسی دوران ایک جانب سے گینڈے جیسے گردن والا سیاہ فام نکلا اور سیدھا تیر کی طرح میراب کی سمت آیا۔

”میرے ساتھ چلو۔“ وہ غرایا۔

”مگر کہاں؟“

”تم اس وقت سوال پوچھنے کی پوزیشن میں نہیں ہو۔“ اس نے میراب کا سوال نظر انداز کر دیا۔ ”چلو..... جلدی کرو..... اس طرف.....“ کرڑڑ کی آواز پر میراب نے گھوم کر دیکھا تو اس سیاہ فام کا دوسرا ساتھی منہ میں سگریٹ دبائے ایک سمت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے گراری والا چاقو کھول رہا تھا اگرچہ ان دونوں ساتھیوں کی نیتیں بہر حال ٹھیک نہیں لگ رہی تھیں مگر ان کی بات

ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ سو میراب چپ چاپ ان دونوں کے آگے چلنے لگا۔ نسبتاً اندھیرے گوشے میں پہنچتے ہی دونوں میراب پر بری طرح جھپٹ پڑے۔ ”جو کچھ بھی تمہارے پاس ہے فوراً سب نکال دو۔“ گینڈے جیسی گردن والے نے اپنی مٹھی میں میراب کے بال جکڑ لیے۔ ناچار میراب نے جیکٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالا تاکہ والٹ باہر نکال سکے۔

”خبردار! کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش مت کرنا۔“ چاقو بردار نے چاقو کی نوک میراب کی ہتھیلی کی پشت میں پرو دی۔ درو کی ایک شدید ٹیس اٹھی اور میراب سسک کر رہ گیا۔

”اب یہ عورتوں والی ادائیں دکھانا بند کرو اور فوراً اپنی قیمتی رسٹ وایچ اتار کر میرے حوالے کر دو۔“ موٹے کے حلق سے غراہٹ ابھری۔ ”پہلے والٹ نکالو یا رسٹ وایچ اتار دو؟“ میراب نے کنفیوز ہو کر پوچھا۔ جواباً سامنے کھڑے موٹے سیاہ فام نے ربڑ کی گیند کی مانند اچھل کر اس کے پیٹ میں اپنا گھٹنا مارا اور دردی شت سے کراہتے ہوئے میراب دہرا ہوا گیا۔

”دونوں کام فوراً کرو کسی احمق کی اولاد!..... تم بہت ہی سست اور کاہل الوجود انسان ہو۔“ چاقو بردار نے چاقو کا پھل بے رحمی سے میراب کی پسلیوں میں چھبھو دیا۔ میراب نے اپنے حواس مجتمع کیے اور جلدی سے اپنا والٹ نکال کر ان دونوں کے حضور پیش کیا اور ساتھ ہی اپنی رسٹ وایچ بھی اتار کر ان کے حوالے کر دی۔

”گنڈ! سیاہ فام نے والٹ کھول کر نوٹ گنے۔ ڈیڑھ ہزار ڈالرز..... اور مطمئن ہو گیا۔“

”اب میں جاسکتا ہوں دوست؟“ میراب نے مسکرا کر اجازت طلب کی

”ہاں..... مگر ٹھہرو۔ تمہاری جیکٹ بھی شاید نام کو پوری آجائے گی..... کیوں نام؟“

”ہاں دیکھنے میں تو خاصی قیمتی لگتی ہے۔“ نام نے قریب آ کر اس کا لیڈر چیک کیا۔ ”چلو اتارو اسے بھی..... فوراً..... جلدی کرو۔“ اور میراب نے جیکٹ اتار کر انہیں تھمائی اور جانے کے لیے مڑا۔

”سنو.....!“ مائیک نے پیچھے سے میراب کو مخاطب کیا

”کیا مس ٹروبی سے ملنے کی خواہش تمہیں نہیں اکسارتی؟“

”مس ٹروبی کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے اب میرے پاس کچھ باقی نہیں بچا۔“ میراب نے سرگھا کر آہستہ سے جواب دیا۔

پیچھے دونوں کا قہقہہ گونجا جسے نظر انداز کر کے میراب آگے بڑھ گیا۔

☆☆☆

ہوا خنک تھی، میراب اپنی کار کی طرف بڑھا اور دروازہ کھول کر جلدی سے ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان ہو گیا۔ اس کی ہتھیلی کی پشت پر جہاں جشی نے چاقو کی نوک چھبھوئی تھی وہاں سے لکیر کی صورت مسلسل خون بہہ رہا تھا، جسے میراب نے پینٹ کی جیب سے رومال نکال کر صاف کیا اور بعد میں اسی رومال کو زخم پر اچھی طرح کس کے لپیٹ لیا تاکہ خون کا بہاؤ قدرے سست ہو سکے اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ اس وقت میراب کا دل

شدت غم سے نڈھال تھا۔ بھلا لیزا کا کسی دوسرے مرد کے ساتھ رہنا اسے کب گوارہ تھا۔ وہ تو اس کا کسی کے ساتھ ہنسنا بولنا بھی ایک حد سے آگے برداشت نہیں کرتا تھا۔ محبت کے معاملے میں کافی شدت پسند اور حاسد تھا وہ۔ تبھی لیزا کی محبت کو دل کا روگ بنا کر بیٹھا تھا۔ سچ ہے کہ مرد اول تو کسی بھی عورت سے اتنی شدید محبت ہی نہیں کرتا، اس کے لیے روگ یا اس کی ترقی میں رکاوٹ بنے لیکن اگر ایسا ہو جائے تو پھر قیس بن کر صحراؤں کی خاک چھان ڈالتا ہے، رانجھا بن کر ہیر کی بھینیس چرانے کو بھی اپنے لیے سعادت سمجھتا ہے اور فرہاد کی طرح اپنے بچے جذبات کے تیشے سے سنگا خ چٹانوں کا سینہ چیر کر دودھ کی نہریں کھود ڈالتا ہے لیکن جب وہ کسی عورت سے محض دل لگی کی خاطر جذباتی آسودگی حاصل کرنا چاہتا ہے تو خود کو ایک پتھر کے دیوتا کے روپ میں ڈھال کر صرف اور صرف بھینٹ لیتا ہے اپنی پجارن کی خواہشوں، امیدوں اور امنگوں کے علاوہ اس کی جوانی کے مال و متاع کی۔ عورت و مرد کی محبت کے بنیادی فلسفے میں بھی ایک واضح فرق پایا جاتا ہے کہ جب عورت محبت کرتی ہے تو منہ زور اور سرکش جذبات سے مغلوب ہو کر ایثار و محبت کی ایک نئی تاریخ رقم کرتی ہے اور اپنے محبوب کی خاطر اپنے ماحول اور روایات سے بغاوت کر سکتی ہے، اس کے حصول کی طلب اسے کچے گھڑے پر دریا پار کرنے کے لیے اکساتی ہے اور وہ اس وقت صرف دریا پار پر یقین رکھتی ہے مگر مرد اپنے گرد و پیش سے انحراف کیے بغیر اسے صرف Manage کرتا ہے اور جہاں سے جیسا ہے کی بنیاد پر ایڈجسٹ کرنا چاہتا ہے اور اگر وہ کچی عمر کا نادان لڑکا نہ ہو تو محبت کے ساتھ ساتھ عزم و ہمت اور دانشمندی و تدبیر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔ ہاں مگر نارسائی کا کرب مضبوط سے مضبوط دل مرد کو بھی اکثر خون کے آنسو لا ڈالتا ہے۔

اور میراب..... جسے شاید سیکڑوں بار لیزا کی قربت میسر آ چکی تھی، ابھی تک اس لیے نارسائی کے کرب میں مبتلا تھا کہ اس کا مطمع نظر صرف جسم کی تسخیر ہی نہیں تھا بلکہ وہ تو لیزا کی روح کی گہرائی تک رسائی حاصل کرنا چاہتا تھا۔

میراب، مہی سے جلد واپس آنے کا کہہ کر گیا تھا مگر اس وقت رات کے ڈھائی بج رہے تھے۔ ناصرف یہ کہ لیزا سے ملنے اور اس کے ساتھ قص کرنے کی خواہش محض ایک خواب بن کر رہ گئی تھی بلکہ کئی اور طرح کے اٹلے سیدھے چکروں میں پڑ کر خواہ مخواہ اس کا وقت برباد ہوا تھا۔ میراب نے گاڑی پارک کی اور دبے قدموں چلتا گھر کے بیرونی دروازے تک پہنچا اور پھر خود ہی چونک اٹھا۔

”مارے گئے۔“ دروازے کی ڈپلی کیٹ چابی تو اس جیکٹ کی جیب میں تھی جو اس سیاہ فام حبشی نے ہتھیلیاں تھپی۔ ”اب کیا ہوگا؟“ میراب پر یکدم مایوسی طاری ہونے لگی۔ شاید آج کا دن ہی منحوس تھا کہ ”خدا ہی ملانہ وصال صنم۔“

یونہی بے دھیانی میں غیر ارادی طور پر دروازے کے ہینڈل پر ہلکا سا باؤ ڈالا تو دروازہ یوں کھلتا چلا گیا جیسے صرف اسی کے ایک اشارے کا منتظر ہو، یا پھر گھر والے اسے اندر سے لاک کرنا بھول گئے ہوں۔ اس اتفاق پر میراب حیران تو ہوا مگر پھر دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ یہ حسن اتفاق بھی گویا ایک طرح سے غنیمت ہے ورنہ رات کے اس پہر دروازہ کھلوانے کے لیے گھر کی گھنٹیاں بجنا بجاکے نیند سے جگانا پڑتا۔ یہی سوچتے ہوئے وہ دبے قدموں گھر میں داخل ہوا اور بے آواز چلتا ہوا اپنے کمرے کی جانب بڑھا۔

”آگئے میراب!“ مہی کی آواز پر میراب گویا پتھر کا بت بن گیا۔ کٹن کے پرنٹڈ نائٹ سوٹ میں ملبوس مہی اس کے پاس چلی آئیں۔

”آپ سوئی نہیں ابھی تک.....؟“ بمشکل تمام میراب اتنا ہی کہہ سکا۔

”سوئی.....؟“ ”مئی تلخی سے مسکرائیں۔“ جس ماں کا جوان بیٹا جلد گھر آنے کا وعدہ کر کے رات بھر کہیں غائب رہے تو اس ماں کو نیند آسکتی ہے بھلا؟“ میراب نے شرمندگی سے اپنا سر جھکا لیا۔ اسے پتا چل گیا تھا کہ مئی نے اس کے انتظار میں دروازہ کھلا چھوڑا ہوا تھا اور بے تابی سے اس کی منتظر تھیں۔

”مجھ سے تو رات کا کھانا بھی نہیں کھایا گیا کیوں کہ تم کہہ کر گئے تھے کہ کھانا گھر واپس آ کر میرے ساتھ ہی کھاؤ گے۔“ مئی نے گہری نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

”وہ..... وہ..... دراصل..... ان فیکٹ مئی!..... آئی مین.....“ میراب کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہے۔ تبھی چپ ہو کر اضطرابی انداز میں اپنا نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبایا۔ دفعتاً مئی کی نظر اس کے ہاتھ پر بندھے ہوئے رومال پر جا پڑی جو دھیرے دھیرے خون سے سرخ ہو چلا تھا وہ تمام غصہ بالائے طاق رکھ کر بے قراری سے آگے بڑھیں۔

”میرا!..... میرے لعل!..... یہ کیا ہوا؟“ اس لمحے مئی ماؤں کے روایتی روپ میں نظر آ رہی تھیں۔ میراب انہیں دیکھتا ہی رہ گیا۔ اسے اپنی ماں کا یہ انداز ہمیشہ سے بہت پسند تھا۔ بچپن میں بھی وہ انہیں پاپا (انکل) کے ساتھ کبھی فراغت سے بیٹھے ہنستے بولتے دیکھ لیتا تو جان بوجھ کر ان کی توجہ حاصل کرنے کے لیے الٹی سیدھی حرکتیں کرتا۔ یہاں تک کہ کبھی تو وہ جان بوجھ کر گر پڑتا تو خود ہی کسی طرح اپنے چوٹ لگوا لیتا تا کہ مئی تمام کام چھوڑ کر بس اسی کی طرف متوجہ رہیں۔ وہ جب دوادو غیر دے کر اسے اپنے سینے سے لگا کر بالوں میں انگلیاں پھیرتیں تو اک طمانیت بھرا احساس میراب کے رگ و پے میں سرایت کر جاتا۔

اس وقت بھی مئی دوڑ کر الماری سے اپنا فرسٹ ایڈ باکس اٹھا لائی تھیں اور میراب کو کمرے میں بیڈ پر بٹھائے پورے انتہاک سے اس کے ہاتھ کی ڈرینگ میں مصروف تھیں۔ ان کے چہرے سے الجھن عیاں تھی اور آنکھوں میں شاید آنسوؤں کی نمی چمک رہی تھی جسے وہ میرو سے چھپانے کی پوری سعی کر رہی تھیں اور میراب بس ایک ٹک انہیں کو دیکھے جارہا تھا۔ ڈرینگ سے فارغ ہو کر مئی نے ہاتھ دھوئے اور دوبارہ میراب کے پاس چلی آئیں۔

”میرو! تم ٹھیک طرح سے اوپر ہو کر بیڈ پر لیٹ جاؤ۔ میں ابھی تمہارے لیے گرم دودھ لاتی ہوں۔“ اسے ہدایت دے کر مئی کمرے سے باہر نکل گئیں اور جب کچھ دیر بعد واپس پلٹیں تو ان کے ہاتھ میں پرچ پر اووٹین ملے دودھ کا گلاس رکھا تھا۔

”لو بیٹا..... شاباش جلدی سے یہ دودھ پی لو..... یہ رہیں پین بکریٹلٹس۔ ذرا دیر بعد کھالینا۔“ مئی نے سہارا دے کر اٹھانا چاہا تو میراب نے انہیں ہاتھ کے اشارے سے منع کیا اور کوشش کر کے خود ہی اٹھ بیٹھا۔

”ڈونٹ وری می! I am absolutly dk!“ میراب کے تسلی دلانے پر مئی کی آنکھوں میں اطمینان ہلکورے لینے لگا۔ خدا کا شکر ہے کہ زخم زیادہ گہرا نہیں تھا اور نہ نائٹلے لگانے پڑتے۔

”مگر یہ سب ہوا کیسے؟“ مئی کے جس سوال کا وہ اتنی دیر سے منتظر تھا بالآخر سامنے آئی گیا۔

”بس مئی! چند بد معاشوں سے مد بھیڑ ہو گئی تھی۔ میرا والٹ ہتھینا چاہ رہے تھے وہ۔“ کلب جانے اور مس ٹروبی کے رقص سے لطف اندوز ہونے والی بات وہ جان بوجھ کر حذف کر گیا۔

”تو دے دیتے والٹ۔ تمہاری جان سے زیادہ قیمتی تو نہیں تھا، اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو.....؟“ می نے ڈبڈبائی آنکھوں سے میرا بک

سمت دیکھا۔

”جی می..... وہ تو خیر میں نے دے ہی دیا تھا مگر پھر بھی.....“ میرا بک منمنایا۔

”چلو خیر جو بھی ہوا..... مگر بات دراصل یہ ہے کہ ایک تو لیزا سے ملاقات کا جنون تمہیں کہیں چین نہیں لینے دیتا۔ وہ بالشت بھر کی لڑکی تمہارے حواسوں پر سوار ہو کر رہ گئی ہے۔“ میرا بک طبیعت کی جانب سے بے فکری ہونے کے بعد می اپنے سخت گیر ماں والے رول پر واپس پلٹ رہی تھیں۔ ”سچ بتاؤ میرا لیزا سے ملنے گئے تھے نا تم؟“ می نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

”جی..... میں مگر مل نہیں سکا اس سے۔ آئی مین مل ہی نہیں پایا۔“ ایک ٹھنڈی آہ بھر کے میرا بک نے سر جھکا لیا۔

”بڑا دکھ ہے تمہیں اسے نہ ملنے کا اور اسی کی خاطر تم اتنی دور کا سفر طے کر کے پاکستان سے امریکا چلے آئے ہو، اپنی محبت کرنے والی اس بیوی کا بھی خیال نہیں کیا جو عنقریب تمہیں اولاد کا تحفہ دینے والی ہے۔ باپ کا شرف حاصل کرنے والے ہو تم اور ذرا اپنے کروتوتو دیکھو کہ یہاں آ کر لیزا کے پیچھے مارے مارے پھرنے لگے۔ حتیٰ کہ اپنی جان کی بھی پروا نہیں اور خدا نخواستہ اگر آج تمہیں کچھ ہو جاتا تو پھر..... کیا جاتا اس منحوس لیزا کا؟ تمہارے غم میں تمہاری ماں زندہ درگور ہوتی یا تمہاری بیوی خانماں برباد پھر ا کرتی اور تمہارا ہونے والا بچہ..... ہمیشہ کے لیے باپ کے شفقت بھرے لہس سے محروم رہ جاتا لیکن اس منحوس لیزا کا کیا بگڑتا؟ اسے تو دس جاشا راول مل جاتے۔“

”ایکسیو زی می!..... پلیز لیو دس ٹا پک۔“ میرا بک نے احتجاج کیا۔

اور می خاموش ہو کر بس اسے دیکھتی رہی۔

میرا بک اضطراری طور پر پہلو بدل رہا تھا۔

”تم کچھ کہنا چاہتے ہو میرا بک؟“ می نے پوچھا۔

”جی می!..... میں دراصل آپ سے بہت کچھ کہنا چاہتا ہوں، بہت سی باتیں کرنا ہیں مجھے آپ سے مگر اپنے اندر ہمت نہیں پاتا۔“

”کم آن میرا!“ می نے میرے پاس آ کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا اور سہلانے لگیں۔ ”جو بھی دل میں ہے کہہ ڈالو میرا!“ می نے اس کے بالوں پر پیار سے ہاتھ پھیرا۔

”آپ کو نیند تو نہیں آرہی.....؟“ میرا بک نے پوچھا

”بالکل نہیں..... تم کیا کہنا چاہ رہے تھے؟“ می پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھیں

”ممی! وہ فلکی..... فلکی.....“

”ہاں..... کیا ہوا فلکی کو؟“ می نے الجھن آمیز نظروں سے میرا بک کی سمت دیکھا۔

”وہ دراصل فلکی اب میری بیوی نہیں رہی..... اب ہمارے درمیان میاں بیوی والا کو Relationship باقی نہیں رہا، بی کا ز.....“

.....have divosted her“ میراب نے جلدی سے کہہ کر لب کھینچے۔

”واٹ.....؟“ می بے یقینی سے میراب کی شکل دیکھتی رہ گئیں۔ ”کیا تمہیں یقین ہے کہ تم مکمل طور پر اپنے حواسوں میں ہو میرو؟“ می نے پوچھا۔

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

”میں، بالکل“ میراب نے آہستہ سے جواب دیا۔
”مگر اتنی جلدی ایسا انتہائی قدم اٹھانے کی کیا ضرورت آن پڑی تھی؟“ می سخت پریشان سی ہو گئی تھیں اور جواباً میراب دھیرے دھیرے انہیں تمام تفصیل بتانے لگا۔

☆☆☆

”نشو! یہ تمہاری انگلی پر کیا ہوا ہے؟“ ناشتے کے دوران امی کی نظر بے ساختہ نشو کی انگلی پر بندھی پٹی پر پڑی تو پوچھے بنانہ رہ سکیں۔
”وہ دراصل امی سلا دینا بتاتے ہوئے چھری سے کٹ آ گیا تھا۔“ نشو نے جلدی سے بات بتائی اور جگ سے امی کے گلاس میں سی انڈیلنے لگی۔
”اتنا گہرا کٹ آیا کہ پٹی کروانا پڑی..... لگتا ہے نشو! تم آج کل دھیان سے کام نہیں کرتی ہو۔ جانے تو جہ کسی جانب ہوتی ہے۔“ امی سچ مچ پریشان ہو گئیں۔

”فکرمات کریں امی! معمولی زخم ہے۔ ٹھیک ہو جائے گا۔“ کامران بھائی نے امی کو تسلی دی۔
”نمر! ذرا ایک کپ چائے لادینا، ورنہ لمبی پینے کے بعد تو آج تمام دن آفس میں اوگھتا ہی رہوں گا۔“ کامران بھائی نے نمر کو پکارا۔
”آج آفس سے ذرا جلدی آ جانا۔ سہ پہر میں منی کی طرف جانا ہے۔ یعنی کی چوتھی کے سلسلے میں۔“ امی نے کامران بھائی کو یاد دلایا۔
”جی مجھے یاد ہے امی! میں آ جاؤں گا۔ بس آپ سب لوگ تیار رہیے گا۔“ کامران بھائی نے امی کو اطمینان دلایا۔

”نسرین!..... ذرا میرے سفاری سوٹ کی استری چیک کر لینا۔ وہی پہن جاؤں گا شام کو۔“ کامران بھائی نے چڑیوں کے برتن میں پانی ڈالتی ہوئی نسرین کو مخاطب کیا۔ جب سے نسرین بھابی امید سے ہوئی تھیں امی باقاعدگی کے ساتھ ان کے ہاتھ سے صدقہ و خیرات نکلوانے کے علاوہ بلا ناغہ پرندوں کو دانہ پانی ڈلوائیں چوں کہ یہ بھی صدقہ جاریہ ہے اور امی چاہتی تھیں کہ صدقہ و خیرات کی برکت سے بھابی اس مرحلے سے بخیر و خوبی نمٹ جائیں، چونکہ بقول ان کے زچگی کے مرحلے سے گزرنے کے دوران کفن دراصل عورت کے سر ہانے ہوتا ہے کہ سانس آ گیا تو ورنہ..... اور انہی دنوں عورت کے ہاتھ کا لیا دیا دراصل اس وقت کام آتا ہے اور بفضل تعالیٰ مشکل آسان ہوتی ہے۔

”اری لڑکیو! شام جاوڑھنا پہننا ہے ابھی سے نکال کر دکھ لو اور استریاں وغیرہ کر کے جلدی سے کام نمٹانے کی کرو۔“ امی نے پکار کر کہا۔
”ارے میرا لعل اٹھ گیا۔ نمر اسے میرے پاس لے آؤ۔“ امی نے نمر کی گود میں معاذ کو دکھا تو کھل انھیں۔ ان دنوں بھابی کی طبیعت ٹھیک نہ ہونے کی وجہ سے معاذ سارا دن پھوپھو بھویوں کی گود میں چڑھتا رہتا اور گھر بھر کی آنکھ کا تار بنا ہوا تھا۔

”نمر! تم جلدی سے جا کر اس کے لیے سریلیک لے آؤ۔“ امی نے پوتے کی پیشانی چوم کر گود میں لیا اور نمر کو تاکہ کی اور وہ بھی معاذ کو امی

کی گود میں دے کر سر پیک بنانے چل دی۔

☆☆☆

فلکی اسنو روم میں گھسی صندوق کھولے جانے کیا تلاش کر رہی تھی کہ اچانک اپنا جیولری باکس نظر آنے پر چونک گئی۔ یہ باکس اس کی ایک کالج کے زمانے کی سہیلی نے اس کی برتھ ڈے پر گفٹ کیا تھا اور اس میں فلکی اپنی آرٹیفیشل جیولری رکھا کرتی تھی۔ فلکی نے ہاتھ بڑھا کر یونہی اپنا جیولری بکس کھولا۔ اس میں چاندی کے دو بڑے بڑے ہالے رکھے تھے جو کبھی فلکی بڑے شوق سے پہنا کرتی تھی اور وہ تمام چھلے اور انگوٹھیاں بھی اسی طرح قرینے سے سجی تھیں جو فلکی ہر بار بازار سے بڑے چاؤ سے خرید لایا کرتی تھی اور اپنی خروٹی انگلیوں میں پہن کر اتراتی پھرا کرتی۔ مختلف قسم کے ہار بندے کلپ اور نجانے کیا کیا.....

سب کچھ دیکھ کر فلکی کے ذہن کی اسکرین پر بیتی یادوں کی فلم سی چل پڑی۔ فلکی آپ ہی آپ مسکرا دی۔ کالج کے زمانے میں اسے فیشن کرنے کا کتنا شوق ہوا کرتا تھا۔ امی کی نظر بچا کر وہ اکثر نیچرل کلر اپ اسٹک لگا کر کالج جاتی اور دل ہی دل میں خوشی ہوتی رہتی۔ نرسین بھابی کی مدد سے اس نے میک اپ کا چھوٹا موٹا سامان اپنے پاس جمع کیا ہوا تھا اور جب کسی شادی بیاہ پر جانے کے لیے ذرا فراخ دلی سے میک اپ استعمال کرتی تو امی کی جھڑکیاں سننے کو ملتیں۔

”کنواریاں میک اپ کر لیں تو پھر دلہن بن کر روپ نہیں آتا ان پر۔ اتنا ہی سنگھار کا چاؤ ہے تو شادی کے بعد پورا کرنا یہ سب چو نچلے۔“ امی کے کہنے پر فلکی دل موس کر رہ جاتی۔

بھولی مائیں تو جوان لڑکیوں کے آگے حیلے بہانے ان کی شادی کا تذکرہ کر کے اپنے ہی ہاتھوں کنواری آنکھوں میں اگلے گھر کے سپنے بن دیتی ہیں اور بات بے بات انہیں پرایا دھن ہونے کا احساس دلا کر شوہر کے گھر سے انسیت کا احساس دلاتی ہیں۔ تب گویا ان کے لیے شادی خوابوں کی سرزمین میں عملی طور پر قدم دھرنے کا ایسا اجازت نامہ بن جاتی ہے جو خواہشوں کے حصول اور تکمیل کی طرف جانے والے بندر کو ان کے لیے وا کرتی ہے لیکن اگر خواب ٹوٹ جائیں تو..... احساسات اس بری طرح چکنا چور ہوتے ہیں کہ یہی نازک اندام لڑکیاں ذہنی طور پر بکھر کے رہ جاتی ہیں اور پھر عمر بھر خود کو دوبارہ یکجا نہیں کر سکتیں۔

”اُف کیا فضول باتیں سوچنے لگی میں بھی۔“ فلکی نے سر جھٹکا۔ ”یہ جیولری باکس نمرا اور نشو کے حوالے کر دوں گی، مجھے اب کیا کرنا ہے اس کا۔“ فلکی نے باکس بند کر کے ایک طرف رکھا اور دفعتاً صندوق بند کر کے ایک طرف رکھا اور دفعتاً صندوق کے کونے میں پلاسٹک کی تھیلی پر نظر پڑتے ہی دھڑکتے دل کے ساتھ اس تھیلی کو اٹھا لیا اور اسے لرزتے ہاتھوں سے کھولا۔ ننھے ننھے گول پتھروں سے لپٹی کاغذ کی چٹیں جن پر سلیقے سے ربر بینڈ چڑھا ہوا تھا۔ فلکی نے دھڑکتے دل کے ساتھ کپکپاتی انگلیوں سے ربر بینڈ کھینچا اور کاغذ کا پرانا سا کترا پتھر سے جدا ہو کے فلکی کے قدموں میں آن گرا۔ فلکی نے ہاتھ میں اٹھا کر چٹ پر نظر ڈالی بلکھا تھا۔

”یہ کیا فضول قسم کے رومانی ڈائجسٹ پڑھا کرتی ہیں آپ؟ کبھی تھنہ برائے خواتین کا مطالعہ کیجئے، حضرت رابعہ بصری جیٹھلے پارے میں پڑھیے،

بہشتی زیور کو اٹھا کر اس کی گرد جھاڑیے اور سوچے کہ ادب کے نام پر آج تک جو کچھ بھی آپ کے زیر مطالعہ رہا ہے وہ دراصل کتنا بے ادب تھا۔“

فلکی نے آنسوؤں کی نمی کو اپنے حلق میں انڈیل کر دوسری چٹ پر نظر ڈالی۔

”گستاخی کی معافی چاہتا ہوں مگر آپ سر پر دوپٹے لے کر بہت حسین لگتی ہیں۔ سچ کہا ہے کسی نے کہ ”نہیں محتاج زیور کا جسے خوبی خدا نے دی۔“

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

تیسری چٹ پر تحریر تھا۔

”راہ میں پڑے ہیرے سے وہ پتھر زیادہ قیمتی ہوتا ہے جو عزت و آبرو کا نشان بن کر کسی گھر کی دہلیز میں لگا ہو۔ کیا خیال ہے آپ کا؟“

فلکی نے جلدی سے اک چٹ اور اٹھائی اور دھندلائی آنکھوں سے اسے پڑھنے لگی۔

”کیا آپ بھی میری طرح ان دنوں اپنے جذبات میں کوئی ہلچل محسوس کر رہی ہیں؟..... اگر ہاں تو اسے کیا نام دیں؟“

جم..... مم..... ش..... ی..... د..... جمشید..... ایک نام اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ فلکی کے حافظے کی لوح پر چکا اور معدوم ہو گیا۔

”فلکی! اول فلکی! ابھی کہاں رہ گئیں؟ ذرا ادھر تو آنا،“ شبو آپی کے پکارنے پر فلکی نے ہتھیلی کی پشت سے گالوں پر بہنے والے آنسو پونچھے اور

جلدی جلدی چیزیں سمیٹ کر صندوق میں ڈالیں اور اسے بند کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆☆☆

”شکر ہے میرا اعلیٰ ٹھیک ہو گیا،“ سلمیٰ شوکت نے بیڈ پر لیٹے ضمیر خان کی بلا لیں۔ ”لیکن اب کبھی اس منحوس موٹر سائیکل کی سواری نہ کرنا۔“

جب اللہ نے گھر میں اتنی کاریں اور جیپیں دے رکھی ہیں تو تجھے کیا ضرورت پڑی ہے کہ عام شوخ لڑکوں کی طرح دو پہیوں کی طرح دو پہیوں پر رلتا

پھرے؟ کیوں خان جی.....؟“ سلمیٰ شوکت نے روئے سخن شوکت خان کی طرف موڑا۔

”آں..... ہاں..... ہاں..... ٹھیک ہے۔“ اس نے نظروں کے آگے سے اخبار ہٹا کر کہا۔

”مگر اس سواری کا بھی اپنا ہی نشہ ہے ماں!“ ضمیر خان نے کراہتے ہوئے مسکرا کر جواب دیا۔

”دفع..... اسی شوق کی بدولت تو نے سر میں آنٹھ ٹانگے لگوا لیے ہیں۔ چل چھوڑ..... تو یہ دیسی گھی سے بنی چوری کھا۔ دیکھ پھر کسی جان پڑتی

ہے تیرے اندر.....“ اور جواباً ضمیر خان بس مسکرا کر رہ گیا اور بغور اس نرس کے نشیب و فراز کا جائزہ لینے لگا جو بے چاری ابھی اس کا بی پی اور ٹیپر چچر

لینے آئی تھی۔

”تجھے یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہے ناں؟“ شوکت خان نے پہلے سے کلف لگی گردن کو مزید اکڑایا۔

”نہیں خان بابا! سب ٹھیک ہے۔“ نرس کے سراپے سے نظریں ہٹائے بغیر اس نے جواب دیا۔

”خان جی! میرا بچہ مکمل طور پر ٹھیک ہونے کے بعد گھر جائے گا تو میں شکرانے کی دیکیں پکوا کر تقسیم کروں گی۔“ سلمیٰ شوکت نے پیار سے

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

ضمیر خان کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”ہاں بھئی، کیوں نہیں۔ ایسا شاندار فٹنشن کراؤں گا کہ لوگ مدتوں اسے یاد رکھیں گے۔ نامور فلمی پریاں آکر قرض کریں گی اور ایسا ٹکا کے

رنگ جسے گا کہ آباہا بابا۔“ شوکت خان کو ابھی سے شمار محسوس ہونے لگا جب کہ بیگم سلمیٰ شوکت کی تیوری پر بل آ گئے۔

”دفع دور..... فلمی پروں کا ستیاناس۔ میں تو محلے کی عورتوں کو بلا کر میلا دشریف کراؤں گی۔“ اور شوکت خان بیوی کو دیکھ کر رہ گیا۔ جب کہ تھر مائٹر چیک کرتی قریب کھڑی نرس زیر لب مسکرا کر رہ گئی۔

http://kitaabghar.com ☆☆☆ http://kitaabghar.com

خالہ کے گھر اس وقت بڑی رونق تھی اور کچن انواع و اقسام کے کھانوں کی خوشبو سے مہک رہا تھا، اگرچہ شام کو یعنی کے سسرال والے اسے لینے آرہے تھے مگر عفی بلو چستان رواں لگی کے لیے اپنا سوٹ کیس پیک کر رہا تھا۔

’ہا ہا ہا..... آگ لگے ان نوکریوں کی بھی کیسی مجبوریاں ہیں کہ بہن کو رخصت کرنے سے پہلا میرا بچہ خود وداع ہو رہا ہے۔ صرف اس لیے کہ پرسوں اسے ہر حال میں اپنی ڈیوٹی پر پہنچنا ہے۔ بھلا اتنی دور پردیس میں وہ کیسے اکیلا رہے گا اور کون اس کا خیال رکھے گا؟“ خالہ دوپٹے کے پلو سے بار بار آنکھوں میں امنڈتے آنسو پونچھ رہی تھیں۔

”کچھ نہیں ہوتا۔ انشاء اللہ ٹھیک ٹھاک ہے وہ وہاں اور روٹی پانی کے علاوہ علاج معالجہ ہر قسم کا انتظام ہوتا ہے وہاں۔ اسے ہر سہولت حاصل ہوگی اور تمہیں تو خوش ہونا چاہیے، بیٹا اتنا بڑا افسر بن کر چارج سنبھالے گا۔“

خالہ کی نند، فلکی کی امی اور کامران بھائی سب مل کر خالہ کو تسلیاں دے رہے تھے۔ تبھی موقع پا کر نشو، عفی کے پاس کمرے میں جا گھسی۔ قدموں کی آہٹ پا کر عفی نے سوٹ کیس میں کپڑے ترتیب دیتے ہوئے سر اٹھایا اور نشو کو سامنے پا کر دوبارہ اسی طرح بے نیازی سے اپنے کام میں منہمک ہو گیا۔

”لایئے میں کچھ مدد کر دوں؟“ نشو نے پورے خلوص سے مسکرا کر آفر کی۔

”جی نہیں شکریہ! میں خود کر لوں گا۔“ عفی نے اسے مکمل طور پر نظر انداز کرنے کی کوشش کی۔

چند لمحے دونوں کے درمیان مکمل خاموشی طاری رہی پھر عفی نے دوبارہ سر اٹھا کر بغور نشو کی طرف دیکھا۔

”سنو! اگر تم ادھر کسی کام سے آئی ہو تو الگ بات ہے ورنہ فوراً یہاں سے واپس چلی جاؤ۔“ اس کے لہجے میں ناراضگی کا شدید عنصر نمایاں تھا۔

”آپ ابھی تک ناراض ہیں مجھ سے؟“ نشو کے بھیکے بھیکے لہجے پر عفی نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ دیوار سے لگی بڑی مایوسی کے عالم میں

سر جھکائے کھڑی تھی۔

عفی کو اس لمحے نشو پر بے حد ترس آیا۔ وہ شرٹ کی اتھ ادا حوری چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا اور نشو کے مقابل آ کر ٹھہر گیا۔

”ناراض تو نہیں ہوں مگر دکھ کا ایک شدید جھٹکا لگا ہے مجھے۔ میں تمہیں بتا نہیں سکتا۔ تم جیسی ہونہار اور ذہین لڑکی ایسے فضول قسم کے چکروں

میں پڑ کر یوں اپنا وقت ضائع کرے گی، میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔“ وہ مایوسی سے سر ہلا کر پلٹا۔

”کچھ جذبے بے اختیار ہوتے ہیں، خیر..... آپ نہیں سمجھیں گے۔ اس وقت تو میں آپ کو یہ بتانے کے لیے یہاں آئی تھی کہ ایک ضروری

کام کے سلسلے میں خالہ آپ کو بلارہی ہیں۔“

”اب بتا رہی ہو؟“ عفی نے خفگی سے اسے گھورا اور کام ادھورا چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ نشوونما دیا ایسے ہی موقع کی تلاش تھی۔ وہ لپک کر عفی کے سوٹ کیس کی طرف آئی اور تہہ شدہ کپڑوں کا ڈھیر اٹھا کر ایک چیز ان کے نیچے چھپا دی اور پھر خاموشی سے باہر نکل آئی۔

http://kitaabghar.com ☆☆☆ http://kitaabghar.com

عفی کی روانگی کا وقت ہونے والا تھا۔ سو وہ سب سے مل کر رخصت ہو رہا تھا۔ خصوصاً عینی کو تو دیر تک ساتھ لگائے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر کر تسلیاں دیتا رہا۔ خالہ بہت رورہی تھیں مگر وہ انہیں دلاسا دینے کے ساتھ ہنسی مذاق بھی کیے جا رہا تھا۔

”امی! آپ تو ایسے رورہی ہیں جیسے مائیں لڑکیوں کو سسرال وداع کرتے روتی ہیں۔“ وہ ہنسا۔

”ویسے عفی بھائی! آج کل تو لڑکے بھی پرایا دھن سمجھے جاتے ہیں۔“ نمر اٹھکھلائی۔

http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com

”جی نہیں، ہم تو ایسے ہیں۔“ عفی نے فخر سے کالر کھڑے کیے۔

”رہنے دے یار! شادی سے پہلے سب اسی طرح کہتے ہیں۔ یاد نہیں وہ شیر اور چوہے والا لطیفہ کہ ایک شیر کی شادی میں چوہا آگے بڑھ کر ناچ رہا تھا۔ کسی نے پوچھا کہ شیر کی شادی میں تم اتنے خوش کیوں ہو رہے ہو؟ تم تو چوہے ہو۔ تو چوہے نے جواب دیا کہ بھائی شادی سے پہلے میں بھی شیر ہی تھا۔“ کامران بھائی کے اس لطیفے پر سب نے مشترکہ قہقہہ لگایا۔

http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com

”اب کب چھٹی ملے گی بیٹا؟“

http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com

”خالہ! پہلے جاؤں تو سہی۔“ عفی نے کچھ اس انداز سے کہا کہ سبھی ہنس دیے۔

”یار عفی!“ احمر بھائی کو جانے اچانک کیا یاد آیا تھا۔ سب ان کی طرف سنجیدگی سے متوجہ ہو گئے۔

”سنا ہے جہاں تم جا رہے ہو وہاں مچھر زیادہ ہوتے ہیں۔“ احمر بھائی مسکرائے۔

http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com

”اچھا..... پھر.....؟“ عفی سراپا استفسار بن گیا۔

”یار! بس گھبرائے بغیر اپنی دن بھر کی پہنی ہوئی جرابیں اتار کر رات کو سرہانے لٹکا کے سو جانا۔ ان کی بساند سے مچھر وہ علاقہ ہی چھوڑ جائیں گے۔ کیا مجال جو کوئی قریب بھی پھٹک جائے۔“

”اوہو! بڑا تجربہ ہے آپ کو۔ لگتا ہے خود بھی مچھروں سے بچاؤ کے لیے یہی طریقہ استعمال کرتے ہیں۔“ جواباً عفی نے احمر بھائی پر چوٹ کی تو تمام محفل کشت زعفران بن گئی۔

http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com

”عفی بھائی! جاتے ہی خط ضرور لکھ دیجئے گا۔“ عفی کی پھوپھی زاد نے لاڈ سے تاکید کی۔

http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com

”اچھا بڑی بی! لکھ دوں گا اور کوئی حکم؟“ عفی نے شرارت سے اس کی ناک کھینچی۔

”بیٹا! پہنچتے ہی اپنی خیریت کی اطلاع دینا فون کر کے۔“ عفی کی پھوپھی نے یاد دلایا۔

”جی پھوپھو! بے فکر رہیں۔“ عفی نے جواب دیا، پھر وہ سرین بھابی اور شہو آپی سے ملنے کے بعد سب کے درمیان کھڑی ہوئی کھوئی کھوئی سی فلکی کے قریب چلا آیا۔ ”اچھا پارنر!“ عفی نے فلکی کو بغور دیکھتے ہوئے اپنی چوڑی ہتھیلی اس کے سامنے پھیلائی اور قدرے جھجکتے ہوئے فلکی نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا جسے فوراً عفی نے اپنے ہاتھ میں دبایا۔

”سنو! خوش رہا کرو اور اب کے آیا تو بہت سی باتیں کریں گے اوکے!“ جواباً فلکی بس مسکرا دی۔

”آؤ عفی! دیر ہو رہی ہے۔“ کامران بھائی کے پکارنے پر عفی نے بیگ اٹھا کر کندھے پر ڈالا اور دوسرے ہاتھ سے سوٹ کیس گھسیٹتا دروازے کی سمت چلا۔ تبھی اس کی نظر کونے میں چپ چاپ کھڑی پاؤں کے ناخن سے زمین کریدتی نشو پر پڑی اور لاشعوری طور پر اس کے قریب پہنچ کر رک گیا۔

”نشا!“ عفی کے دھیرے سے مخاطب کرنے پر نشو نے سر اٹھایا تو اس کی کٹوراسی آنکھیں نجانے کیوں شبنمی ہو رہی تھیں اور چہرہ ضبط کی شدت سے سرخ پڑ گیا تھا۔

دم رخصت وہ چپ رہے عابد

اور آنکھ میں پھیلتا گیا کاجل

یونہی بلا وجہ عفی کو اس وقت یہ شعر یاد آ گیا۔ تب اس نے اپنا ہاتھ نشو کے سر پر رکھ دیا۔ ”دیکھو پڑھائی میں خوب دل لگانا اور اب امتحان ہوں، ان میں تمہارے مارکس انتہائی شاندار ہونے چاہئیں پھر جو مانگوگی ملے گا۔“ اس نے گویا حاتم طائی کی قبر پر لات ماری۔

”جو مانگوں گی؟“ نشو نے سر اٹھا کر پوچھا

اور عفی گڑ بڑا کر رہ گیا۔ ”میرا مطلب انعام سے تھا۔“ اور نشو صرف سر ہلا کر رہ گئی۔ ”اوکے اپنا خیال رکھنا۔“ وہ اس کے گال تھپتھا کر آگے بڑھ گیا۔

☆☆☆

کتاب گھر کی پیشکش

http://kitaabghar.com ہم سفر http://kitaabghar.com

ہم سفر

ہم سفر..... فرحت اشتیاق کا خوبصورت ناول، ہماری سماجی، معاشرتی اور گھریلو زندگی کے ایک اہم پہلو پر لکھی جانے والی تحریر..... زندگی کے سفر میں ساتھ دینے والوں (ہم سفر) کے درمیان، محبت اور خلوص کے ساتھ ساتھ اعتماد کا رشتہ بھی بہت اہم ہوتا ہے۔ اگر یہ اعتماد ڈگمگا جائے تو بہت سے مسائل جنم لیتے ہیں۔ ہم سفر ساتھ چھوڑ دینے کی باتیں کرتے ہیں، لیکن ان حالات میں بھی ایک اور تعلق اور واسطہ، ہم سفر کو کچھڑنے نہیں دیتا اور وہ مضبوط تعلق ہوتا ہے..... اولاد..... ہم سفر کتاب گھر کے ناول سیکشن میں دستیاب ہے۔

یعنی کی سسرال والے ذرا لیٹ آئے تھے۔ شبوآپی اور نسرین بھابی نے مل کر یعنی کو تیار کر دیا تھا مگر اس کا ایک ہی اصرار تھا کہ اسے سسرال نہیں جانا مگر خالہ نے اس کی ایک نہیں سنی اور ڈانٹ ڈپٹ کر اس کا سامان تیار کر دیا۔

ابراہیم سفید چست پا جامے اور سلک کے کرتے میں آسمان سے اتر آ کوئی شہزادہ لگ رہا تھا۔ انتہائی خوشگوار ماحول میں سب نے مل کر کھانا کھایا اور آج تو یعنی کی چھک چھلوٹا سانس بھی سادہ سے لباس میں برائے نام میک اپ کے ساتھ کافی باوقار لگ رہی تھی اور ابرار کی خالہ کبھی بات بے بات ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے سگریٹ پھونکنے کی بجائے بڑے سادے دوپٹے میں لپیٹی کوئی ملائی دکھائی دے رہی تھی۔ ابرار چپکے چپکے یعنی کو دیکھ کر زیر لب مسکرا دیتا جب کہ یعنی کی ساس بات بے بات اس کی بلائیں لے رہی تھی۔

سب لوگ یعنی کی خوش بختی پر رشک کر رہے تھے مگر یعنی کافی بھیجی بھیجی تھی جس طرح کوئی سہمی ہوئی ہرنی دویرے دویرے بھیڑیوں کے نرغے میں آرہی ہو۔ خوشگوار ماحول میں کھانا کھانے کے بعد یعنی کی سسرال والوں نے اجازت چاہی اور یعنی پچھاڑیں کھانے لگی۔ بڑی مشکل سے اسے چپ کرایا گیا۔

”شبوآپی! آپ چلیں گی ناں میرے ساتھ؟“ آخری امید کے طور پر یعنی نے شبوآپی کا ہاتھ تھام لیا۔

”ہش بگلی.....! اب میں تیرے ساتھ بھلا کیسے جاسکتی ہوں؟ اب تو بس تجھے ہی اپنے گھر جانا ہے اور ڈر کیسا؟ ابرار ہے ناں۔“ اور یعنی منہ لٹکا کر رہ گئی۔

اس رات بھی خالہ کے شدید اصرار پر فلکی وغیرہ کو انہی کے گھر رکنا پڑا چون کہ خالہ دونوں بچوں کی جدائی کے خیال سے بے حد نڈھال تھیں، سوان کی دل جوئی کی خاطر سب لوگ رات کو دیر تک جاگ کر باتیں کرتے رہے تھے اس لیے سارے اس وقت ایسے بے خبر سوئے ہوئے تھے کہ لاؤنج میں پڑے ٹیلی فون کی گھنٹی کے مسلسل بجنے پر بھی کسی کی آنکھ نہ کھلی۔ ایک بار چند لمحوں بعد رابطہ منقطع کر کے شاید کسی نے دوسری مرتبہ پھر ٹرائی کیا تھا کہ گھنٹی دوبارہ بج اٹھی تھی۔ بڑی مشکل سے اپنی مندی ہوئی آنکھوں کو کھول کر فلکی نے وال کلاک پر نظر ڈالی، صبح کے ساڑھے پانچ بجے کا اعلان کر رہا تھا۔

”اوہ! اتنی صبح یہ کس کا فون آ گیا؟“ وہ تیزی سے بیڈ سے اتر کر ننگے پاؤں ہی فون کی سمت لپکی۔ اسی اثنا میں شبوآپی بھی اس کے پیچھے آ کر ٹھہر گئی تھیں اور فون سننے کے دوران فلکی کے چہرے کے بدلنے ہوئے تاثرات کا بغور جائزہ لے رہی تھیں۔

فون کریڈل پر رکھ کر فلکی خالی خالی نظروں سے فضا میں گھورنے لگی۔

”فلکی! کیا ہوا؟ کس کا فون تھا؟ خیریت تو ہے ناں؟“ شبوآپی نے ایک ہی سانس میں کئی سوالات پوچھ ڈالے فلکی خاموش رہی، تب آپنی نے اسے جھنجھوڑا لیا۔

”اے فلکی! بولتی کیوں نہیں، کس کا فون تھا؟“

”شبوآپی!.....“ فلکی بولی تو اسے خود اپنی آواز اجنبی سی لگی۔ ”شبوآپی!..... وہ غفی..... غفی.....“

”ہاں کیا ہو غفی کو.....؟ بول تو سہی، خدا کی بندی۔“

”شبو آپی! جس ٹرین میں سفر کر رہا تھا وہ رحیم یا رخاں سے آگے حادثے کا شکار ہو چکی ہے اور یہ فون بھی رحیم یا رخاں ریلوے اسٹیشن سے کسی کا تھا۔“ فلکی نے بتایا

”کیا.....؟ اور غفی..... غفی کہاں ہے اس وقت؟ کیسا ہے وہ؟“ شبو آپی نے چلا کر پوچھا۔

”پتا نہیں۔“ فلکی نے بے بسی سے سر جھکایا کیوں کہ اس کے بعد کسی وجہ سے لائن ڈراپ ہو گئی۔ فلکی نے اپنے آنسو چھپانے کے لیے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ پل بھر میں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے گھر میں پھیل گئی۔ خالد کا تورور کے برا حال تھا۔ احمر نے ٹی وی آن کیا۔ ایک چینل اس وقت اپنی لائیو ٹرانسمیشن میں اس حادثے کی تفصیلات نشر کر رہا تھا، جس کے مطابق کوئٹہ جانے والی ٹرین رحیم یا رخاں سے آگے مخالف سمت سے آنے والی دوسری ٹرین سے ٹکرا کر حادثے کا شکار ہو گئی تھی۔ اس سلسلے میں ابھی مکمل تفصیلات سامنے نہیں آئی تھیں تاہم دونوں ٹرینوں کے باہمی ٹکراؤ کے نتیجے میں ہونے والے جانی نقصان کا موٹا سا اندازہ لگایا جا رہا تھا جو کافی زیادہ تھا۔

”احمر! تم غفی کے موبائل پر رابطہ کرنے کی کوشش کرو۔“

”بے سود۔“ احمر نے مایوسی سے سر ہلایا۔ ”کوئی جواب نہیں آ رہا۔“

اسی دوران فون کی گھنٹی ایک بار بھرنے لگی۔ اور انجانے وسوسوں اور اندیشوں میں گھرے سب کے دل دھڑک اٹھے۔ فون کی گھنٹی مسلسل بجے جا رہی تھی مگر کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اٹھ کر فون ریسیو کرتا۔ تب کامران بھائی نے حوصلہ کیا اور اٹھ کر مرے مرے قدموں سے ٹیلی فون کی سمت بڑھے.....!



محی الدین نواب کے شاہکار قلم سے مکمل ناول

ایک یادگار ناول
عذابِ آخر

بیسویں صدی کا آخری عذاب جو عذابِ ناقص
بن کر اکیسویں صدی پر مسلط رہے گا۔

قیمت 90 روپے

قصہ نصف صدی کا

یومِ پاکستان کے موقع پر
محی الدین نواب کا خصوصی ناول

قیمت 90 روپے

اس باسی پھول کی کہانی سے
آپ کو محبت کی خوشبو کا جھوٹکا ملے گا

باسی پھول

قیمت 90 روپے

باب-8

کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

<http://kitaabghar.com><http://kitaabghar.com>

تمام بات سننے کے بعد می سر ہلا کر رہ گئیں۔ چند لمحے گمبھیر سناٹا چھا گیا، تب می کھٹکھاریں جیسے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔ میرا ب نے ان کی سمت دیکھا۔ وہ جیسے گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

”مجھے تو اب بھی یقین نہیں آ رہا کہ فلکی..... اپنے کزن کے ہمراہ..... نہیں نہیں..... میرو.....! تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔“ می پر اعتماد لہجے میں بولی تو نبجانے کیوں میرا ب کو افسوس ہوا۔

”نہیں می.....! مجھے غلط فہمی نہیں ہوئی۔“ میرا ب مضبوط لہجے میں بولا۔ ”فلکی کے کزن کی آنکھوں میں اس کے لیے پیار جھلکتا تھا۔ اس کا ہر انداز اس بات کا غماز تھا کہ وہ فلکی کے عشق میں گرفتار ہے۔“ میرا ب نے کہا

”اور فلکی.....؟“ می نے اچانک سراٹھا کر پوچھا تو میرا ب کچھ گڑبڑا سا گیا۔

”پتا نہیں..... مگر محبت زیادہ دیر تک ایک طرف نہیں رہتی۔“ میرا ب نے دھیرے سے جواب دیا اور می مسکرا دیں۔

”تم لیز کو چاہنے کے باوجود بھی یہ کہہ رہے ہو.....!“ میرو نے چونک کر اوپر دیکھا می کا چہرہ سپاٹ تھا۔

”خیر..... بظاہر تو کوئی اور وجہ سمجھ میں نہیں آتی اگر فلکی اور اس کے کزن غمی کا لوا فیز تھا بھی تو دونوں کی شادی ناممکن تو نہیں تھی، انہیں بھلا اس ڈرامے کی کیا ضرورت تھی.....! چلو جو ہونا تھا ہوا..... سمجھو قسمت کا پھیر تھا۔ اچھا اب تم آرام کرو.....“ می ڈورنیل کی آواز پرائیڈ کھڑی ہوئیں۔

”گلتا ہے تمہارے پاپا اسپتال سے آگئے ہیں۔ اوکے ڈیز.....! گڈ نائٹ۔“ می نے جھک کر میری پیشانی چومی۔

”گڈ نائٹ۔“ میری شرات سے مسکرایا۔ ”گڈ نائٹ نہیں می! گڈ مارنگ کہیں، صبح کے سات بجے ہیں اس وقت۔“

”اوہ سوری!“ می شرمندگی سے ہنس دیں اور دروازہ کھول کر باہر نکل گئیں۔

☆☆☆

سسرال میں داخل ہوتے ہی عینی کو اس پر اسراریت کا احساس ہوا جسے اس نے اس گھر میں پہلے ہی روز قدم رکھتے ہوئے محسوس کر لیا تھا مگر اس نے اس خیال کو ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کی، اب تو اسے اسی ماحول میں رہنا تھا پھر بلا وجہ منفی احساسات کو دل میں جگہ دینے کا فائدہ.....! چنانچہ اس نے لبوں پر ایک مہرن سی مسکراہٹ سجالی۔ اس کی ساس، نندیں بھی اس کے صدقے واری ہو رہی تھیں۔ گھر آتے ہی عینی کی ساس نے سب سے پہلے عینی کی نظر اتاری اور پھر ایک کلام رخ اس کا ہاتھ لگوا کر صدقے کے لیے بھجوا دیا۔ اس وقت عینی کے ارد گرد سات آٹھ لڑکیاں جھگمگھا ڈالے بیٹھی تھیں، جن میں سے چار عینی کی سگی نندیں تھیں اور باقی ابراہن کی خالہ زاد بہنیں۔ یہ سب لڑکیاں آپس میں چہلمیں کرنے کے ساتھ عینی کی طرف بھی شریفہ فقرے اچھا ل رہی تھیں اور عینی

زیر لب مسکرا رہی تھی بلکہ سچ بات تو یہ تھی کہ اس وقت اسے اپنی سرسرا کا ماحول اتنا بوجھل محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

”اے لو.....!“ اس کی ساس نے اچانک ماتھے پر ہاتھ مار کر کہا۔ ”مجھے تو بہو کو منہ دکھائی دینا تھی اور مجھے یاد ہی نہیں۔“ وہ فوراً اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئیں اور جب واپس آئیں تو ان کے ہاتھ میں بڑا سا مفلح ڈبہ تھا جو انہوں نے لا کر عینی کے سامنے رکھ دیا۔

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

ابراہیم کی خالہ کے کہنے پر عینی نے اپنے حنائی ہاتھوں سے ڈبہ کھولا، اندر سچے موتیوں اور گہرے مونگیا ٹکوں سے مزین سونے کا بے حد بھاری سیٹ دمک رہا تھا جس کے ساتھ ماتھے کی ننھی سی بندیا بھی تھی۔

”بہت خوب صورت ہے۔“ تھینک یو آئی!“ اس کی ساس نے جھک کر عینی کی پیشانی چوم لی اور عینی دل ہی دل میں خواہ مخواہ شرمندہ سی ہو گئی کہ اپنی سرسرا بطور خاص ساس کے بارے میں اس کے خیالات کس قدر منفی تھے اور پہلے روز اس نے گھبراہٹ میں کیا تماشا لگا دیا تھا۔ سب لوگ اس کی اس بچکانہ حرکت سے کتنا ڈسٹر ب Feel کر رہے ہوں گے حالاں کہ اس کی ساس کو تو جلال میں ہونا چاہیے تھا مگر وہ سب کچھ بھلا کر اس طرح پوز کر رہی تھیں کہ گویا کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔ ان کا طرزِ عمل دراصل ان کی اعلیٰ ظرفی کی کھلی دلیل تھا اور میں.....! عینی سوچ میں پڑ گئی۔

”کیا میں واقعی غلطی پر تھی؟ میں ہی کم ظرف تھی یا مجھے سچ کوچی غلط فہمی ہوئی تھی.....؟ کیا یہ شادی کے ہنگامے اور تھکن کا اثر تھا یا جاگتے میں کوئی بھیا تک خواب دیکھا تھا میں نے؟“

یہ پھر اس واقعے کے پیچھے اس تاثر کا اثر تھا جس سے عینی کو آتے ہی پالا پڑا تھا۔ ناچ گانے کی محفل اور وہ بازاری ٹائپ کا ماحول، شاید ان لوگوں کے خوشی منانے کے انداز نے اس کے ذہن پر برا اثر ڈالا تھا مگر وہ کون تھا جو یوں منہ اٹھائے شراب کے نشے میں مست عینی کے کمرے میں گھس آیا تھا؟ جس نے آتے ہی گھونگھٹ الٹ کر بھاری آواز میں ”سبحان اللہ“ کہا اور چٹکی میں اس کا آٹھل پکڑ کر ہوا میں اچھال دیا۔ وہ تو صد شکر کہ دوپٹہ شانوں پر سیٹھی پنوں کی مدد سے لگا تھا، تبھی ڈھلک کر شانوں پر رک گیا۔ سر سے آٹھل سرکنے کی دیر تھی کہ آنے والے پر جیسے جنون طاری ہو گیا مگر وہ..... ابراہیم نہیں تھا۔ ابراہیم کے لمس سے تو عینی اس وقت آشنا ہوئی گئی تھی جب نکاح کے فوراً بعد اسے اسٹیج پر لا کر عینی کے ہمراہ صوفے پر بٹھایا گیا تھا، مصحف آرسی کی رسم کے دوران بھی عینی نے بغور اسے دیکھا تھا۔ آف وائیٹ اور سنہری پگڑی میں اس کا چہرہ نور سے دھلا لگ رہا تھا۔ کون کہتا ہے کہ شادی کے موقع پر لڑکوں پر روپ نہیں آتا؟ عینی اس لمحے سوچ کر رہ گئی تھی اور گھر والوں کے انتخاب پر فخر محسوس ہوا تھا۔

تقریب کے دوران بھی اپنے انداز و اطوار سے وہ عینی کو کافی سلجھا ہوا انسان لگا تھا اس لیے اس سے اس درندگی کی توقع فضول تھی، ویسے بھی انسان اپنی چیز کو احتیاط اور سلیقے سے برتا ہے جب کہ مانگی ہوئی یا چوری کی شے پر۔ جھپٹ کر پڑتا ہے اور آنے والے پر تو ”مال مفت، دل بے رحم“ کی مثال صادق آتی تھی، حالاں کہ بے چاری عینی کو معلوم نہیں تھا کہ اس آنے والے نے ”چیز برتنے“ کے لیے کتنا خرچ کیا ہے۔ تبھی تو اس کے نازک وجود سے اپنی پائی پائی کا خراج وصول کرنا چاہ رہا تھا اور عینی جان تو زمشقت کے بعد اس کی آہنی گرفت سے نکل بھاگی تھی اور اس کے بعد اس بد معاش کا وجود تو جیسے تھا ہی نہیں۔ پلک جھپکتے یوں غائب ہوا جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ تو کیا کوئی جن بھوت تھا وہ؟ یا کوئی اور ماورائے مخلوق!!

یعنی کا ذہن مسلسل سوچوں کے سمندر میں غوطے کھا رہا تھا۔

”کیا سوچنے لگیں وہن.....؟“ ابرار کی والدہ جو گہری نظروں سے عینی کو دیکھ رہی تھیں پوچھے بنانہ رہ سکیں۔
 ”اوں.....!“ عینی چوگی۔ ”کچھ نہیں.....“ اور شرمندگی سے مسکرا دی۔

”شاید انہیں گھر والے یاد آ رہے ہوں گے.....“ ابرار کی کزن نے اسے چھیڑا۔

”گھر والے انہیں جناب! بلکہ گھر والا.....!“ عینی کی نند نے شرارت سے عینی کی سمت دیکھا اور ماں سے مخاطب ہو کر ابرار کے بارے میں پوچھنے لگی جو کافی دیر سے نظر نہیں آ رہا تھا۔

”شاید ٹی وی دیکھ رہا ہو۔“ ابرار کی خالہ نے کہا۔

”ہاں ہم کمرے سے نکلیں گے تو تب ہی تو وہ اندر آئیں گے۔“ ابرار کی کزن ہنس دی۔

”ہاں..... میرا خیال ہے اب یہاں سے اٹھا جائے تاکہ بھو ذرا آرام کر لے۔“ عینی کی ساس نے بادل نخواستہ اٹھتے ہوئے کہا اور ان کی تقلید میں سبھی کھڑے ہو گئے۔

”عینی! آپ کا سوٹ اس لماری میں ہینگر پر لٹکا ہے۔“ اس کی نند نے معلومات بہم پہنچا کر بلاوجہ ہتھی کی نمائش لگائی۔

”میں ابھی جا کر ابرار کو بھیجتی ہوں۔“ اس کی ساس نے کہا۔

سب کے کمرے سے جانے کے بعد عینی نے اطمینان کا ایک گہرا سانس لیا اور آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ آف وائٹ اور سنہری کامدارشلوار سوٹ میں کافی بچ رہی تھی۔ بھاری زیورات کر عینی نے بس ہلکا سا لاکٹ سیٹ پہنے رکھا اور پھر یونہی غیر ارادی طور پر ڈرائنگ ٹیبل سے پرفیوم کی شیشی اٹھا کر خود پر اسپرے کیا۔ خوشبو کی ہلکی سی پھوار جیسے اس کی روح تک کو تر و تازہ کر گئی۔ بھلا خود کو اتنی خوشبوؤں میں بسا کر آج عینی کیا چاہتی تھی؟

وہ جو دو روز سہاگن ہو کر بھی ابھی تک نامکمل تھی، آج شاید اپنی تشنہ آرزوؤں کی تکمیل کی خواہش مند تھی اور آج صحیح معنوں میں اپنے حسن کے داؤ پیچ آزما کر پہلے رائٹڈ میں ابرار کو چٹ کر دینا چاہتی تھی تاکہ وہ زندگی بھر اس کے رعب حسن کے آگے کچھ نہ بول سکے۔
 تبھی دروازے پر قدموں کی آہٹ ابھری اور عینی کا دل بے تحاشہ دھڑک اٹھا۔ وہ خواہ مخواہ ہی اپنا دوپٹہ سنبھالنے لگی۔ اندر آنے والا ابرار ہی تھا۔

عینی کی نظریں بے اختیار اس کے قدموں سے لپٹنے لگیں۔ ابرار اس کے قریب آ کر ٹھہر گیا، چند لمحوں کے درمیان خاموشی حائل رہی۔ تب ابرار نے ہی گفتگو میں پہل کی۔

”اگر گرمی لگ رہی ہے تو اے سی آن کر دوں؟“ وہ دھیرے سے بولا تھا مگر آواز کا بھاری پن اس کی اندرونی کیفیت کی ترجمانی کر رہا تھا۔
 ”واہ!! بات کرنے کا بہانہ نکالا ہے۔“ عینی نے سوچا اور مسکرا دی۔

”گرمی تو بالکل بھی محسوس نہیں ہو رہی۔“ اس نے دھیرے سے سر جھکا کر کہا۔

”اچھا.....!“ ابرار جیسے کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا پھر خود ہی چونک اٹھا۔ ”یوں کھڑے کھڑے تو آپ تھک جائیں گی پلیز! بیٹھ جائیے۔“ اس نے خود بھی بیڈ کی جانب پیش قدمی کرتے ہوئے کہا اور عینی تو آج صرف ایک ہلکے سے اشارے کی منتظر تھی، جھٹ پاس آ بیٹھی۔ ابرار خاموش بیٹھا رہا، عینی نے بالوں کا جوڑا اکھول دیا اس کے ریشمی بال شانوں پر بکھر گئے اور وہ اپنے ہینڈ بیگ سے سمیر برش نکال کر خواہ مخواہ بال سلجھانے لگی۔ اسے لگا کہ ابرار نکلیوں سے مسلسل اس کو تنکے جا رہا تھا۔

عینی انجان بنی بال سلجھاتی رہی مگر درحقیقت اندر ہی وہ ابرار کے التفات اور پیش قدمی کی منتظر تھی۔ جانے کیوں عینی کو محسوس ہوا کہ ابرار کسی معاملے میں تذبذب کا شکار ہے۔ اس خاموشی سے عینی کو گھٹن سی محسوس ہونے لگی۔ تب دفعتاً ابرار نے اپنا ہاتھ عینی کے ہاتھ پر رکھ دیا اور عینی کے من میں ایک ساتھ کئی چراغ جل اٹھے۔

”آپ بہت خوب صورت ہیں عینی!“ ابرار کی سرگوشی اسے اپنے کانوں کے بہت قریب سنائی دی۔ ابرار کے لب عینی کے بالوں پر سرسرا رہے تھے اور تب وہ اس کا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں میں لے کر سہلانے لگا اور عینی کو اسے سی کی خنکی میں بھی پسینا آ گیا، اس کی زبان پر پیاس کے مارے کانٹے سے اگ آئے اور وہ گویا آب حیات کے کچھ اور قریب ہو گئی جواب اس کی تمام تر محبت کا سرچشمہ بھی تھا اور تبھی دھڑک سے کمرے کا دروازہ کھلا اور عینی کی چھوٹی نند ہاتھ میں دودھ کا گلاس تھا مے اندر چلی آئی اور ان دونوں کو ایک دوسرے کے اس قدر قریب دیکھ کر گویا ٹھنک کر رہ گئی۔ عینی اور ابرار چونک کر الگ ہو گئے۔ عینی فحالت سے مسکرا دی جب کہ ابرار بدستور سنجیدہ رہا۔

”ابرار بھائی! امی کہہ رہی ہیں کہ یہ دودھ پی لیں۔“ اس کی نند کی نظروں میں ان کے لیے عجیب سا تسخروا معنی خیزی تھی اور لہجے میں پوشیدہ سرد حکم۔ ناچاہتے ہوئے بھی عینی چونک اٹھی۔

”یہاں رکھ دو۔“ ابرار نے سائیڈ ٹیبل کی سمت اشارہ کیا۔ ”ابھی پی لوں گا۔“ اس نے ٹالا اور اس کی چھوٹی نند جواب اتنی چھوٹی بھی نہیں تھی کہ نئے شادی شدہ بھانج کے کمرے میں داخلے کے آداب بھی نہ جانتی ہو طوطا کر ہا دودھ کا گلاس میز پر رکھ کر پلٹ گئی مگر دروازے تک پہنچ کر پھر واپس مڑی۔

”دودھ ضرور پی لیجئے گا بلکہ ابھی پی لیجئے۔ امی نے خاص تاکید کی ہے۔“

”ابھی پی رہا ہوں نیبا! تم بے فکر ہو جائیے۔“ ابرار نے گویا نظروں ہی نظروں میں اسے تسلی دی اور ایک اچھٹی سی نظر عینی پر ڈال کر بادل نخواستہ باہر نکل گئی۔

”اف..... ف..... میں تو ڈر رہی گئی تھی۔“ اس کے جانے کے بعد عینی نے ہاتھوں سے شانوں پر بکھرے بال سمیٹتے ہوئے کہا۔ ابرار نے سگریٹ سلگالی۔

”کیوں..... اس میں بھلا ڈرنے والی کون سی بات تھی؟ حیرت ہے..... آپ ہمارے ہوتے ہوئے بھی ڈرتی ہیں۔ کہیں مجھ سے تو ڈر

نہیں لگ رہا؟“ اس نے مسکراتے ہوئے شرارت سے عینی کی طرف دیکھا اور اس سے دور بیڈ کے دوسرے کونے پر تک کر سگریٹ کے کش لگانے لگا۔ اس سے پہلے کہ عینی کوئی جواب دیتی، دروازہ ایک بار پھر کھلا اور اس بار ابرار کی والدہ قدرے گھبرائے ہوئے انداز میں اندر داخل ہوئیں۔

”وہ..... تم سے ایک ضروری بات کرنا تھی ابرا!“ انہوں نے سرسری نظر عینی پر ڈالی جو ساس کو دیکھتے ہی جلدی سے سر پر دوپٹے کا پلو ڈال کر احتراماً کھڑی ہوئی تھی۔

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

عینی کو لگا کہ جیسے وہ اس کے سامنے ابرار سے بات کرنے میں متاثر ہوں مگر وہ بھلا کہاں جاتی.....؟ چناں چہ چپ چاپ وہیں کھڑی رہی۔

”دلہن! تم جا کر کپڑے بدل لو۔ اتنے بھاری بھر کم سوٹ میں دل گھبرا رہا ہوگا جاؤ شاباش! وہ الماری میں تمہارا نائٹ سوٹ لٹک رہا ہے اور یہ ساتھ ہی واش روم ہے۔“ وہ گویا اسے ٹالنا چاہ رہی تھیں حالاں کہ عینی کا دل بالکل بھی نہیں چاہ رہا تھا کہ اتنا خوب صورت جوڑا وہ یونہی ابرار کی داد لیے بغیر بدل ڈالے مگر مجبوری تھی سو الماری کھول کر بیٹنگر سے نائٹ ڈریس گھسٹا اور غسل خانے میں جا گئی۔

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

”تم کیا کمرے میں آتے ہی بیوی سے چونچیں لڑانے لگے؟“ عینی کے گویا سر سے ٹپتے ہی وہ ابرار پر برس پڑیں۔ شاید یہ نیہا کی فراہم کردہ معلومات کا نتیجہ تھا۔ ”پرائی آگ پر ہاتھ تاپنے سے انسان کبھی کبھار جھلس بھی جایا کرتا ہے۔ اپنے ایگریمنٹ کی پاسداری کرو ابرا! یاد رکھو کہ امانت میں خیانت پر وہ سفاک انسان تمہاری کھال میں بھس بھروادے گا۔ کیا رفیق حسن کا انجام بھول گئے تم؟“ وہ گرج چمک کے اس پر برس رہی تھیں مگر احتیاطاً دھیمی آواز میں تاکہ عینی نہ سن لے اور اوھر فطری تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر غسل خانے کے بند دروازے کے پیچھے اپنا کان لگا دیا۔

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

”مجھے سب یاد ہے.....“ ابرار آہستہ سے بولا۔ ”مگر آپ لوگوں کا مشکوک رویہ عینی کو خواہ مخواہ تشویش میں مبتلا کر سکتا ہے۔ پہلے ہی وہ خدا خدا کر کے ذرا نارمل ہوئی ہے، اب اس کا خوف و ہراس تو دور کرنا ہے ناں مجھے۔ سرکش گھوڑیوں کو سدھارنے کا کام بھی تو میرے ہی سپرد کیا ہوا ہے آپ نے۔“ وہ قدے جھنجھلا کر بولا۔

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

”تو سدھاؤ گھوڑی کو، مگر سوار مت بنو، کرو اس کا خوف زائل مگر مناسب فاصلہ رکھ کر۔“ پھر وہ ابرار کے مد مقابل آ کر ٹھہر گئیں اور اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولیں۔ ”تم اس وقت ایسے باور پچی ہو ابرا! جسے کسی کی دعوت کے لیے انواع و اقسام کے کھانے تیار کرنا ہیں اور ان میں مختلف مروج مسالوں سے خوشبو اور لذت پیدا کرنا ہے مگر پکانے کے دوران کسی بھی کھانے کو اس کے ذائقے کا اندازہ کرنے کے لیے چکھنا تک نہیں ہے..... سناتم؟“

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

اور ابرار محض سر ہلا کر رہ گیا۔

”تم نے وہ بات بتادی عینی کو؟“ انہوں نے بغور ابرار کی جانب دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

”نہیں، ابھی کہاں! موقع ہی نہیں ملا مجھے۔“ ابرار نے بس نفی میں سر ہلا کر جواب دیا۔

”چلو ٹھیک ہے مگر بتا ضرور دینا۔“ انہوں نے تاکید کی۔

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

جب کافی غور و خوض کے بعد بھی ان کی گفتگو کا کوئی حصہ ٹھیک طرح سے عینی کے پلے نہیں پڑا تو ناچار وہ لباس بدلنے کے بعد دروازہ کھول

کر غسل خانے سے باہر نکل آئی اور اس پر نظر پڑتے ہیں عینی کی ساس نے چہرے پر وہی مہربان مسکراہٹ سجالی۔

”آؤ بیٹی! آؤ..... اب یقیناً تم خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہی ہو گی۔“ انہوں نے آگے بڑھ کر عینی کی پیشانی چوم لی اور پھر ابرار کی سمت مڑیں، ”تم دودھ پی لو ابرار! تاکہ مجھے تسلی ہو اور میں اپنے کمرے میں جا کر سوؤں۔“

”جی اچھا.....!“ خیالوں میں کھوئے ابرار نے چونک کر گلاس اٹھایا اور ہونٹوں سے لگا لیا۔

”عینی! تم بھی دودھ لو گی؟“ اس کی ساس نے سرسری انداز میں پوچھا

”نہیں، مجھے تو دودھ پسند ہی نہیں ہے۔“ وہ سر جھکا کر آہستہ سے بولی۔

”ہاں، مجھے پہلے روز ہی اندازہ ہو گیا تھا، اسی لیے تمہارے لیے دودھ نہیں بھجوایا تھا مگر ابرار کو تو بچپن سے عادت ڈالی ہوئی ہے۔ یہ جب تک میرے سامنے دودھ پی کر گلاس خالی نہ کر دے، مجھے سکون سے نیند ہی نہیں آتی۔“ انہوں نے اپنے تئیں گویا اس وقت دخل در معقولات کی لمبی چوڑی توجیہ پیش کی اور عینی دھیرے سے ہنس دی۔

”سب مائیں شاید ایک جیسی ہوتی ہیں، چوں کہ میری امی بھی اسی طرح کرتی ہیں۔ جب تک ہم سب بہن بھائی ان کے سامنے بیٹھ کر اچھی طرح کھانی نہ لیں ان کو تسلی نہیں ہوتی۔“ اپنی امی کا ذکر کرتے ہی عینی کی آنکھوں میں چراغاں سا ہو گیا اور منہ میں شکر سی گھل گئی۔

”یہ لیجئے.....“ ابرار نے ایک ہی سانس میں گلاس خالی کر کے میز پر رکھ دیا۔ ”اب تو آپ خوش ہیں؟“ وہ اپنی ماں سے مخاطب ہوا۔

”جیتا رہ میرا بچہ!“ انہوں نے پیار سے ابرار کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ ”اچھا اب میں چلوں، تم دونوں آرام کرو۔“ وہ دودھ کا خالی گلاس اٹھا کر مطمئن سی ہو کر کمرے سے باہر چل دیں اور ان کے رخصت ہوتے ہی ابرار نے جھپٹ کر کمرے کے دروازے کا لاک لگا دیا گویا پھر کسی کے اندر آنے کا ڈر ہو۔ عینی اس کی بے قراری پر کھلکھلا کے ہنس دی۔

وہ عینی کے قریب چلا آیا۔ ”میرا خیال ہے آپ منہ ہاتھ دھو آئیں ورنہ پھر بعد میں آپ کو اس کا موقع نہیں ملے گا۔“ وہ شرارت سے مسکرایا اور عینی جملے کی ذومعنی پر ہلش ہو کر رہ گئی مگر فوراً ہی سنبھل کر بولی۔

”کون آپ.....؟ یہاں تو مجھے کوئی آپ“ دکھائی نہیں دے رہا۔“

ابرار اس کی بات کا مطلب سمجھ کر اس کے قریب چلا آیا، اتنا قریب کہ اس کی گرم سانسیں عینی کے چہرے سے ٹکرانے لگیں اور پھر اپنا بھاری بھر کم ہاتھ اس کے کندھوں پر رکھ کر قدرے جھک آیا اور اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولا۔ ”تم..... میرا مطلب تم سے تھا..... اب ٹھیک ہے؟“ وہ مسکرایا۔

”ہاں..... چلے گا۔“ عینی جو کسی انجانے سے سحر میں جکڑی گئی تھی چونک کر ہنس پڑی اور ابرار بھی سنبھل کر پیچھے ہٹ گیا۔

”جاؤ، جا کر منہ دھو لو..... ورنہ چہرے پر اگر رات بھر میک اپ لگا رہا تو جلد خراب ہو جاتی ہے۔“ اس نے اپنے تئیں عینی کی معلومات میں

اضافہ کیا۔

”اچھا.....؟“ یعنی نے مصنوعی حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔ ”بڑی نالج ہے اس بارے میں؟“ وہ پھر ہنس دی۔

”ہاں.....“ وہ سادگی سے بولا۔ ”اور ویسے بھی مجھے رنگ و روغن سے لتھڑے حسن کی بجائے صاف و شفاف دھلے ہوئے چہرے زیادہ پسند ہیں اور تمہیں تو کسی مصنوعی آرائش کی ضرورت نہیں..... تم تو خود کھلتے ہوئے گلاب کی مانند تروتازہ ہو۔“ اس نے کھلے دل سے یعنی کے حسن کا اعتراف کیا۔

”اچھا میں ابھی آئی۔“ اس کی خواہش کے احترام میں وہ واش روم میں جاگھی اور صابن سے منہ ہاتھ دھوتے ہوئے رگڑ رگڑ کر میک اپ اتارا۔ کاشن پر کوئلہ کریم لگا بڑی مشکل سے آئی لائسنز اور مسکارا صاف کیا۔ چہرے کو تو لیے سے تھپتھا کر خشک کیا اور مونچھ انز لگانے کے بعد جب وہ واش روم سے باہر آئی تو کمرے میں ابرار کے خرائے گونج رہے تھے۔

☆☆☆

دجال (شیطان کا بیٹا)

انگریزی ادب سے در آمد ایک خوفناک ناول۔ علیم الحق حقّی کا شاندار اندازِ بیاں۔ شیطان کے پجاریوں اور پیروکاروں کا نجات دہندہ شیطان کا بیٹا۔ جسے بائبل اور قدیم صحیفوں میں بیٹ (جانور) کے نام سے منسوب کیا گیا ہے۔ انسانوں کی دنیا میں پیدا ہو چکا ہے۔ ہمارے درمیان پرورش پا رہا ہے۔ شیطانی طاقتیں قدم قدم پہ اسکی حفاظت کر رہی ہیں۔ اسے دنیا کا طاقتور ترین شخص بنانے کے لیے کمزورہ سازشوں کا جال بنا جا رہا ہے۔ معصوم بے گناہ انسان، دانستہ یا نادانستہ جو بھی شیطان کے بیٹے کی راہ میں آتا ہے، اسے فوراً موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔

دجال..... یہودیوں کی آنکھ کا تارہ جسے عیسائیوں اور مسلمانوں کو تباہ و برباد اور نیست و نابود کرنے کا مشن سونپا جائے گا۔ یہودی کس طرح اس دنیا کا ماحول دجال کی آمد کے لیے سازگار بنا رہے ہیں؟ دجالیت کی کس طرح تبلیغ اور اشاعت کا کام ہو رہا ہے؟ دجال کس طرح اس دنیا کے تمام انسانوں پر حکمرانی کرے گا؟ 666 کیا ہے؟ ان تمام سوالوں کے جواب آپ کو یہ ناول پڑھ کے ہی ملیں گے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ آپ اس ناول کو شروع کرنے کے بعد ختم کر کے ہی دم لیں گے۔ ناول دجال کتاب گھر پر دستیاب ہے۔

یعنی صبح جلدی بیدار ہونے کی عادی تھی، سو حسب معمول اٹھ کر وضو کے بعد نماز فجر ادا کی اور الماری کے سب سے اوپر والے خانے میں اس کے جہیز کا قرآن پاک تھا جو یعنی اتار لائی اور کافی دیر تک زیر لب تلاوت کرتی رہی۔ ایرار ابھی تک بے سدھ پڑا سو رہا تھا۔ تلاوت کے بعد یعنی نے کلام پاک کو واپس الماری میں رکھا اور دروازہ کھول کر دو بے پاؤں کمرے سے باہر چلی آئی۔ پورے گھر پر مکمل سکوت طاری تھا۔ شاید سب لوگ یہاں دیر تک سونے کے عادی تھے۔ یعنی جہاں اس وقت کھڑی تھی یہ شائدی وی لاؤنچ تھا۔ بیش قیمت صوفے پڑے تھے اور جہاز ساز کا ٹی، وی بیج ٹرائی ایک کونے میں دھرا تھا اور سامنے دیوار پر بہت بڑی ہاتھ کی بنی پینٹنگ آویزاں تھی۔ یعنی یونہی بلا ارادہ اس کے قریب چلی آئی اور بغور دیکھنے لگی۔ اس پینٹنگ میں فقط دو خوب صورت پاؤں نمایاں تھے، جن پر مہندی سے نقش و نگار بنے ہوئے تھے اور رقص کے سے انداز میں تھرتھکتے یہ پاؤں کسی رقاصہ کے تھے چونکہ ان میں سنہری گھنگھر و بندھے ہوئے تھے اور انہی پیروں کے پاس چمکتے ہوئے فرش پر سکے اور نوٹ پڑے تھے، جب کہ پس منظر میں طبلے اور سارنگی کا نچلا حصہ بھی نظر آ رہا تھا۔ جن ہاتھوں نے بھی یہ منظر کیونٹس پر منتقل کیا تھا انہیں اپنے فن میں مہارت حاصل تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ یہ پاؤں ابھی دیکھتے دیکھتے تھرک اٹھیں گے اور پس منظر میں پڑا طبلہ اور سارنگی خود بخود بج اٹھیں گے اور پھر سارے ماحول پر وجد طاری ہو جائے گا۔

یعنی سحر زدہ سی ذرا آگے بڑھی۔ اس سے بھی آگے ایک پینٹنگ تھی جس میں ایک لڑکی ستارہ بجاری تھی مگر اس کے چہرے پر ناقابل بیان سوگواری نظر آ رہی تھی۔ شاید پینٹنگ جمع کرنا اس گھر کے مکینوں کا شوق تھا۔ تبھی یہاں کی دیواریں کسی آرٹ گیلری کا نقشہ پیش کر رہی تھیں۔ یعنی دھیرے دھیرے اگلی تصویر کی طرف بڑھ گئی جو قد آدم ساز کی تھی۔ اس میں ایک بیلے ڈانسر شاید رقص کے دوران لڑکھڑائی تھی جسے اس کا مرد ساتھی رقص ہی کے انداز میں سنبھالا دے رہا تھا۔ بڑی خوب صورت پینٹنگ تھی مگر ان سب مناظر میں زیادہ تر ایک چیز مشترک تھی کہ یہ تمام پینٹنگز کسی نہ کسی طرح گانے بجانے اور رقص کے مناظر پر مشتمل تھیں۔

اپنے ہی خیالوں میں گم یعنی ایک دھیمی سی آواز سن کر چونک اٹھی جو ذرا دور سے آرہی تھی اور کسی گنگناہٹ سے مشابہہ تھی.....
 ”اس وقت کون ہو سکتا ہے؟“ یعنی الجھی گئی۔ ”تلاوت.....! ہاں شاید کوئی قرآن پاک کی تلاوت میں مصروف ہے۔“ یعنی کو تو کم از کم یہی لگا اور وہ بے قدموں آواز کی سمت چل دی۔ طویل گیلری عبور کرنے کے بعد بیٹھک کے ساتھ والے کمرے کے پاس جا کر یعنی ٹھنک گئی۔ اب آواز کے ساتھ طبلہ اور سارنگی بھی حرکت میں آچکے تھے۔

جن لاگی توری لگن بلما

لاج موہے لاگے، ہائے رہے ہائے

لگائی تو نے کیسی آگن بلما

اس کی نند اور ابرار کی خالہ نغے کا سُر اٹھا رہی تھیں اور استادان کی اصلاح کر رہا تھا۔ یعنی کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ سامنے ہال کمرے میں بچے قالین پر دھرے گاؤں کیوں کے درمیان گھنگھر و وں کی جوڑی بھی پڑی تھی۔

”یا اللہ! یہ کیا اسرار ہے؟ میں کن لوگوں میں آ کر پھنس گئی؟“ یعنی الجھی الجھی سی واپس پلٹی تو اپنے پیچھے چندن بی بی کو دیکھ کر حیران رہ گئی جو

ہاتھوں میں چائے کی پیالی تھا مے کھڑی تھی۔

”چائے لے لو دلہن بیٹا!“ وہ مسکرائی اور عینی بھی سنبھل کر مسکرا دی اور پیالی اس کے ہاتھ سے تھام کر واپس ٹی وی لائونج کی سمت چل دی۔ چندن بوا اس کے ساتھ تھی۔

”آپ کو کس طرح معلوم ہوا کہ میں جاگنے کے بعد صبح چائے پیتی ہوں؟“ عینی نے سوال کیا

”لو اس میں کون سی سائنس ہے۔“ چندن بوانے زرد دانتوں کی ہنسی بھائی۔ ”سیدھی سی بات ہے جو لوگ صبح جلدی اٹھتے ہیں انہیں عموماً چائے کی طلب ہوتی ہے۔ جو دیر تک سوتے ہیں وہ اٹھنے کے بعد جوس وغیرہ کے طلب گار ہوتے ہیں۔“ چندن بوا کی زبان سے شاید اس کا گزشتہ بیس سالہ تجربہ بول رہا تھا۔ عینی امپر لیں ہو گئی۔

”یہ..... یہ.....“ عینی نے بیٹھک کے ساتھ والے کمرے کی سمت اشارہ کیا مگر سمجھ نہیں آئی کہ کس طرح پوچھے۔

”کون؟“ مایا اور منال.....؟“ چندن بوا عینی کی بات سمجھ گئی۔ ”دونوں آج کل گانا سیکھ رہی ہیں۔ براہی شوق ہے دونوں کو ٹی وی پر گانے کا۔ بڑی بی بی (عینی کی ساس) نے دونوں کے لیے استاد جی کا ہندو بست کرادیا تا کہ اچھی طرح گانا سیکھ جائیں تو اس کے بعد کسی ٹی وی پروڈیوسر کو قابو کیا جائے۔ کیا کریں آج کل بچیوں کے شوق ہی نرالے ہیں۔“ چندن بی بی کسر پر ہاتھ رکھ کر مدبرانہ انداز میں بولی اور عینی کو کسی سوچ میں گم دیکھ کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

”ناشتہ بناؤں عینی بی بی! آپ کے لیے.....؟“

”ابرا کب تک انھیں گے؟ انہیں کے ساتھ کر لوں گی۔“ عینی نے کہا اور جواباً چندن بوا ہنس دی۔

”بی بی! یہاں کوئی بھی فرد دو پہر ایک بجے سے پہلے نہیں اٹھتا، سوائے میرے۔ باقی مایا اور منال بی بی کی بات الگ ہے۔ وہ تو آج کل راگ سیکھ رہی ہیں۔ اس کے بعد جوس یا دودھ کا گلاس پی کر دوبارہ سو جائیں گی، اس لیے بہتر ہوگا کہ آپ ناشتہ کر لیں۔“ اور ناچا عینی نے اسے اپنے لیے ناشتہ بنانے کا حکم جاری کر دیا۔

☆☆☆

ہیلو کہنے کے ساتھ ہی کامران بھائی کے چہرے پر رونق آ گئی۔ فون پر بلاشبہ دوسری طرف غنی تھا۔

”ہیلو کامرن بھائی! میں ٹھیک ٹھاک اور خیریت سے ہوں۔ حادثے کے وقت مجھے چند معمولی خراشیں آئی تھیں اور یہاں کے مقامی اسپتال والوں نے مجھے ابتدائی طبی امداد کے بعد فارغ کر دیا تھا۔ حادثے کی اطلاع ملتے ہی رحم یار خان میں مقیم میرا ایک دوست جسے معلوم تھا کہ میں اس ٹرین کا مسافر ہوں، خبر ملتے ہی فوراً جائے حادثہ پر پہنچ گیا اور وہاں آتے ہی اس نے مجھے ڈھونڈ نکالا اور جب ڈاکٹر زمیری دیکھ بھال میں مصروف تھے تو تب اس نے میری ڈائری سے نمبر لے کر آپ لوگوں کو فون کیا تھا مگر نہ معلوم کیوں بار بار رابطہ منقطع ہو رہا تھا.....“ دفعتاً کامران بھائی کو اپنے ارد گرد کھڑے سب لوگوں کا خیال آیا جو غنی کی خیریت کے منتظر تھے۔

”عفی ہی ہے۔“ انہوں نے ماؤ تھ پیس سے منہ ہٹا کر سب کو بتایا اور سب کے چہروں کا اڑا ہوا رنگ یکخت واپس آ گیا۔

”ٹھیک تو ہے ناں میرا حل؟“ خالہ بے قراری سے آگے بڑھ آئیں۔

”ہیو عفی! یہ لو خالہ سے بات کرو تا کہ انہیں بھی تسلی ہو جائے۔“ کامران بھائی نے چونکا خالہ کو پکڑا اور خود عفی سے ہونے والی بات چیت

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

تفصیلاً باقی گھر والوں کو بتانے لگے۔

کامران بھائی کے مطابق اس وقت عفی اپنے اسی دوست کے گھر رحیم یار خان میں تھا اور اب اس کا پلان اگلے روز صبح اپنے دوست کے ساتھ اس کی کار پر کونسلہ جانے کا تھا چونکہ اس کے دوست کو بھی اپنی بہن کی شادی کے لیے کچھ سامان خریدنا تھا۔

عفی کی خیریت کی اطلاع ملتے ہی گھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی اور سب گھر والوں نے شکرانے کے نوافل ادا کیے اور نشو و نما کامران بھائی سے باقاعدہ ضد کر رہی تھی کہ آج وہ اسے شمس تبریزی کے گھر پر لے جائیں چونکہ حادثہ کی خبر پا کر اس نے منت مانی تھی کہ عفی بالکل خیریت سے رہے تو وہ مزار پر سلام کرنے اور چادر چڑھانے جائے گی۔

”اے میں بھی چلوں گی تمہارے ساتھ۔“ خالہ نے فوراً نشو کی حمایت کا اعلان کیا اور یوں دیکھتے ہی دیکھتے سبھی تیار ہو گئے۔ احمر اور کامران بھائی نے شام ان سب کو مزار پر لے جانے کی ہامی بھری۔

☆☆☆

زندگی اسی پرانے ڈھب پر واپس آ گئی تھی۔ فلکی نے اب محلے پڑوس میں کھل کر اپنے اور میراب کے اختلاف کا بتا دیا تھا۔ ویسے بھی زیادہ دیر تک اس حقیقت کو چھپانا ناممکن تھا مگر طلاق والی بات ابھی جانے کیوں مصلحتاً نہیں بتائی تھی۔ اس نے ڈرائیونگ اسکول بھی جوائن کر لیا تھا اور ہفتے کے اندر ہی اندر اپنا کام اچھی طرح سنبھال لیا تھا۔ میراب کی تحفہ بھجوائی ہوئی کار اس نے بیچ کر رقم کامران بھائی کے مشورے سے بینک کے ڈپازٹ میں جمع کروادی تھی اور اپنی ذاتی ضروریات تنخواہ سے پوری کیا کرتی تھی اور اس کی ضروریات ہی کتنی تھیں۔ گرمی سردی کے تین جوڑے اور کیا! باقی رقم وہ سیلے بھانے سے گھر میں خرچ کر دیتی، چونکہ ویسے تو اس نے جب بھی گھر پیسے دینا چاہے کامران بھائی نے منع کر دیا کہ فلکی کی تنخواہ کی ایک پائی بھی گھر میں خرچ نہیں ہوگی۔ وہ اپنی تنخواہ بینک میں جمع کر دیا کرے مگر فلکی اپنے طور پر کبھی کسی کے لیے کچھ خرید لاتی، کبھی کچھ۔ گھر کا فرنیچ اکثر خراب رہا کرتا تھا چنانچہ فلکی قسطوں پر اپنی تنخواہ سے فرنیچ اٹھالائی اور معاذ کے لیے تو وہ روزانہ ہی کچھ نہ کچھ لے آتی اور بھابی کو بھی اکثر تحفے تحائف دیتی شاید اسی لیے آج کل ان کی زبان پر فلکی کا کلمہ کثرت سے جاری رہتا۔

شبوآپی کو بیوہ ہونے کے بعد شوہر کے محلے کی طرف سے حاصل ہونے والی رقم کا سن کر ان کے سرال والے اس تجویز کے ساتھ شبوآپی کو لے جانے کے لیے آئے کہ ان کا نکاح ان کے منخلے دیور سے پڑھوایا جائے گا اور یوں ان کا بھی گھر بس جائے گا اور بے روزگار شبوآپی کے پاس موجود رقم سے کوئی کاروبار کر لے گا، مگر شبوآپی نے صاف انکار کر دیا کہ جس دیور کو وہ ہمیشہ بڑی بہن اور بھانج کی نظر سے دیکھتی رہیں، اب اسے شوہر کے روپ میں قبول نہیں کر سکتیں۔ ناچار وہ لوگ مایوس ہو کر لوٹ گئے۔ شبوآپی کی نیک نیکی کا صلہ اللہ تعالیٰ نے یوں دیا کہ جس بینک میں ان کا

اکاؤنٹ تھا وہاں کے بینک مینجر وجاہت علی جو ریٹروے اور دو بچوں کے باپ تھے۔ انہیں شبو آپی کی شرافت متانت اور سادگی بھاگئی اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ شبو آپی ایک معزز گھرانے کی فرداوریہ خاتون ہیں چنانچہ انہیں بطور اپنے بچوں کی ماں کے لیے منتخب کر لیا اور کامران بھائی کے آگے دست سوال دراز کر دیا، جس پر کامران بھائی نے سوچ بچار کا وقت مانگ لیا۔ امی تو قدرت کی اس مہربانی پر اس کا شکرا ادا کرتے نہ تھکتی تھیں۔ لوگوں کی کنواریاں بیٹھی تھیں اور ان کی بیوہ بیٹی کا نصیب کھل رہا تھا۔

”یا اللہ! میری فلکی کے حق میں بھی کوئی بہتری فرما دے۔“ وہ اٹھتے بیٹھتے ایک ہی دعا مانگا کرتیں اور فلکی بس مسکرا کر رہ جاتی۔

☆☆☆

ابھی ڈھونڈ ہی رہی تھیں تمہیں یہ نظر ہماری

کہ تم آگئے اچانک، بڑی عمر ہے تمہاری

یہ بات اب گویا معمول کا حصہ بن چکی تھی کہ ادھر فلکی بس سے آکر ڈرائیونگ سکول کے شاپ پر اترتی اور ادھر سامنے بنے گھنٹیا سے ہوٹل کے کاؤنٹر پر دھرا کیسٹ ریکارڈ فل والیوم سے بچ اٹھتا اور ساتھ ہی کاؤنٹر مین اپنی سرگیں آنکھوں میں رقعات شیطانیت کے ساتھ، گھنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے زیر لب مسکراتا ہوا فلکی کا بغور جائزہ لے ڈالتا۔ عورت خواہ سات پردوں میں بھی چھپی ہو تو مرد کی آنکھوں میں فٹ شوق و تجسس کی مخصوص دور بین اس کے سراپے میں پوشیدہ خد و خال کو ڈھونڈ نکالتی ہے۔ اس بات کا اندازہ فلکی کو گھر کی دہلیز سے باہر قدم رکھتے ہی ہو گیا تھا۔ پہلے پہل تو وہ بہت نروس ہوا کرتی تھی مگر بعد میں جیسے ان باتوں کی عادی ہوتی گئی بلکہ اگر کسی روز اس کی آمد کے ساتھ یہ ریکارڈ نہ بجاتا تب اسے تشویش ہوتی کہ آج کہیں ہوٹل والے کی طبیعت ناساز تو نہیں؟ یہاں فلکی کے ساتھ زیب النسا نامی ایک لڑکی اور شہنشاہ نامی لڑکا بھی دن کی شفٹ میں کام کرتے تھے۔ زیو اور شہنشاہ کا آپس میں شاید کوئی رومانس چل رہا تھا، اس بات کا اندازہ بھی فلکی کو یہاں آتے ہی ہو گیا تھا اور پھر بعد میں زیو نے فلکی کے اس اندازے کی تصدیق بھی کر دی تھی کہ شانی (شہنشاہ) اس سے محبت کرتا ہے مگر شادی کی ہامی نہیں بھرتا۔ ایک روز ریسٹ ٹائم میں زیو نے فلکی کے آگے اپنا دکھ بیان کیا۔

”کیوں.....؟“ فلکی حیران کر رہی۔

”بس کہتا ہے ماں نہیں مانتی۔“ وہ بے بسی سے بولی۔

”تو پھر محبت بھی ماں سے پوچھ کر ہی کرنا تھی۔“ فلکی سلگ اٹھی۔ اسے اندازہ ہو گیا کہ معصوم لڑکی شہنشاہ کی محبت میں کافی آگے نکل چکی ہے اور اس کے ساتھ بے حد مخلص بھی ہے اور اسی وجہ سے کئی مواقع پر اس نے شہنشاہ کی خوب مالی مدد بھی کی اور اب بھی اس کی تنخواہ کا بیشتر حصہ شہنشاہ کے التلون تعلقوں کی نذر ہو جاتا۔ غرض یہ کہ اس نے اس راہ محبت میں اپنا تن من گھن سب کچھ شہنشاہ پر نثار کر رکھا تھا۔ بظاہر شہنشاہ بھی اس کی محبت کا دم بھرتا نظر آتا تھا اور زیو کے آگے پیچھے پھرا کرتا مگر شادی کا ذکر ہمیشہ ٹال جاتا۔ فلکی سوچ رہی تھی کہ کسی روز موقع نکال کر وہ خود شہنشاہ سے زیو کے لیے دو ٹوک بات کرے گی۔

☆☆☆

بلوچستان کے جس علاقے میں غفی کو ٹریننگ کے لیے بھیجا گیا تھا وہاں شہری زندگی کی سہولیات نہ ہونے کے برابر تھیں اور رہائش کے لیے بھی غفی کو جو عمارت دی گئی تھی وہ بھی نیم پختہ مگر صاف ستھری تھی۔ مقامی لوگ سختی اور مخلص تھے۔ اس کے عہدے کے مطابق دیگر سہولیات کے ساتھ غفی کو سرکاری کاموں کے لیے ایک جیب مع ڈرائیور بھی دی گئی تھی اور اوپر کے کام کاج کے لیے ایک ملازم بھی موجود تھا۔

جس روز غفی وہاں پہنچا اسی شام اسے کمشنر نے اپنے گھر رات کے کھانے پر بلا لیا۔ غفی کو یہ جان کر خوشی ہوئی کہ اس کا سینئر نہایت سادہ طبیعت کا مالک ہے اور اپنے جونیئر پر رعب و دبدبہ قائم رکھنے کی بجائے بے تکلف اور ٹینشن سے پاک ماحول میں کام کرنا اور لینا جانتا ہے، چنانچہ جہاں کھانے کے دوران مسکراہٹوں کے تبادلے کے ساتھ نئی قسم کی گفتگو سے غفی کی جھجک دور ہوئی وہیں سرکاری امور پر بات چیت سے کئی اہم معاملات اور ارد گرد کے ماحول کے بارے میں آگاہی بھی ملی اور یوں کھانے کے بہانے پر ملاقات کئی اعتبار سے اس کے لیے سودمند بھی رہی۔

یہاں سے فراغت کے بعد رات گئے جب غفی اپنے کمرے میں پہنچا تو اس کا ملازم سوٹ کیسوں میں بند سامان کھول کر ترتیب سے الماری میں لگا چکا تھا۔ اس کے کپڑے استری ہو کر ہینگریز میں لٹکے تھے جب کہ الماری کے سب سے نچلے خانے میں پاش شدہ جوتے چمک رہے تھے۔ غسل خانے میں اس کا تولیہ اور شیو کا سامان موجود تھا اور کمرے میں موجود کھڑکی کے پاس پڑی رائٹنگ ٹیبل پر لکھائی پڑھائی سے متعلق سامان ترتیب سے موجود تھا۔ کمرہ اگرچہ زیادہ بڑا نہیں تھا مگر آرام دہ ضرور تھا۔ ایک طرف کونے میں غفی کا بستر لگا تھا۔ غفی نے کمرے کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد مطمئن ہو کر الماری سے اپنا ایک شلوار سوٹ نکالا اور غسل خانے میں گھس گیا اور جب وہ باہر نکلا تو اس کا ملازم شیر محمد ہاتھ میں ایک پیکٹ تھامے اس کا منتظر تھا۔

”یہ کیا ہے شیر محمد؟“ غفی نے تو لیے سے بال خشک کرتے ہوئے پوچھا۔

”صاحب! یہ آپ کے سوٹ کیس سے نکلا ہے۔ میں نے سوچا شاید کوئی ضروری ہے تبھی سنبھال کر اپنے پاس رکھ لیا تھا کہ آپ آئیں گے تو دوں گا۔“

”دکھاؤ تو.....“ حیرت کے طے جلے تاثرات کے ساتھ غفی نے وہ پیکٹ تھام لیا۔

”میں جاؤں اب.....؟“ شیر محمد نے پوچھا

”ہاں جاؤ..... مگر مجھے صبح نماز کے لیے ضرور جگا دینا۔“ غفی نے تاکید کی۔

شیر محمد کے کمرے سے جاتے ہی غفی نے بستر پر بیٹھ کر تسلی کے ساتھ پیکٹ کو الٹ پلٹ کر دیکھا اور I Love You کی ریپنگ شیٹ پر نظر پڑتے ہی اسے کچھ شک سا گزرا۔ اس نے جلدی سے بنا پھول کھولنے کے بعد کاغذ اتار کر پیکٹ کھولا۔ اندر سے اس کے پسندیدہ پرفیوم اور قیمتی شیونگ کسٹ پر مشتمل گفٹ موجود تھا۔ ایک چھوٹا سا وائس کارڈ بھی گفٹ کے ساتھ موجود تھا جو شاید قصداً یا سہواً پیک پر نصب ہونے سے رہ گیا تھا۔ غفی نے کھول کر پڑھا۔

”جان سے عزیز عفان کے لیے..... فرام نشانا ہید۔“

غفی نے ایک طویل سانس کھینچا۔ تو اس روز جب غفی سامان باندھ رہا تھا تو نشو کی اس کے کمرے میں آمد بلا وجہ نہیں تھی اور غفی کو بہانے

سے باہر بھیج کر اس نے موقع ملتے ہی سوٹ کیس میں یہ گفٹ پیک چھپا دیا مگر وہ جب عفی کے کمرے میں داخل ہوئی تھی تو خالی ہاتھ تھی۔ شاید اس نے کسی وقت عفی کی غیر موجودگی میں یہ گفٹ پہلے سے عفی کے کمرے میں چھپا دیا تھا یا پھر اس کام میں کوئی اور ہستی اس کی معاونت کر رہی تھی مگر کون؟؟ اور گھر سے کس طرح نشوونما بڑا پیکٹ سب کے سامنے لائی ہوگی؟

یہ وہ سوال تھے جن کا جواب عفی کے پاس نہیں تھا۔ جو بھی تھا مگر یہ بات طے تھی کہ یہ لڑکی باز آنے والی نہیں تھی۔ اب اس کا کچھ علاج کرنا ہی پڑے گا۔ عفی نے ہونٹ بھینچ کر سوچا اور تبھی اس کی نظر گفٹ پیکٹ کے اندر موجود پرفیوم کے بوتل کے نیچے دبے تہہ شدہ کاغذ پر پڑی اور بے دلی سے عفی نے ہاتھ بڑھا کر یہ کاغذ اٹھا لیا اور کھول کر پڑھنے لگا حالاں کہ پرچے کا مضمون اسے بن پڑھے ہی معلوم تھا مگر پھر بھی نجانے کیوں اس کی نظریں تحریر سے پھسلنے لگیں۔ اس خط کو تحریر کرنے کیلئے عجیب سی روشنائی استعمال کی گئی تھی جو تحریر کے وقت یقیناً سرخ ہوگی مگر اب سوکھ کر سیاہی مائل میرون رنگت اختیار کر گئی تھی اور پھر یہ عقدہ بھی فوراً حل ہو گیا۔ نشو کے مطابق یہ خط دراصل نشو نے انگلی پر چیرا لگا کر اپنے خون سے لکھا تھا اور اسی وجہ سے عفی کو یہ عجیب سی روشنائی لگی تھی اور عفی کو یاد آ گیا کہ جس روز اس کی روائگتی تھی، نشو کی انگلی میں پٹی بندھی ہوئی تھی۔ اس وقت عفی نے زیادہ غور نہیں کیا تھا مگر اب اک انوکھی سی بے چینی محسوس کر رہا تھا۔ خط میں نشو نے عفی کو عنقریب آنے والی اس کی ساگرہ کی مبارک باد دیتے ہوئے اپنے خون کی قسم کھا کر عہد کیا تھا کہ وہ عفی کے علاوہ جیتے جی کبھی کسی اور کی نہیں ہوگی اور اگر عفی بھی اس کی محبت کو نہ سمجھا تو وہ ایک دن اپنے ہی لہو میں نہا کر قبر کی گہرائیوں میں جا سوائے گی۔

”اُف..... ف..... ف.....“ خط پڑھ کر عفی لرز اٹھا تھا۔ نشا کی محبت دھیرے دھیرے جنون کی شکل اختیار کر رہی تھی اور اس آشفستہ کا سد باب ضروری تھا۔ ”یا خدا.....! میں کیا کروں؟“ عفی نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔

یہ بات نہیں تھی کہ عفی کو اس سے محبت نہیں تھی، وہ تو بہت چاہتا تھا اسے۔ بچپن سے اس کی ہر ضد پوری کرتا چلا آیا تھا مگر یہ والی ضد گویا بوتل میں ہاتھی کو بند کر دینے والی تھی اور ایسا کبھی نہیں سوچا تھا عفی نے اور شاید..... اب سوچ بھی لیتا چونکہ بظاہر تو نشو کی اس خواہش کی تکمیل ناممکن نہیں تھی مگر اب فلکی ایک سوالیہ نشان بن کر عفی کے سامنے آکھڑی ہوئی تھی اور سچ بات تو یہ ہے کہ دل کے نہاں خانوں میں کہیں نہ کہیں بچپن کی یہ محبت ضرور ڈیرہ ڈالے بیٹھی تھی جواب اپنے ہونے کا احساس دلا رہی تھی مگر شاید عفی ہی نادان نکلا جو دل کی پکار پر لبیک بھی نہ کہہ سکا اور دیکھتے ہی دیکھتے فلکی پرانی ہو گئی اور اب جب کہ اس کی وجہ سے فلکی اپنی منزل کا نشان کھو بیٹھی تھی تو نجانے کیوں اب عفی چاہتا تھا کہ اس کی رہبری کے فرائض سنبھال لے اور اس کا ہاتھ تھام کر اس گم گشتہ منزل کا سراغ لگائے جو اس کی اور فلکی کی مشترکہ تھی اور وہ اس نازک موڑ پر اپنے کندھوں پر اک ان دیکھا سا بوجھ محسوس کر رہا تھا۔ وہ دل میں ایک عہد کر چکا تھا جس کی پاسداری اب اپنا فرض سمجھتا تھا۔ وہ فلکی کے خاموش لبوں کو دوبارہ مسکراہٹ سے آشنا کر دینا چاہتا تھا مگر یہ نشا کی بچی جانے کہاں سے درمیان میں آ چکی تھی۔

”اف کیا کروں.....؟“ عفی نے میز پر دھیرے سے گھونسا مارا، اگر نشو کا رشتہ کسی خوب رو اور تعلیم یافتہ نوجوان سے طے پا جائے تو شاید اس کی سوچ کو مثبت راہ مل جائے اور وہ بخوبی اپنا راستہ بدلنے پر آمادہ ہو جائے۔

”حادث.....!“ ایک نام بجلی کی طرح غفی کے ذہن میں کودا۔ ہاں حادث ہی اس کام کے لیے مناسب ہے۔ اس جھیلے جوان سے بڑھ کر بھلا اور کون نشو کے لیے موزوں ہوگا۔ اعلیٰ خاندان کا فرد ہونے کے علاوہ کمپیوٹر انجینئرنگ اور کافی وجیہ و شکیل بھی تھا۔ یہ غفی کا وہی دوست تھا جو رحیم یار خان میں رہائش پذیر تھا اور ٹرین کے حادثے کی اطلاع ملنے ہی غفی کو تلاش کر کے اپنے ہمراہ گھر لے گیا تھا اور بعد میں اس کے ساتھ کوئٹہ تک آیا تھا۔ غفی کو اچانک یاد آیا کہ وہ ذکر کر رہا تھا کہ گھر والے آج کل اس کے لیے دلہن کی تلاش میں ہیں، مجھے اس نیک کام میں دیر نہیں کرنا چاہیے۔ یہ خیال آتے ہی غفی فوراً بے تابی سے اٹھ کر اسٹڈی ٹیبل کی طرف آ پہنچا اور کرسی پر بیٹھتے ہی دراز سے اپنا رائٹنگ پیڈ نکال کر حادث کو خط لکھنا شروع کر دیا۔

اس خط کا جواب غفی کو چند روز بعد ہی موصول ہو گیا جس میں حادث نے غفی کی خالہ کا ایڈریس اور فون نمبر وغیرہ وغیرہ مانگا تھا تاکہ اپنے گھر والوں کو وہاں بھیج سکے اور ساتھ ہی غفی سے دوستانہ درخواست کی تھی کہ وہ اسے نشو کی کوئی فوٹو بھجوادے، جسے دیکھنے کے بعد وہ واپس کر دے گا۔ شریعت کے لحاظ سے حادث کا مطالبہ ناجائز نہیں تھا اس لیے غفی نے برا نہیں منایا مگر مسئلہ یہ تھا کہ نشو کی کوئی فوٹو اس کے پاس موجود نہیں تھی البتہ عینی کی شادی پر سب کی تصویریں اتری تو تھیں۔ ان میں نشو کی بھی ہونی چاہیے۔ یہی سوچ کر غفی نے گھر والوں سے مطالبہ کیا تھا کہ اسے عینی کی شادی کے موقع پر لی گئی فوٹو کا الیم بھجوا دیا جائے۔ اسے امید تھی کہ نشو ہر لحاظ سے حادث کو پسند آئے گی اور اپنے تئیں دل ہی دل میں یہ فیصلہ کر بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔

☆☆☆

ادھر جب سے احمر بھائی کو ایک مشہور فضا کی کمپنی میں بطور ایرو نائیکل انجینئر پرکشش تنخواہ و دیگر مراعات کے ساتھ جاب ملی تھی خالہ بھی بہو کی تلاش میں چاروں طرف نظر دوڑا رہی تھیں بلکہ اب تو انہوں نے اپنے طور پر فیصلہ بھی کر لیا تھا۔ شبو آپ تو خیر احمر سے بڑی تھیں اور فلکی کی طرف غفی کا رجحان محسوس ہوتا تھا مگر نہ ابھی لاکھوں میں ایک تھی اور خالہ کا دل اسی کے حق میں گواہی دے رہا تھا مگر جب انہوں نے اس بات کا تذکرہ احمر سے کیا تو اس نے یہ کہہ کر انہیں حیران کر دیا کہ وہ نسرین بھابی کی بہن رومیلا سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ جانے کب، کہاں اور کیسے دونوں کے مابین عشق کا بیجا لگ گیا تھا اور کسی کو کانوں کا خبر تک نہ ہو سکی تھی۔ نسرین بھابی کی والدہ اپنی عادات و مزاج کے باعث خالہ کو پسند نہ تھیں اسی وجہ سے کچھ چچکا رہی تھیں مگر پھر احمر نے ہی سمجھایا کہ ضروری نہیں کہ بیٹی بھی ماں ہی جیسی ہو۔ اب نسرین بھابی تو بھری پڑی سسرال میں سب کے ساتھ گھل مل کر رہی تھیں۔ باقی آگے کا اللہ مالک ہے۔

آخر کار کافی سوچ بچار کے بعد خالہ، فلکی کی امی کے ہمراہ رومیلا کا رشتہ مانگنے کے لیے نسرین بھابی کے میکے جانے پر رضامند ہو گئیں اور ادھر سے بھی جواب مثبت ہی ملا۔ احمر بھائی کے تو آج کل خوشی کے مارے پوؤں ہی زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔ دونوں گھرانوں میں یہی طے پایا تھا کہ جب غفی چھٹی پر گھر آئے گا تو تبھی اس کی موجودگی میں احمر کی دھوم دھام سے منگنی کر دی جائے گی۔ احمر نے غفی کو بھی فون کر کے یہ خبر سنائی تھی اور وہ بہت خوش ہوا تھا

”اچھا..... یعنی تو تے کی بلا بندر کے سر مڑھی گئی۔“ وہ چھوٹے ہی ہنس کر بولا تھا۔

”کیا مطلب؟“ احمر مصنوعی خفگی سے بولا۔ ”اور بات سن..... یہ بندر وندر تو خود ہی ہوگا اور یہ بلا کسے کہا تو نے.....؟ بتاؤں گا تیری ہونے والی بھابی کو اسے تو بلا کا لقب دے رہا تھا۔“ احمر نے ہنس کر دھمکی دی حالاں کہ وہ جانتا تھا کہ نسرین بھابی کے گھر والے ہاتھ دھو کر نہیں بلکہ نہا دھو کر رومیہ کے پیچھے پڑے ہوئے تھے اور جواباً غفی نے اس کی منت سماجت شروع کر دی۔

”ناں بھائی! پلیز مت بتانا..... ورنہ دیور بھابی کے خوشگوار تعلقات میں قبل از وقت دراڑ پڑ جائے گی اور پھر وہ میرے خلاف میرے ننھے منے پیارے پیارے بھتیجا بھتیجی کے کان بھر دے گی تو وہ میری گود میں بھی نہیں چڑھیں گے۔“ غفی کے انداز پر احمر ہنس دیا۔

”واہ کیا بات ہے..... بلی کو خواب میں چھپڑے.....!“

”جی نہیں بلکہ اب تو بھائی! کے خواب میں بھابی۔“ غفی نے بھی شرارت سے احمر کو چھیرا تو وہ جھینپ کر ہنس دیا۔

☆☆☆

میرا ب مزے سے دن چڑھے تک سوتا رہا اور جب آنکھ کھلی تو ہڑ بڑا کر بستر پر اٹھ بیٹھا اور اجنبی نظروں سے چاروں سمت دیکھنے لگا۔ شاید اس کے حواس پر نیند کے عالم میں دیکھے گئے خواب کا اثر ابھی تک باقی تھا۔ جیسی زیر لب فلکی فلکی پکار رہا تھا اور پھر حیران ہو کر وال کلاک کی سمت دیکھنے لگا جو دن کے گیارہ بج رہا تھا اور خود کو لندن میں مٹی کے گھر، اپنے کمرے میں بستر پر موجود پا کر جیسے مطمئن سا ہو گیا۔

وہ کبیل اتار کر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا اور تکیہ کھینچ کر اپنی گود میں ڈال لیا۔ اس کا ذہن ابھی تک الجھا ہوا تھا اور غلامی آنکھیں کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ فلکی سے جدائی کے بعد آج پہلی بار اسے خواب میں دیکھا تھا۔ اس کے وجود سے اٹھنے والی بھینی بھینی سی خوشبو ابھی تک اس کا حصار کیے ہوئے تھی اور وہ میرا ب کے کس قدر قریب تھی۔ اپنا خواب یاد کر کے یکبارگی میرا ب کا دل دھڑک اٹھا۔

”جانے فلکی کیسی ہوگی۔“ اس کا خیال آتے ہی میرا ب کا دل دھڑک اٹھا اور وہ بے چین سا ہو گیا۔

”کون فلکی؟“ اس نے بے ترتیب دھڑکنوں پر قابو پا کر خود کو سرزنش کیا۔ ”کیا تعلق رہ گیا ہے اب اس بے وفا سے میرا؟“

”مگر اس کی یاد تمہیں اتنا بے کل کیوں کر رہی ہے؟ سچ کہو! کیا تم اسے مس نہیں کرتے؟“

اس نے اپنے اندر سے اٹھنے والی اس صدا کا گلا گھونٹ دیا۔ ”نہیں نہیں.....“ اس نے خود کو جھٹلایا۔ ویسے مٹی اکثر کہا کرتی ہیں کہ دو کشتیوں کا سوار ہمیشہ ڈوبا کرتا ہے۔ مٹی کے بات اسے یاد آگئی مگر وہ بھلا کب دو کشتیوں کا سوار تھا؟ ایک کشتی تو وہ خود اپنے ہاتھوں سے جذبات کے تلاطم میں ڈبو آیا تھا اور دوسری ناؤ..... ابھی تک اس کی رسائی سے دور تھی اور وہ خود؟ حالات کے پھنور میں پھنسا ہوا تھا پاؤں چلا کر ساحل تک پہنچنے کی تگ و دو میں مصروف تھا۔

میرا ب اپنی ہی سوچوں میں غطال تھا کہ کمرے کے دروازے پر ہلکی سی دستک کی آواز سن کر چونک گیا۔ ”لیس کم آن۔“ وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

”گڈ مارنگ مائی سن!“ پاپا دونوں ہاتھوں سے چائے کی ٹرے تھامے کمرے میں چلے آئے تھے۔

”اوہ گڈ مارنگ.....!“ میراب فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ جس طرح کسی درز سے روشنی کی ایک لکیر آپ ہی آپ جگہ بنا کر تاریکی کا سینہ چیرتی بند کمرے میں داخل ہو جاتی ہے، بالکل اسی طرح پاپا کی خاموش اور بے لوث محبت میراب کے دل میں چپکے چپکے گھر کر رہی تھی۔ میراب نے آگے بڑھ کر چائے کی ٹرے ہاتھوں سے تھام کر تپائی پر رکھ دی۔

”آپ نے کیوں زحمت کی پاپا!“ میراب نے آج پہلی بار انہیں پاپا کہا تھا۔ ان کے چہرے پر روشنی سی جگمگا گئی۔ انہوں نے بڑھ کر اسے گلے لگالیا اور پھر اس کے گالوں پر پیار بھری چپت لگائی۔

”اپنے بچوں کا کام بھی کبھی والدین کے لیے زحمت ہوا کرتا ہے؟“ اور پھر مسکرا کر شریر نظروں سے میراب کی طرف دیکھا۔ ”تمہارے لیے ایک سر پرانز ہے میرو!“

”جی.....؟ میں کچھ سمجھا نہیں۔“ اس نے الجھن آمیز نظروں سے پاپا کی طرف دیکھا۔

”ابھی ساری بات سمجھ لو گے۔“ وہ مسکرائے اور دروازے کی سمت دیکھ کر پکارا اٹھے۔ ”بھئی! ہمارے میرو کا سر پرانز اندر تشریف لے آئے۔“ دروازے پر آہٹ ہوئی اور میراب کی نظریں خود بخود اس طرف اٹھ گئیں اور وہ دم بخود رہ گیا..... وہاں لیزا موجود تھی.....!

میراب کا دل چاہا دوڑ کر اسے اپنے دل کی دھڑکنوں میں چھپالے مگر پاپا کا لحاظ مانع تھا لہذا صرف ہاتھ ملانے پر اکتفا کیا۔

”تم دونوں آرام سے بیٹھو..... میں تمہارے کھانے کے لیے کچھ لاتا ہوں۔“ پاپا کہہ کر کمرے سے نکل گئے۔

”تم ذرا چائے لو..... میں واش روم سے آتا ہوں۔“ میراب جھپاک سے منہ ہاتھ دھوئے گھس گیا اور کچھ دیر بعد معقول حلیے میں باہر آیا۔

”میں تمہیں لینے آئی ہوں۔“ لیزا نے کہا۔

”ہاں..... ابھی چلتا ہوں۔“ میراب نے سعادت مندی سے کہا۔

اتنی دیر میں پاپا دونوں کے لیے ناشتہ لے آئے اور میراب پھر ان کے حسن اخلاق سے متاثر ہوا۔ وہ کتنا خیال رکھتے تھے اس کا۔ می یقیناً اسپتال اور اس کی بہنیں اپنی کلاسز کے لیے گئی ہوئی تھیں ورنہ می کی موجودگی میں میراب شاید یہی سوچتا کہ انکل، می کے آگے اپنے نمبر بنانا چاہ رہے ہیں حالاں کہ اب ان کے نمبر بنانے والے اسٹیج بھی نہیں تھی۔ ناشتے کے بعد میراب، لیزا کی فرمائش پر تیار ہو کر اس کے ساتھ کہیں باہر جا رہا تھا اور پاپا کو بتا دیا تھا کہ وہ ہو جائے تو پریشان نہ ہوں۔ آج اسے می سے بھی ڈرنے لگ رہا تھا بلکہ اس نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ غفریب می کو صاف طور پر بتا دے گا کہ اس بار انہیں لیزا کو اپنی بہو قبول کرنا ہی پڑے گا ورنہ پھر وہ بیٹے سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں گی۔ آج شاید لیزا نے بھی اپنے آفس سے چھٹی کی تھی۔ جیسی دونوں دن بھر ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے مزے سے گھومتے پھرتے رہے مگر نجانے کیوں میراب پہلے کی طرح چپک نہیں رہا تھا۔ دوپہر کے بعد لیزا میرو کو اپنے فلیٹ پر لے گئی جہاں وہ بالآخر کہہ اٹھی۔

”میراب! تم مجھ سے خفا ہو؟“

”آں..... نہیں، ہرگز نہیں۔“

”تو پھر خاموش سے کیوں ہو؟“ وہ پوچھ بیٹھی۔

میراب نے ایک ناقدانہ نظر لیزا کے فلیٹ پر ڈالی تو کہے بغیر نہ رہ سکا۔ ”لیزا! تم کس کے ساتھ رہ رہی ہو؟“
”بوائے فرینڈ ہے میرا۔“ اس نے بے پروائی سے جواب دیا۔

”کیا! تم نے کیا مجھے بھلا دیا تھا جو میرے پاکستان جاتے ہی بوائے فرینڈ بھی بنا لیا اور پھر اس کے ساتھ ایگریمنٹ پر رہنے لگیں؟ آخر ایسی کیا مجبوری تھی کہ میرا انتظار بھی نہیں کیا گیا تم سے؟“ میراب نے موقع پاتے ہی شکایات کی پٹاری کھول ڈالی۔

”اور تم نے مجھے کیا یاد رکھا جو پاکستان جاتے ہی وہاں کی گرل سے شادی کر ڈالی؟“ لیزا نے گویا تڑے جوتا میراب کے منہ پر کھینچ مارا تھا۔ ”اور دیکھ لو..... میں نے تو شادی نہیں کی۔“ اس نے صاف آئینہ دکھایا تو میراب شرمندہ ہو گیا۔

”آئی ایم سوری.....!“ اس نے سر جھکا لیا۔ وہ دراصل اپنی روانی میں یہ بھول گیا تھا کہ وہ ایک امریکی لڑکی سے مخاطب ہے جو ہر معاملے میں مردوں سے برابری کی قائل ہے۔

”تو اب تمہارا کیا خیال ہے؟ آئی مین کیا ارادہ ہے؟“ اس نے پوچھا۔

”میرا ایگریمنٹ ختم ہونے والا ہے اور بس پھر مارکوس کے ساتھ نہیں رہوں گی، کیوں کہ وہ بے وفا ہے۔ میرے علاوہ اس کی کئی گرل فرینڈز ہیں اور وہ ان سے تنہائی میں ملتا ہے۔ سب سے بڑھ کر ہمارے مزاج ایک دوسرے سے نہیں ملتے۔ اسے تو ڈھنگ سے ”محبت“ کرنا بھی نہیں آتی۔“ لیزا نے مارکوس کی شکایت کا پورا پنڈورا کھول کے رکھ دیا اور میراب مسکرا دیا۔

”تم فکر مت کرو..... میں تمہیں اپنے ساتھ پاکستان لے جاؤں گا۔“ اس نے لیزا کو اپنی طرف کھینچ لیا۔

وہ شام تک لیزا کے فلیٹ پر ہی رہا اور گویا محبت کے سمندر میں ڈوب ڈوب کر ابھرتا رہا۔ شام کو دونوں تیار ہو کر کلب چلے گئے جہاں میراب نے اپنی دیرینہ خواہش کے مطابق دل بھر کے لیزا کے ہمراہ رقص کیا۔ آج وہ بہت خوش تھا۔ اس کے بعد دونوں نے ایک پیزا ہٹ کا رخ کیا اور پیزا کا آرڈر دیا اور جیسے ہی پیزا کی ڈش سامنے آئی تو میراب تعریف کیے بغیر نہ رہ سکا۔

”آہا بابا..... زبردست بھوک جگانے والی خوشبو ہے..... لونان!“

اس نے لیزا کو مخاطب کیا..... مگر یہ کیا..... وہ تو عجیب و غریب شکلیں بنارہی تھی جیسے سخت اباکیاں آرہی ہوں یا پھر وہ آنے والی فے کو زبردستی روک رہی ہو۔ میراب نے حیرت سے اسے دیکھا۔

”آریاؤ کے.....؟“ مگر لیزا اٹھ کر تیزی سے واش روم کی طرف لپکی۔

☆☆☆

”شاباش! دھیرے دھیرے کلچ چھوڑیں..... ایسے.....“

فلکی نے اپنی شاگرد کو صحیح طور پر گاڑی اشارت کرنے پر تھکی دی۔ کچھ دن بعد وہ مین روڈ پر تھے۔

”اب اپنا رائٹ انڈیکسٹر آن کرو اور پھر موقع ملے ہی آرام سے ٹرن لے لو۔“ فلکی نے اسے ہدایت دی۔ آگے سڑک پر جا بجا گڑھے تھے لہذا اس کی شاگرد سے گاڑی جھٹکے کھانے لگی۔

”آدھا کلچ دباؤ۔“ فلکی نے تاکید کی اور چند لمحوں بعد گاڑی نے ہچکولے کھانے بند کر دیے تھے۔ ”جب گاڑی اس طرح جھٹکے لے اور سڑک ناہموار ہو تو آدھا کلچ پاؤں کے نیچے دبانے سے یہ مسئلہ حل ہو سکتا ہے مگر ایکسپلیٹر کے ساتھ کبھی کلچ کا استعمال نہیں کرنا چاہیے کہ اس طرح کلچ پلیٹ مسلسل رگڑ کھانے کی وجہ سے جل جاتی ہے۔“ فلکی نے اپنی شاگرد کو ایک اور سبق دیا۔ ”تجی ریڈ گنٹل پر گاڑی رک گئی۔

”چلو فوراً فرسٹ گیر لگاؤ تاکہ گنٹل کھلتے ہی نکل سکو.....“ فلکی نے کہا۔

فلکی کی شاگرد ایک شادی شدہ خاتون تھی۔ جس کا شوہر کینیڈا میں مقیم تھا اور اب وہ بھی شوہر کے پاس جانے والی تھی کیوں کہ اس کے شوہر نے تاکید کی تھی کہ وہ پاکستان سے کار چلانا سیکھ کر آئے لہذا ان دنوں وہ فلکی کے زیر تربیت تھی۔ فلکی کو یاد آیا کہ اس نے بھی میراب کی فرمائش پر کار چلانا سیکھی تھی۔ میراب کو خود اعتمادی لڑکیاں پسند تھیں اور فلکی..... فطری طور پر شرمیلی تھی پھر میراب نے ہی اسے چھری کانٹے سے کھانا کھانے کا طریقہ سکھایا تھا۔ میراب کا خیال آتے ہی فلکی بے طرح اداس ہو گئی۔

کب گنٹل کھلا اور کب وہ آگے نکلے، اپنے خیالات میں کھوئی فلکی کو پتا ہی نہیں چلا۔ وہ تو اس چونکی جب اس کی شاگرد مسز نعیم نے گاڑی اپنی اگلی گاڑی کے پچھلے حصے سے ٹکرا دی۔ جھٹکے سے دونوں گاڑیاں رک گئیں۔ فلکی کی ہدایت پر اس کی شاگرد نے کار سڑک کے کنارے لگالی جبکہ اگلی گاڑی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا مگر اس کا مالک فوراً اتر آیا، فلکی کی ڈرائیونگ اسکول والوں کی پرانی گاڑی تھی اس لیے ایک آدھ ڈینٹ مزید پڑ گیا اور ایک ہیڈ لائٹ ٹوٹ گئی۔ اسی دوران ٹریفک سارجنٹ بھی آگیا تھا اور دونوں گاڑیوں کے نقصان کا اندازہ لگا رہا تھا۔ فلکی سخت نروس ہو رہی تھی۔ تبھی دوسری سمت سے گاڑی پر شہنشاہ چلا آیا۔ وہ بھی اپنے شاگردوں کے ساتھ مخصوص روٹ پر جا رہا تھا مگر فلکی کو دیکھ کر رک گیا۔

”کچھ بھی نہیں ہوا۔“ اس نے فلکی کو تسلی دی۔

”مگر ساجد صاحب تو کہہ رہے ہیں ڈبل کنٹرول گاڑی تھی۔ تم ہی بریک لگا دیتیں۔“ فلکی روہانسی ہو رہی تھی۔

”کچھ نہیں ہوتا..... میں ان لوگوں کو ڈراپ کر کے پندرہ منٹ تک واپس آتا ہوں۔ پھر میں آپ کی گاڑی لے جاؤں گا اور آپ میرے والی گاڑی پر چلی جانا۔“ اس نے فلکی کو تسلی دی اور پھر یونہی ہوا، جو بھی پرائلم تھا شہنشاہ نے خود solve کر لیا۔ کسی نے بھی فلکی سے کچھ پوچھا تک نہیں۔ فلکی اس کی کافی مشکور تھی اور اس روز کے بعد اس کی رائے شہنشاہ کے بارے میں بدل گئی۔

”ہو سکتا ہے زیو سے شادی نہ کرنے میں بے چارے کی کوئی مجبوری ہو۔“ وہ سوچا کرتی۔ اب اس کی شہنشاہ سے اتنی بے تکلفی ہو گئی تھی کہ وہ کھل کر زیو کے لیے بات کر سکتی تھی۔ تب ایک دن وہ جان بوجھ کر ڈیوٹی ختم ہونے کے بعد ڈرائیونگ اسکول میں رک گئی۔ زیو بوجھ چکی تھی مگر شہنشاہ باہر گاڑی کے پاس موجود تھا شاید اس کے چند دوست اس کے گرد جمع تھے۔ فلکی نے سوچا کہ یہ چلے جائیں گے تو وہ شہنشاہ سے گھرتی لفت مانگ لے گی اور اس طرح راستے میں زیو اور شہنشاہ کی شادی کے مسئلے پر بات بھی ہو جائے گی۔ وہ ساجد صاحب (ڈرائیونگ اسکول کے مالک) سے رخصت ہو کر دروازے میں آئی

تاکہ شہنشاہ سے معلوم کرے کہ اس کا کیا پروگرام ہے اور تب..... وہاں اپنا نام سن کر چونک اٹھی..... اور بغیر آہٹ کیے دروازے میں ہی رگ گئی۔ شاید شہنشاہ سمجھ رہا تھا کہ فلکی، زیبو کے ہمراہ جا چکی تھی تبھی بے فکری سے اس کے بارے میں بات کر رہا تھا۔ فلکی سُن ہو کر رہ گئی۔

☆☆☆

رات بھر اس کی صحت یابی کا جشن منایا گیا اور شہر کی معروف رقاصاؤں نے نہایت عمدگی سے اپنا رقص پیش کیا اس سے پہلے شام کو ماں نے بھی اپنی خواہش کے مطابق میلاد کی محفل منعقد کی اور پھر رات کو باپ نے شراب، شباب اور کباب کے ہمراہ احباب کی دعوت کر کے گویا دل کے ارمان نکالے۔ اسی کا اثر تھا کہ ضمیر خان دو پہر کے بارہ بجے بھی بڑی مشکل سے بیدار ہوا تھا۔ طبیعت پر عجیب سی کسلندی طاری تھی۔ نہادھو کر اس نے ناشتہ کیا اور پھر کپڑے بدل کر جیپ لے کر آوارہ گردی کو نکل کھڑا ہوا۔

اس کے جانے سے قبل اس کی ماں نے نجانے کون کون سی آیات کا ورد کر کے اس پر پھونکا اور تب کہیں جا کر ضمیر خان کو باہر نکلنے کی اجازت ملی۔ ”بیٹا! احتیاط سے جیپ چلانا۔“ وہ بار بار ہدایت دے رہی تھیں اور ضمیر خان کو ماں پر بے طرح پیارا آ گیا۔ ماں کا خیال آتے ہی اس کے لبوں پر آسودہ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

اس وقت ضمیر خان لڑکیوں کے کسی کالج کے آگے سے گزر رہا تھا اور شاید کچھ دیر قبل لڑکیوں کو کالج سے چھٹی ہوئی تھی چوں کہ وہ جوق در جوق کالج سے ڈار کی شکل میں نکل کر سڑک پر پھیل رہی تھیں شاید آج کالج بس نہیں آسکی تھی جی کچھ لڑکیوں کو تو ان کے گھر والے لینے آئے ہوئے تھے اور وہ باپ بھائیوں کے ساتھ موٹر سائیکلوں اور کاروں پر جا رہی تھیں اور کچھ پیدل کسی سواری کی تلاش میں تھیں۔

غرض یہ کہ اس وقت سڑک پر بہت رش تھا۔ اسے اپنے باپ شوکت خان کی یاد آگئی کہ عورتیں سڑک پر موسیقیوں کی طرح چلتی ہیں۔ لاکھ ہارن دو مگر مجال ہے جو ذرا ہٹ جائیں۔ باپ کی بات یاد آتے ہی وہ مسکرا دیا۔ عورت کی نقل و حرکت پر کتنی گہری نظر رہتی تھی اس کے باپ کی اور اب ضمیر خان بھی کافی پرہیز نکال رہا تھا۔ عورت ایک بھول بھلیاں سی ہوتی ہے جس میں گم ہو جانے کو دل کرتا ہے، وہ اپنے تئیں ایک ایسی پہیلی ہے جسے بوجھنے کی تمنا لیے مرد خود چکرا جاتا ہے اور تبھی اچانک ضمیر خان کی نظر کالی چادر میں لپٹی ایک خوب صورت دوشیزہ پر پڑی، جس کا نور سے دھلا صبح چہرہ ضمیر خان کی آنکھوں کے راستے دل میں اتر گیا۔ یہ لڑکی چادر سے اچھی طرح سر ڈھانپے سڑک کے کنارے تنہا چلی جا رہی تھی اور تبھی ضمیر خان نے رش میں سے جگہ بناتے ہوئے جیپ اس کے قریب جا روکی۔

”سنو..... آؤ بیٹھو میں تمہیں ڈراپ کر دیتا ہوں۔“ اس نے جیب کی کھڑکی سے سر نکال کر لڑکی کو مخاطب کیا۔

”جی نہیں شکریہ!“ لڑکی نے سر اٹھایا تو ضمیر خان کو اس کی بڑی بڑی براؤن آنکھوں میں کاجل کی کاٹ بڑی بھلی لگی۔

”اُھا..... بڑی اتھری میاں ہو..... ہیں؟ چلو آؤ شاباش..... خدمت کرو۔“ اس نے لڑکی کو چکارا اور پرشوق نظروں سے اسے نکلے گیا۔

”تم جاتے ہو یا بلاؤں پولیس کو.....؟“ لڑکی نے باوازی بلند کہا تو کئی لوگ ضمیر خان کی اور اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

”اپنے حلیے سے تو شریف آدمی لگتے ہو مگر پورے بد معاش ہو اور تم جیسے لوگوں کے دماغ ٹھکانے لگانا میں خوب جانتی ہوں۔“ لڑکی غصے سے

پھنکاری تو اس کی سنہری رنگت گلابی ہوگئی اور آنکھوں کا رنگ گہرا سا لگنے لگا اور اس روپ میں تو وہ اور بھی ضمیر خان کی آتش شوق کو بھڑکانے لگی مگر اس دوران چوں کہ سڑک پر کافی رش تھا اور کچھ لوگ کیہ تو زنگھڑوں سے ضمیر خان کو گھور رہے تھے اور معاملے کا اندازہ کر کے اس بات کے منتظر تھے کہ لڑکی مدد کو پکارے یا غنڈے کی جسارت بڑھے تو اس کا دماغ ٹھکانے لگا میں چنانچہ حالات کی نزاکت بھانپ کر ضمیر خان نے وہاں سے نکل جانے ہی میں عافیت جانی۔

وہ کسی سے ڈرتا نہیں مگر خواہ مخواہ معاملے کو طول نہیں دینا چاہتا تھا اس لیے ”او کے بادامو! پھر ملیں گے۔“ یہ کہہ کر جیب آگے بڑھادی اور لڑکی نے سکون کا گہرا سانس لے کر قریب سے گزرنے والی خالی موٹر کشہ کو ہاتھ دے کر روکا اور اس میں سوار ہوگئی۔ یہ نیرتھی.....!



میرے خواب ریزہ ریزہ

جو چلے تو جاں سے گزر گئے جیسے خوبصورت ناول کی مصنفہ ماہ ملک کی ایک اور خوبصورت تخلیق۔ میرے خواب ریزہ ریزہ کہانی ہے اپنے ”حال“ سے غیر مطمئن ہونے اور ”شکر“ کی نعمت سے محروم لوگوں کی۔ جو لوگ اس نعمت سے محروم ہوتے ہیں، وہ زمین سے آسمان تک پہنچ کر بھی غیر مطمئن اور محروم رہتے ہیں۔

اس ناول کا مرکزی کردار زینب بھی ہمارے معاشرے کی ہی ایک عام لڑکی ہے جو زمین پر رہ کر ستاروں کے درمیان جیتی ہے۔ زمین سے ستاروں تک کا یہ فاصلہ اس نے اپنے خوش رنگ خوابوں کی راہ گزر پر چل کر طے کیا تھا۔ بعض سفر منزل پر پہنچنے کے بعد شروع ہوتے ہیں اور انکشافات کا یہ سلسلہ اذیت ناک بھی ہو سکتا ہے۔ اس لیے رستوں کا تعین بہت پہلے کر لینا چاہیے۔

یہ ناول کتاب گھر پر دستیاب ہے، جسے رومانی معاشرتی ناول سیکشن میں پڑھا جاسکتا ہے۔

اک دیا جلائے رکھنا

جو چلے تو جاں سے گزر گئے اور میرے خواب ریزہ ریزہ جیسے خوبصورت ناولوں کی مصنفہ ماہ ملک کی ایک اور خوبصورت تخلیق۔ شہرہ آفاق ناول ایک دیا جلائے رکھنا کتاب گھر پر دستیاب ہے، جسے رومانی معاشرتی ناول سیکشن میں پڑھا جاسکتا ہے۔

باب-9

کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

<http://kitaabghar.com><http://kitaabghar.com>

”یہ تو آج کل کہاں کھویا کھویا سا رہتا ہے۔“ بیگم سلمیٰ شوکت نے غور سے ضمیر خان کی طرف دیکھا جو ناشتا کرنے کی بجائے اپنے ہی خیالوں میں گم تھا۔ ”اے لڑکے! میں تجھ سے کہہ رہی ہوں۔“ سلمیٰ شوکت نے اس کے سامنے دھری خالی پلیٹ کے کنارے پر کانٹا بجا کر اسے متوجہ کیا تو وہ چونک گیا۔

”ہوں..... ہاں..... مجھے بھوک نہیں ہے.....“ اس نے سامنے سے ایک طرف کھسکا دی۔

”اے لو..... بھوک کیوں نہیں ہے؟ سرور ہی بتا رہی تھی کہ تُو نے کل رات بھی کھانا نہیں کھایا تھا اور اب بھی تجھے بھوک نہیں۔“ آخر ایسا کیا دیکھ لیا جو بھوک پیاس ہی اُڑ گئی۔“

اور ضمیر خان نے چونک کر اپنی ماں کی طرف دیکھا جو روٹی پر دیسی گھی چڑ رہی تھی تاکہ ضمیر خان شوق سے کھالے۔ اس کی ماں کے چہرے پر کوئی ایسی بات نہیں تھی جس سے یہ ثابت ہو سکتا کہ وہ ضمیر خان کے دل کے چور تک پہنچ گئی ہے۔

”لے..... کھالے۔“ اس کی ماں نے گرم گرم گھی سے چڑی روٹی اس کی پلیٹ میں رکھ دی۔ ”چائے بنا دوں؟“ اس نے ضمیر خان کی پیالی اپنی طرف کھسکائی۔

”اچھا بنا دے۔“ اس نے ہار مان لی۔ ”تُو بھی ماں بس.....“ ضمیر خان نے سر جھٹک کر روٹی کا نوالہ توڑا۔

”کھالے شاباش! ایک تو آج کل کے نو جوانوں میں یہ ڈمننگ (ڈائمنگ) کی وہاں جانے کیسے پھیل گئی ہے۔ جسے دیکھو بھوک ہڑتاں کا شوق ہے، اسی لیے جو بن پر جوانی کھل کر برستی ہی نہیں کہ بڑھا پانک پڑتا ہے۔ جسے دیکھو بھری جوانی میں مضحل، پڑمرده اور چڑچڑا نظر آتا ہے۔ چہروں پر تازگی اور خون کی سرخی کی بجائے پیلاہٹ اور سستی نظر آتی ہے اور تو اور لڑکوں کو بھی لڑکیوں کی طرح باشت بھری کمر کا شوق پڑا ہے، اسی لیے اب کوئی گھبرو جوان نظر ہی نہیں آتا۔“

”ابا کیسا تھا جوانی میں.....؟“ ضمیر خان نے مسکرا کر شرارت سے ماں کو چھیڑا۔

”آئے ہائے.....“ اس نے سرد آہ بھری۔ ”وہ تو ابھی بھی تمہارے جیسے چھ سات جوانوں کو اکیلا چت کر دے اور جوانی میں تو شوکت خان واقعی بڑا بھرپور اور خوب رو جوان تھا۔ اکھاڑے میں اُتر کے پہلوانی کیا کرتا تھا۔ چھ ست (سات) کلو دودھ اکیلا جٹا جاتا تھا۔ چار سیر گوشت اکیلا کھا لیتا تھا۔ بڑی قابل رشک صحت تھی اس کی، مگر مونا نہیں تھا۔ جتنا کھاتا تھا، اکھاڑے میں ورزشیں کر کے سب ہضم کر آتا تھا۔ کشمیر کے لال سیبوں کی طرح کے گال تھے اُس کے۔“

”تبھی تو تجھے پسند آ گیا تھا۔“ ضمیر خان آج ماں کو ستانے کے موڈ میں تھا۔

”ناں بیٹا! ہمارے زمانے میں یہ بدمعاشیاں نہیں ہوتی تھیں البتہ لڑکی کے گھر والے دیگر باتوں کے ساتھ لڑکی کی صحت اور ناک نقشہ ضرور دیکھتے تھے۔ پہلے زمانے کا گھبر و جوان اگر کسی کا ہاتھ تھام لیتا تو دوسرے کو بانہہ چھڑانی دو بھر ہو جاتی تھی اور آج کا نو جوان اگر گرجبوشی سے کسی سے مصافحہ بھی کر لے تو شاید کلائی میں موج پڑ جائے اُس کی..... اور تیرا باپ اپنے زمانے کا خوب صورت، چاق و چوبند اور گھبر و جوان تھا۔“

”تُو کہتی ہے تو مان لیتا ہوں..... پر لگتا نہیں۔“ ضمیر خان مسلسل شرارت پر آمادہ تھا۔

”ارے یہ تو بعد میں اس کے شوق اسے لے ڈوبے ورنہ تو ایسا ہی تھا۔ یہ تو کالت کا امتحان پاس کرنے کے بعد نجانے کس کم ذات نے اسے گاؤں کے علاقے سے ایکشن لڑنے کی پٹھی (الٹی) مٹ (عقل) دے دی اور یوں یہ ایکشن جیتنے کے بعد شیطانی کاموں میں اُلجھتا گیا تو چہرے کا نور اور رونق سب مٹی ہو گئی۔ طرح طرح کی زنانیوں کے شوق نے ساری صحت کا بیڑہ غرق کر دیا۔“ بیگم سلٹی شوکت کے منہ میں یک دم ہی کڑواہٹ سی گھل گئی اور اس نے سر جھکا لیا۔

”چل چھوڑ.....“ ضمیر خان نے ماں کو اُداسی کے بھنور سے نکالنے کو کہا۔ ”باپ جیسا نہ سہی مگر تیرا بیٹا بھی کسی ٹارزن سے کم نہیں ہے۔ یہ دیکھ میرے مسل.....“ اس نے آستین اُلٹ کر ہاڈی بلڈرز کی طرح اپنے بازوؤں کے مسل پھلے اور سلٹی بیگم مسکرا کر رہ گئی۔

”مسل.....؟ مجھے تو یہ مسائل زیادہ لگ رہے ہیں۔“

”جا ماں.....! میں نہیں بولتا تجھ سے۔“ ضمیر خان نے مصنوعی خفگی سے منہ پھلایا۔

”ارے پلگے.....! میں تو مذاق کر رہی تھی تجھ سے۔“ بیگم سلٹی شوکت نے پیار سے ضمیر خان کے گالوں پر چپٹ لگائی اور ضمیر خان ہنس دیا۔

”ایک بات تو تجھے بتانا ہی بھول گئی.....“ سلٹی شوکت نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔

”کیا.....؟“ ضمیر خان اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

”آج شام کو میں اور تیرے ابا بیہینہ کے گھر تیرے رشتے کی بات پکی کرنے کے لیے جا رہے ہیں بلکہ اگر ہو سکے تو آج ہی شادی کا دن اور مہینا بھی ساتھ ہی مقرر کر آئیں گے۔“

”مگر کیوں؟“ ضمیر خان کی تیوری پر پل آ گیا۔

”کیوں کہ تیری پھوپھی کی بیٹی شاہینہ تیری بچپن کی منگ (مگتیر) ہے اور اب جتنی بھی جلدی ممکن ہو اسے اس گھر میں بیاہ کر آ جانا چاہیے۔ اچھا ہے اسی بہانے گھر میں کچھ چہل پہل ہو جائے گی اور ہو کے آ جانے سے میرا بھی دل لگا رہا کرے گا۔“

”مگر ماں!..... وہ تو مجھ سے عمر میں چھ سات سال بڑی ہے..... اور ویسے بھی اتنی تیز طرار ہے..... مجھے یہ رشتا ہرگز منظور نہیں۔“ ضمیر خان نے احتجاج کیا۔

”بھئی بڑی ہے تو کیا ہوا؟ اپنے ساتھ اتنی لمبی چوڑی جائیداد لارہی ہے وہ۔ تیری کئی نسلیں بیٹھ کر عیش کریں گی۔“

”لیکن اگلی کئی نسلوں کے عیش و آرام کی خاطر میں اپنی زندگی تباہ نہیں کر سکتا۔“ ضمیر خان نے جتنی انداز میں جواب دیا۔

”لو اور سنو.....“ سملی شوکت اپنے منہ پر دوپٹے کا پلور رکھ کر بے تحاشا ہنسی۔ ”کبھی کسی مرد کی زندگی بھی تباہ ہوئی ہے بھلا!! وہ تو ایک آزاد پنکھ پکھیر کی طرح کبھی ایک ڈال پر تو کبھی دوسری شاخ پر پھدکتا پھرتا ہے۔ دکھ جھیلنے اور انڈے سینے کو مادہ ہی تنہا گھونسے میں بیٹھی رہ جاتی ہے، سو وہ بے چاری بھی پڑی رہے گی ایک کونے میں۔“

”بالکل تیری طرح..... ہے ناں؟“ ضمیر خان کی طنزیہ نظریں سملی شوکت کے کلیجے میں اتر گئیں مگر وہ حد درجہ سکون سے بولی

”ہاں میری طرح..... تو نے شاید وہ مثل نہیں سنی کہ ہاتھی پھرے گاؤں گاؤں..... جس کا ہاتھی اس کا ناؤں۔ ایم این اے شوکت خان کی

نیگم ہونے کا درجہ تو صرف مجھی کو حاصل ہے ناں.....!“

”تو بس اسی میں خوش رہ۔“ ضمیر خان ہنسا۔

”آج تو ایسی باتیں کیوں کر رہا ہے ضمیر؟ کہیں تجھے کوئی اور لڑکی پسند تو نہیں آگئی؟“ سملی شوکت نے ضمیر خان کی آنکھوں میں جھانکا۔

اور ضمیر خان کی آنکھوں میں اس کالی چادر والی لڑکی کا سراپا گھوم گیا۔

”پتا نہیں.....!“ اس نے بے بسی سے سر ہلایا اور نظریں جھکا لیں۔

”سن..... ضمیر.....! اگر واقعی تجھے کوئی لڑکی بھاگئی ہے تو بے غیرتوں کی طرح اُسے صرف اپنے بستر کی زینت ہی مت بنانا، بہادر اور

شریف مردوں کی طرح اپنی غیرت بھی بنالینا..... اگرچہ تیری رگوں میں شوکت خان جیسے بے ضمیر اور بے حس باپ کا خون دوڑ رہا ہے مگر سنا ہے کہ

ماں کے دودھ کا بھی کافی اثر ہوتا ہے اور تجھے اسی قول کا بھرم رکھنا ہے اب۔ اپنی ماں کے فخر کوٹھی میں مت رول دینا..... ورنہ..... میں تجھے کبھی معاف

نہیں کروں گی۔“

☆☆☆

آپ کے اشتہار / پیغام کی جگہ

کیا آپ کتاب گھر ذریعے ہزاروں لوگوں تک اپنا پیغام پہنچانا چاہتے ہیں؟؟ کیا آپ اس جگہ پر اپنا اشتہار / پیغام دیکھنا چاہتے ہیں؟؟؟
آپ اپنی کتاب، ویب سائٹ، فورم (مسیح بورڈ) کاروبار یا کسی بھی قسم کے اشتہار / پیغام کے لیے رابطہ کر سکتے ہیں۔ رابطہ کے لیے

kitaabghar.com پر موجود Contact Us فارم استعمال کیجئے یا پھر kitaab_ghar@yahoo.com پر ای میل کیجئے۔

فلکی کو بستر پر کسی کروٹ چین نہیں آ رہا تھا۔ نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ رہ رہ کر اسے شہنشاہ اور اس کے دوستوں کی وہ گفتگو یاد آ رہی تھی جو وہ اس کے متعلق کر رہے تھے۔

”یار! یہ متوسط گھرانے کی لڑکیوں کو پھانسا کون سی مشکل بات ہے۔ دو چار چھوٹے موٹے تحائف اور چند محبت بھرے جملوں کے عوض لڑکی پٹ سے آپ کی جھولی میں آگرتی ہے۔“ کسی نے اپنا تجربہ بیان کیا۔

”ہاں مگر بے کار ہوتی ہیں یہ لڑکیاں۔ ایک دفعہ قربت کے بعد سے ہی شادی کرو،“ گھر والوں کو بھیجی کی تکرار کرنے لگتی ہیں۔ پیچھا چھڑانا دو بھر ہو جاتا ہے پھر ہر وقت احتیاط سے کام لینا پڑتا ہے کہیں کچھ ”ایسا ویسا“ نہ ہو جائے۔ دوستی و عارضی محبت کے لیے تو شادی شدہ عورتیں بے حد مناسب رہتی ہیں۔ میاں کے خرچے پر آپ کو ”مزے“ کراتی ہیں۔ کوئی خاص احتیاط کی ضرورت بھی نہیں پڑتی، نہ وہ آپ کے پیچھے ”شادی کرو“ کا نعرہ لگاتی پھرتی ہیں بلکہ از خود ہٹتا رہتی ہیں کہ ان کے میاں کو کسی بات کا پتا نہ چل جائے۔“ شہنشاہ نے بے غیرتی سے کہا۔

”مگر ایسی شادی شدہ عورتیں بہت کم ہوتی ہیں اور جو ہوتی ہیں وہ کسی شریف طبقے سے نہیں ہوا کرتیں پھر مس فلکی تو کافی سخت اور خاصی ریزروسی رہا کرتی ہے۔“

”نہیں شہنشاہ! اس بار تمہارا انتخاب کچھ ٹھیک نہیں ہے۔“ کسی نے کھل کر فلکی کی شرافت کو سراہا تھا اور جواباً شہنشاہ کا قہقہہ دور تک سنائی دیا۔

”یار! تو بھی اناڑی ہے۔ یہ اپنی مس فلکی تو طلاق یافتہ عورت ہے اور طلاق شدہ عورت تو ویسے بھی چلتا پھرتا بارود ہوا کرتی ہے۔ صرف ہلکی سی چنگاری کی منتظر.....! ذرا سی ہمدردی کرو اور بس..... وہ آنسو بہاتی آپ کے بازوؤں میں ہوگی اور پھر ”جو مزاج یار میں آئے۔“ شہنشاہ کا قہقہہ تمام قہقہوں میں نمایاں تھا۔ ”بے بسی، حسرت و ناکامی اور بے چارگی و مظلومیت کا اشتہار بنی ایسی عورتیں صرف آپ کی چاہت اور ہمدردی کی تو طلب گار ہوتی ہیں.....“

اور اس سے زیادہ سننے کی فلکی کے اندر تاب نہیں تھی۔ وہ تمام تر حوصلے کجا کر کے باہر نکل آئی تھی اور اسے دیکھتے ہی شہنشاہ اور اس کے دوستوں کو گویا سانپ سونگھ گیا تھا۔ فلکی نے ایک اچھتی سی نظر شہنشاہ پر ڈالی اور آگے بڑھ گئی حالاں کہ دل تو چاہ رہا تھا کہ اس کا گلاد بادے مگر پھر یہ سوچ کر اپنی خواہش کو عملی جامہ نہ پہنا سکی کہ کچھڑ میں ڈال مارو تو چھینے خود پر ہی آتے ہیں۔

”سنیے مس فلکی.....! آج تو گھر جانے میں بہت دیر ہوگئی آپ کو۔ آئیے میں ڈراپ کر دوں.....!“ شہنشاہ منافقت کا لبادہ اوڑھ کر اس کے پیچھے لپکا مگر فلکی سنی ان سنی کر کے آگے بڑھ گئی تھی۔

ایک طلاق یافتہ عورت کو معاشرے میں بری نظر سے دیکھا جاتا ہے، یہ تو فلکی کو معلوم تھا مگر اسے اتنا زیادہ برا سلوک کا مستحق سمجھا جاتا ہے یہ فلکی کو آج ہی معلوم ہوا تھا۔

کاش میرا بل جائے، صرف ایک بار ہی سہی تو اس سے پوچھوں گی کہ معاشرے کی نظروں میں فلکی کو اتنا بے وقعت کر کے اسے کیا ملا؟ حالاں کہ فلکی کا تو کوئی قصور بھی نہیں تھا..... پھر بھی اسے اپنی صفائی کا موقع دیے بغیر مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا کر کے سزا سنادی گئی۔

اپنی بے بسی اور قسمت کی ستم ظریفی پر روتے ہوئے نجانے کب فلکی کی آنکھ لگ گئی لیکن اگلی صبح بیدار ہوتے ہی فلکی نے اپنا استغنیٰ لکھا اور کامران بھائی کے ہاتھ تھام دیا تاکہ وہ آفس جاتے ہوئے ڈرائیونگ سکول کے مالک کو دیتے جائیں۔

☆☆☆

میراب کی چھٹی ختم ہونے میں بس ایک ہی ہفتہ باقی رہ گیا تھا اور ادھر لیزا کا مارکوس کے ساتھ ایگریمنٹ ختم ہونے میں کل بیس دن باقی تھے۔ میراب نے اپنے تئیں ساری منصوبہ بندی مکمل کر لی تھی اور انکل (پاپا) کی مدد سے ممی کو بھی اس بات پر راضی کر لیا تھا کہ جیسے ہی لیزا کا مارکوس کے ساتھ ایگریمنٹ ختم ہوگا وہ میراب کے نکاح میں آ جائے گی۔

”کیا وہ تمہاری خاطر اسلام قبول کر لے گی میرو؟“ ممی نے میراب سے چھپتے ہوئے انداز میں سوال کیا اور میراب نے بڑے اعتماد سے اثبات میں سر ہلا کر انہیں لا جواب کر دیا تھا۔ اگرچہ ابھی اس بارے میں اس کی لیزا سے کھل کر بات نہیں ہوئی تھی مگر نجانے کیوں اُسے اپنی محبت پر بڑا اعتماد تھا اور اب طے یہی پایا تھا کہ میراب اپنی جاب پر پاکستان چلا جائے اور بعد میں لیزا، میرو کے ممی اور پاپا کے ساتھ پاکستان پہنچ جائے گی جہاں اس کا نکاح اسلامی طور طریقوں کے مطابق میراب کے ساتھ پڑھا دیا جائے گا اور وہ وہیں رک جائے گی جب کہ چھٹیاں گزار کر میرو کے ممی پاپا اور بہنیں واپس امریکا آ جائیں گے۔

”پاپا! آپ جب پاکستان آئیں گے تو وہاں سے ہم اکٹھے پروگرام بنا کر شمالی علاقہ جات کی سیر کو بھی چلیں گے۔ سچ آپ اتنی حسین جگہ جا کر ایک دم خوش ہو جائیں گے۔“ میراب شلوار قمیض میں ملبوس اس وقت سچا اور محبت وطن پاکستانی دکھائی دے رہا تھا۔ وہ ان دنوں واقعی بے حد خوش تھا۔ لیزا کے ساتھ زندگی گزارنے کا تصور ہی اس کے لیے بے حد خوش کن تھا مگر جب یہ ساری پلاننگ اس نے لیزا کے گوش گزار کی تو وہ نجانے کیوں بجھ سی گئی۔ دونوں اس وقت ایک جھیل کے کنارے پتھر کے بیچ پر بیٹھے پانی میں تیرتے راج ہنسو کو دیکھ رہے تھے اور لیزا حسبِ عادت خوب چہک رہی تھی۔ وہ بار بار حیلے بہانے سے میراب پر جھک آتی مگر اس وقت خاصی سنجیدہ دکھائی دے رہی تھی۔

”تم شاید اپنے ملک اور روایت چھوڑ دینے کے خیال سے افسردہ ہو۔“ میراب نے پیار سے اس کے ماتھے پر آئی لٹ ہٹاتے ہوئے کہا۔

”مگر بھئی! لڑکیوں کو تو شادی کے بعد اپنے شوہر کے گھر جانا ہی پڑتا ہے۔“ وہ شرارت سے مسکرایا۔

”ایسی بات نہیں ہے میرو!“ وہ اس لمحے خاصی الجھی ہوئی سی لگی۔ ”دراصل میں نے ابھی اس بارے میں سوچا نہیں۔“

”تو اب سوچ لو.....“ میراب نے پیار سے درخواست کی۔

”ہاں..... شاید..... اب سوچنا ہی پڑے گا۔“ وہ خلاؤں میں گھورتے ہوئے خود کلامی کے سے انداز میں بولی۔

”تم کچھ چھپا رہی ہو مجھ سے؟“ میراب نے پوچھا۔

”ہاں..... نہیں۔“ وہ مسکرا دی۔

”تمہاری طبیعت اب کیسی ہے؟“ میراب کو یاد آیا کہ پچھلے چند دنوں لیزا کو شدید اُلتئیاں لگی رہی تھیں، اسی وجہ سے وہ اس وقت کافی کمزور

لگ رہی تھی۔

”ٹھیک ہوں۔“ اس نے مختصر جواب دیا۔

”دوبارہ ڈاکٹر کو دکھایا تھا؟“ میراب نے سوال کیا۔

”ہاں..... اُس نے کہا تھا کہ..... پریگننسی کی ابتدا میں ایسا ہی ہوتا ہے.....! لیزا نے اپنے لاکٹ سے کھیتے ہوئے عام سے انداز میں بتایا۔

”کک..... کیا.....؟؟ پرگ..... پریگننسی.....؟“ میراب کو اپنے کانوں پر اعتبار نہیں آیا۔ ”لیزا.....!“ اس نے لیزا کو کندھوں سے تھام کر اس کا رخ اپنی طرف گھمایا۔ ”سچ کہو..... یہ ہمارا بچہ ہے ناں.....؟ ہمارے پیار کی نشانی..... اوہ خدا..... کتنا حیرت انگیز ہے یہ سب۔ مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے.....“ وہ خوشی سے سچ مچ بے حال تھا۔

”تھینک یو لیزا.....! کہ تمہاری بدولت مجھے باپ بننے کا شرف حاصل ہونے والا ہے۔“ اس نے مسرت سے بے قابو ہو کر جھٹ لیزا کی پیشانی چوم لی اور لیزا اسے اس طرح دیکھ کر حیران ہو رہی تھی۔

”دیکھو مجھے بیٹا چاہیے جو کہ بالکل میری کاربن کا پی ہو لیکن اگر بیٹی ہوگی تو وہ بھی چلے گی..... بشرط یہ کہ تمہاری ٹرو کاپی ہو.....“ وہ جذبات سے مغلوب ہوا جا رہا تھا۔

”لیکن تمہارے مذہب کے مطابق ایسے بچے ناجائز شمار ہوتے ہیں ناں.....! اور معاشرے میں انہیں اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔“ لیزا طنز سے مسکرائی تو میراب اسے گھور کر رہ گیا اور دھیرے سے بولا۔

”ہاں..... مگر اس بچے کو میں اپنا نام دوں گا۔ معاشرے میں اس کی ایک واضح شناخت ہوگی۔ تمہیں اس بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے لیزا.....!“ اس نے لیزا کا ہاتھ تھام کر اسے تسلی دی۔

”مگر یہ بچہ مارکوس کا بھی ہو سکتا ہے، یہ بات تم کیوں بھول گئے؟“ لیزا کا لہجہ حد درجے سرد تھا۔

”نہیں..... ایسا نہیں ہو سکتا..... کیوں کہ جب سے میں امریکا آیا ہوں تمہارے اور مارکوس کے درمیان ایسا کوئی تعلق نہیں رہا تھا.....“ اور لیزا اس کے حد درجہ اعتماد پر اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

”میں تمہیں بے حد خوش رکھوں گا لیزا.....“ میراب نے اس کے سرد ہاتھ تھام کر لبوں سے لگا لیے۔

☆☆☆

عفی کی مٹھی میں ابھی تک وہ خط دبا ہوا تھا جو آج ہی اس کے گھر سے آیا تھا۔ اس خط میں جہاں شبو آپی کے نکاح و رخصتی کی خبر تھی وہیں نشو کا رشتہ عفی کے دوست حارث کے ساتھ طے پا جانے کی بھی نوید دی گئی تھی۔ شبو آپی کی بینک مینیجر کے ساتھ نسبت طے ہونے اور دیگر مراحل خوش اسلوبی سے آگے بڑھنے کا تو اسے علم گھر والوں کے فون یا خطوط سے ہوتا ہی رہتا تھا اور ان کی شادی کی اطلاع بھی مل چکی تھی بلکہ خالدہ وغیرہ نے تو عفی

کوشادی میں بلاوے کا خط بھی لکھا تھا مگر عفی اپنی سرکاری مصروفیات کی وجہ سے چھٹی نہیں لے سکا تھا مگر نشو کا رشتہ حارث کے ساتھ اس قدر جلدی طے پا جانے کی اسے امید نہیں تھی۔ اس کی شاید ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ سمجھ رہا تھا کہ نشو اس رشتے کے لیے اتنی آسانی سے نہیں مانے گی پھر اتنی جلدی یہ سب کیسے ہو گیا؟ کیا نشو کی محبت واقعی ایک وقتی اُبال تھا؟ یا بچپن کی دیگر حماقتوں کی طرح کی ہی ایک اور حماقت؟ یا وہ کسی بھی ہینڈسم مرد سے وقتی طور پر اپنے جذبہ محبت کی عارضی تسکین چاہتی تھی اور بد قسمتی سے اس مقصد کے لیے اس نے عفی کو چن لیا تھا۔ محبت کا وہ دھوگ محض دل لگی کے لیے تھا یا وقت گزاری کا ایک ذریعہ؟ لیکن واقعی نشو اُس سے محبت کرتی تھی تو کیا وہ حارث کو پا کر واقعی عفی کو فراموش کر دے گی؟ وہ جو اپنی محبت کی یقین دہانی کے لیے قسمیں کھایا کرتی تھی..... تو کیا وہ محض ایک فریب تھا؟

عفی کی نظروں میں وہ منظر گھوم گیا جب وہ بلوچستان کے لیے روانہ ہوا تو نشو اُس روز کس بے قراری کے عالم میں کسی جلے یاؤں کی بلی کی

اس وقت غفی کوگانے کے قبول جوں کے توں یاد نہیں آ رہے تھے البتہ مفہوم ذہن نشین تھا اور اس کی خوب صورت طرز ذہن میں گونج رہی تھی اور وہ سارا منظر یاد آنے پر ایک عجیب سے کرب اور بے چینی کی لہر اس کے اندر اٹھی اور اس کے سارے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

”تم خود بھی تو یہی چاہتے تھے ناں.....! پھر آج یہ اضطراب کیوں؟“ اس نے خود سے سوال کیا اور..... اسے اپنے آپ سے جو جواب ملا تھا وہ اسے پہلے سے بھی بڑھ کر بے تاب کر گیا۔

”شاید..... شاید وہ بھی غیر محسوس طریقے سے نشو کی محبت میں گرفتار ہو چکا تھا.....“ دل نشو کی پکار پر لبیک کہنے پر راضی تھا مگر..... فلکی جیسے ایک نشان بن کر ان کے پتوں نیچ آ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ جیسے فلکی کے معاملے میں اپنے ضمیر کا قیدی ہو چکا تھا۔ تبھی اس نے نشو کی طرف سے اپنی آنکھیں موند لی تھیں اور اپنے اندر اٹھنے والے رنگ برنگے جذبوں کا سرکچل دیا تھا اور بظاہر سرد مہری کا لبادہ اوڑھ لیا تھا مگر کسی کے ہاتھوں یوں چاہے جانے کے خوب صورت احساس سے ایک لمحے کو بھی اپنا پیچھا نہیں چھڑا سکا تھا، اگرچہ حادثہ کارشتہ تو اس نے نشو کے لیے بھجوا دیا مگر دل سے اس کی خواہش تھی کہ نشو اس رشتے کے لیے کبھی راضی نہیں ہوگی کیوں کہ اس نے تو خود ہی اپنے خون سے لکھی تحریر میں یہ قسم کھائی تھی کہ وہ جیتے جی غفی سے اس کی اور کی نہیں ہوگی۔

”تو پھر یہ کیا ہے؟“ اس نے سوچا۔

”اور اگر یہ سچ ہے تو پھر وہ کیا تھا.....؟“

غفی یک دم ڈسٹرب سا ہو گیا تھا۔

”یہ خود غرضی ہے۔“ اس کے اندر سے ایک آواز ابھری۔

پہلے کسی کے جذبوں کا مذاق اڑانا، انھیں نخوت سے اپنے پاؤں تلے روندنا اور پھر اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر کسی کے پامال شدہ جذبوں کو تاج پہنا کر دل کی مسند پر جگہ دینا، وہ بھی اس وقت جب یہ جذبے کسی اور کی امانت ہو چکے ہوں..... وہ بھی کوئی غیر نہیں بلکہ غفی کا عزیز از جان دوست حادثہ..... جس نے غفی کے کہنے پر ہی، اس کی خواہش کے احترام میں اپنے گھر والوں کو بصد اصرار نشو کے گھر بھیجا تھا اور غفی پر اعتماد کرتے ہوئے بغیر دیکھے بھالے نشو کو اپنے من کے سنگھان پر جگہ دے دی تھی تو پھر اب اسے ان خوشیوں سے محروم کر دینا کہاں کا انصاف تھا؟

”نہیں نہیں..... میں کل ہی حادثہ کو فون کر کے اس رشتے پر مبارک باد دوں گا۔“ اس نے تہیہ کیا۔

”آج کیوں نہیں؟“ اس کے اندر کی صدا میں طنز شامل تھا۔ ”آج.....؟ نہیں آج نہیں..... آج کا دن تو خود کو سنبھالنے اور اپنی اس دیوانگی پر قابو پانے میں گزر جائے گا۔“ اس نے خود اپنے آگے اپنی مجبوری بیان کی۔ ”البتہ کل فلکی کے گھر بھی فون کروں گا۔“ اس نے سوچا۔

”ہاں تاکہ نشو کی کیفیت کے بارے میں آگاہی حاصل کر سکوں کہ وہ آج کل ضبط کے کن مراحل سے گزر رہی ہے، تمہارے مریض عشق کو قرار آ چکا کہ نہیں؟“ اس کے ضمیر نے اسے آن گھیرا۔

”نہیں نہیں بلکہ اس لیے کہ شبو آپی کا فرض ادا ہونے پر کامران بھائی کو مبارک باد دے سکوں۔“ اس نے اپنی صفائی پیش کی۔

”اور نشو کے قتل پر؟“ ضمیر عفی کا تھا لیکن وکالت نشو کی کر رہا تھا۔

”ہاں عفان احمد! تم قاتل ہو، ایک معصوم لڑکی کے دھنک رنگ جذبوں کے، اس کی امیدوں اور تمناؤں کے۔ تمہیں تو قرار واقعی سزا ملنا چاہیے۔“

<http://kitaabghar.com>

”نہیں نہیں..... وہ گڑ گڑایا۔“ میں تو..... میں تو.....“

”صاحب! کھانا میز پر رکھ دوں.....“ ملازم کی آواز پر عفی چونک اٹھا۔

”ہاں رکھ دو..... میں ابھی کھاتا ہوں.....“

”صاحب! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟“ ملازم نے غور سے عفی کی سرخ آنکھوں اور سو بجے ہوئے پپٹوں کی طرف دیکھا۔

”آں..... ہاں..... ہاں..... تم بس کھانے کے بعد ایک کپ چائے کے ساتھ دوڈ سپرین کی گولیاں لے آنا۔ ذرا سر میں درد ہو رہا ہے بس.....“ عفی سنبھل کر بولا تھا۔

☆☆☆

”ہیلو..... خان جی! خیریت سے تو ہیں ناں آپ؟“ زرینہ نے زمانے بھر کی مٹھاس اپنے لہجے میں سمو کر سوال کیا۔

”ہاں..... زرینہ بی! تم سناؤ..... آج اتنے دن بعد ہمیں کیسے یاد کر لیا؟“ شوکت خان نے تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے پوچھا۔

”یہ ہمارے کان آپ کے بارے میں کیسی کیسی خبریں سن رہے ہیں آج کل؟ سچ خان جی! مجھے تو اتنی تشویش ہوئی..... آخر یہ کس قسم کا احتساب ہونے والا ہے آپ کا؟“ زرینہ نے لہجے کو حد درجہ فکر مند بنالیا تھا۔

”ارے بس کیا بتائیں..... یہ نیب والے کچھ نہا دھو کر ہمارے پیچھے پڑے ہیں..... چلو جانے دو۔ سیاست کی بساط پر تو یہ سب چلتا ہی رہتا ہے۔ کبھی شہ تو کبھی مات۔“ شوکت خان نے ازلی بے پروائی سے جواب دیا۔

”ہاں مگر سنا ہے کہ آپ کے اوپر کروڑوں روپے کی مالیت کے سرکاری پلاٹ اپنے پیاروں کو مفت یا کوڑیوں کے دام الاٹ کرانے کا الزام بھی ہے۔ اخبار والے اس سکیڈل کو آج کل خوب اچھا ل رہے ہیں۔ بس جی! اخبار والوں کو تو کوئی بات ملنا چاہیے خبر بنانے کو، لیکن آپ ان صحافیوں سے کوئی ملک مکا کیوں نہیں کر لیتے آخر؟“ زرینہ صحافیوں کو بھی پولیس والوں کی قسم سمجھی تھی شاید۔

”اوئے کوئی فکر کی بات نہیں ہے۔ ٹھیک ہو جائے گا سب۔ یہ اپوزیشن والے تو یونہی کچڑا اچھالتے رہتے ہیں۔“ شوکت خان نے خود کو بے فکر اظہار کرنے کی کوشش کی۔

”ہاں خان جی! مجھے تو پتا ہے کہ سب خبریں جو آپ کے بارے میں چھپ رہی ہیں جھوٹا پروپیگنڈہ ہی ہیں ورنہ آپ اپنے پیاروں میں پلاٹ تقسیم کرتے اور اس موقع پر ہمیں بھول جاتے، ناممکن.....!“ زرینہ چالاکی سے بولی۔

”ارے زرینہ جی! یہ پلاٹ شلاٹ تو بہت معمولی چیز ہے۔ ہم نے تو دو کنال کی فرنشڈ کٹھی خرید کر تمہارے نام لگا دی ہے۔ نئے ماڈل کی

کارمے ڈرائیور لے کر دی ہوئی ہے۔ ہیں جی.....؟ اور بولو۔“

”جی خان جی.....! عنایت ہے آپ کی۔ بس آج کل ذرا بچیاں دہی سے شاپنگ کرنا چاہتی ہیں۔ میں کہہ رہی تھی کہ کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ اپنے شوکت خان صاحب ہیں ناں! عید کی شاپنگ ہم سب اُن کے ساتھ دہی سے ہی کریں گے۔“ زرینہ بڑے میٹھے انداز میں مکاری سے بولی۔

”ارے زرینہ جی! ذرا چھری تلے دم تو لو..... پہلے ہی احتساب کی زد پر ہوں۔ ذرا یہ معاملے ٹھنڈے پڑ جانے دو پھر چلیں گے دہی بھی۔“

”ٹھیک ہے خان جی! آج تو میں نے اس لیے فون کیا تھا کہ اس ”نئے ہنڈل“ کا کیا کرنا ہے؟ کیا خیال ہے؟ چاند رات کو آپ کے پاس اُسے پہنچا دیا جائے۔ عید اچھی گزر جائے گی آپ کی۔ دیکھ لیں ہمیں آپ کا کتنا خیال ہے۔“ زرینہ شوخی سے ہنسی۔

”ارے نہیں نہیں زرینہ جی! حالات ابھی موافق نہیں ہیں۔ پہلے ہی اس معاملے میں کافی بدنام ہوں۔ ایک اور موضوع لوگوں کے ہاتھ آ جائے گا۔ جیسے ہی خطرہ ملا..... میں خود رابطہ کر لوں گا۔ تمہیں کیا پتا ہم تو خود اس کی ایک جھلک دیکھنے کے بعد کس قدر بے تاب ہیں، مگر اس چکر میں اس بُری طرح پھنس چکے ہیں کہ احتیاط لازم ہے۔“ شوکت خان نے بے بسی سے کہا۔

”سوچ لیجیے خان جی! اور بھی بہت امیدوار ہیں۔ قیمت بھی اچھی دے رہے ہیں۔ ایک تو اپنے ساتھ ”کاکي“ کو مہینے کے لیے بھور بن لے جانا چاہ رہا ہے مگر مجھے صرف آپ سے کیے وعدے کا پاس تھا۔“ زرینہ اپنے کاروباری گُر سے اچھی طرح واقف تھی۔

”اچھا.....!“ شوکت خان سوچ میں پڑ گیا۔ ”چلو..... دیکھتا ہوں، کیا ہو سکتا ہے۔“ اس نے کہا۔



علیم الحق حق کے قلم سے شاہکار ناول

میرے مٹی سے عشق پر مبنی جا یہ رشتہ ہے آسمانوں سے

مٹی سے عشق

دنیا کے سب سے خوبصورت اور بیش قیمت جذبے محبت کی داستان۔

ایک نوعمر لڑکی کی محبت سے لبریز داستان۔

ایک چار سالہ بچہ، جس نے دو محبت کرنے والوں کو آپس میں ملا دیا۔

محبت کے نازک جذبے سے بھرپور داستان، محبت کرنے والوں کیلئے تحفہ خاص۔

خوبصورت ٹائٹل

دیرینہ طباعت

اصلی جلد

قیمت 80 روپے

اخبار جہاں میں قسط وار شائع ہونے والی کہانی مکمل ناول کی صورت میں

ایم اے راحت کے قلم سے مصر کی قدیم تاریخ پر ایک پراسرار، ہولناک اور حیرت انگیز ناول

دو جلدوں میں مکمل

فرعون

ایک پراسرار محقق کی حیرت انگیز داستان، اس کی لکھی ہوئی کتابیں بولتی تھیں۔

ایک عجیب اور پراسرار پرندہ شلا شلا کی، جو انسانوں سے زیادہ مکار تھا۔

وہ لحوں کی قیدی تھی، قدیم روحمیں اس کی نگران تھیں۔

پروفیسر زاغ کون تھا؟ کوئی انسان یا بدروح؟

وہ بے بدن تھا، اس کا بدن تاریخ کا قیدی تھا۔

قیمت جلد 225 روپے

یعنی نے اپنے سسرال والوں کی خاص بات یہ نوٹ کی کہ جب بھی وہ اور ابرار کمرے میں تنہا ہو جائے تو کوئی اُن دیکھی آنکھ ان کا مکمل پہرہ دیا کرتی اور اس کے پاس ہوتے ہوئے بھی گویا ابرار جیسے چونکا اور گھبرایا گھبرایا سا رہا کرتا۔ وہ کبھی تنہائی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک مخصوص حد سے آگے نہیں بڑھتا تھا اور یوں یعنی ابھی تک کورے کا غذائی مانند تھی۔

”بظاہر تو ماشاء اللہ صحت مند اور نارمل دکھائی دیتے ہیں پھر نجانے کیا وجہ ہے، اس طرح فاصلہ رکھنے کی۔“ یعنی ابھی جاتی۔

پھر ایک روز اس کی ساس نے یہ راز کھول ہی دیا۔

”بھئی رشتے داروں میں سوچن سوچن ہوتے ہیں جب کہ ابرار میرا اتنا خوب رو، پڑھا لکھا اور لمبی چوڑی جائیداد کا مالک ہے۔ کئی گھر انے ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑے تھے تا کہ اپنی چھوڑ، کابل اور بد صورت بیٹیاں اس کے متھے مار دیں مگر پھر جب یہاں دال نہ لگی تو انہوں نے حسد کے مارے جل بھن کر میرے بچے پر تعویذ کروادیے بلکہ پورا کالا جادو کرایا گیا تا کہ ابرار اپنی بیوی کے قابل نہ رہے حالانکہ میرا بچہ بالکل صحت مند ہے مگر.....“ یعنی کی ساس دوپٹے کے پلو سے آنکھیں رگڑنے لگیں اور پھر چھٹ کر یعنی کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ ”تو فکر نہ کر میری بچی! میں نے بھی ایک کالے علم کی کاٹ وپلٹ کے ماہر عامل بنگالی بابے سے رابطہ کیا ہے اور اب صرف ایک ماہ کا علاج اور باقی رہ گیا ہے پھر یہ مکمل طور پر تمہارا ہوگا۔“ اور حیران و پریشان یعنی محض سر ہلا کر رہ گئی تھی۔ تب اس کی ساس رازداری سے اس کی طرف جھکتے ہوئے بولی۔

”یعنی!..... میری بات غور سے سنو۔ یہ بات جو ابھی میں نے تمہیں بتائی ہے، تمہارے اور میرے درمیان ایک راز ہے۔ اسے ابرار کا علاج مکمل ہونے تک کسی پر ظاہر مت ہونے دینا۔ کبھی تم میکے جا کر اپنی ماں کو اس بارے میں بتا دو، اس صورت میں تو سارے کیے کرائے پر پانی پھر جائے گا۔“ یعنی نے ساس سے وعدہ کر لیا کہ وہ اس معاملے کی کسی کو بھٹک تک نہیں پڑنے دے گی اور میکے میں بھی حسب سابق ”سب اچھا ہے“ کی رپورٹ دیتی رہے گی۔

مگر اس وعدے کے باوجود اُسے ساس کے اس ”بیان“ پر یقین نہیں آ رہا تھا جو وہ ابرار کے بارے میں یعنی کے سامنے دے رہی تھی، کیوں کہ یعنی نے تو سن رکھا تھا کہ جو مرد عورت کے قابل نہ ہو وہ جذباتی طور پر بھی انتہائی سرد مہر ہوا کرتے ہیں جب کہ ابرار تو اسے انتہائی گرم جوش اور جذبات سے بھرپور مرد لگتا تھا۔ رات کی تنہائیوں میں کئی بار ایک عجیب سے احساس کے تحت یعنی کی آنکھ کھلی تو اس نے خود پر ابرار کو جھکے ہوئے پایا تھا۔ اس کے ہر انداز میں انتہائی گرم جوشی اور وارفتگی ہوا کرتی۔ جب بھی وہ کبھی جذبات سے مغلوب ہو کر یعنی کا ہاتھ تھامتا تو یعنی کو اس کے وجود سے چنگاریاں سی پھوٹی ہوئی محسوس ہوتیں۔ وہ دیوانہ وار آگے بڑھتا اور جب جذبات اپنے بامعروج پر ہوتے تو نجانے کیوں ایک جھٹکے سے دور ہٹ جاتا۔ جیسے اچانک کچھ یاد آ گیا ہو، یا پھر یعنی اس کے لیے کوئی شجر ممنوعہ ہو شدت ضبط کی وجہ سے اس کے جڑے بھج جاتے اور آنکھیں سرخ پڑ جاتیں لیکن وہ یعنی کو ایک طرف دھکیل کر اپنا رخ بدل لیتا اور منہ پر نکیہ ڈال کر پڑ جاتا۔

جانے کیا طلسم نگر مری ہے، یہاں کا ہر فرد عجیب و غریب عادتوں کا مالک ہے۔ یعنی اکثر سوچا کرتی۔ ویسے تو سب یعنی کا بے حد خیال رکھا کرتے تھے، نوٹوں سے یعنی کا پرس ہر وقت بھرا رہتا۔ ابرار اسے اکثر اس کے میکے ملوانے لے جاتا۔ اسے ہر طرح کی آزادی میسر تھی۔ اُسے جب

جہاں چاہے آ اور جاسکتی تھی۔ ایک سوز و کی گاڑی مع ڈرائیور ہر وقت یعنی کے لیے حاضر رہتی۔ اس کی ساس، نندیں انتہائی مہنگے شاپنگ سینٹرز سے اسے شاپنگ کراتیں بلکہ ابرار تو اکثر اصرار کر کے میکے والوں کے لیے بھی تھکے تھکے تحائف خریداکرتا۔

شبواپنی کے نکاح پر سب سے مہنگا تحفہ یعنی کی ہی طرف سے تھا۔ یعنی کی امی تو اسے دیکھ دیکھ کر خوشی سے پھولی نہ سہاتی تھیں۔ یعنی کی سہیلیاں بھی اس کی خوش قسمتی پر رشک کیا کرتی تھیں مگر نبھانے کیوں یعنی کو اپنے اندر کا اطمینان میسر نہ تھا۔ اُسے اپنی سسرال کا ماحول بے حد عجیب و غریب لگا کرتا۔ جہاں اس کی جوان جہان نندیں گھر کا کام کاج کرنے کی بجائے ڈانس اور موویز کی سی ڈیز دیکھا کرتیں۔ اس کے بعد استاد سے طلبے اور ہارمونیم کی سنگت میں گانا سیکھا کرتیں اور باقی وقت بیوٹی پارلر یا شاپنگ سینٹرز میں گزرا کرتا، جب کہ شام ہوتے گھر میں چہل پہل بڑھ جایا کرتی۔ اس کی نندیں یوں اہتمام سے تیار ہوا کرتیں جیسے کسی فنکشن پر مدعو ہوں اور پھر تیز میک اپ اور رنگین ملبوسات زیب تن کیے وہ خوشبوؤں میں بسیں ابرار کی خالہ کے ساتھ پیچا رو میں بیٹھ کر نبھانے کہاں چلی جاتیں، جہاں سے ان کی واپسی شب ڈھلے ہوا کرتی اور اس کی نندیں ایسی نڈھال ہوا کرتیں جیسے کسی نے ان کا سارا رس نچوڑ کر پھوک پھوک کر دیا ہو۔ میک اپ اُتر اہوتا جیسے کئی بلیاں مل کر شکل چاٹ گئی ہوں۔

جانے کون سے فنکشنز تھے جو فقط رات کو ہی ہوا کرتے تھے اور جہاں صرف گھر کی جوان اور کنواری لڑکیاں ہی مدعو ہوا کرتی تھیں جو بن سنور کے بڑی خوشی سے باہر جایا کرتیں البتہ ان کے ساتھ گرہٹ پھنکتی ابرار کی خالہ ضرور ہوا کرتی تھی یا پھر وہ طلبے سارنگی والے مرد جو رشتے میں ابرار کے ماموں اور خالہ زاد ہوا کرتے اور بقول یعنی کی ساس، فنکشن پر بطور فنکار بلائے جاتے تھے تاکہ اپنے فن کا مظاہرہ کر سکیں۔ کئی بار ابرار کی بہنیں کئی دنوں کے لیے گھر سے غائب رہتیں اور اس کی ساس بہانا کرتی کہ سہیلیوں کے ساتھ مری گئی ہوئی ہیں۔ سارا دن گھر میں فون کی گھنٹی بجتی رہتی مگر یعنی کو فون اٹھانا منع تھا۔ تمام فون کا لڑاس کی ساس اور ابرار کی خالہ ہی اٹینڈ کیا کرتیں البتہ یعنی کے میکے سے فون ہوتا تو اسے بلوادیاجاتا، اگرچہ گھر کے افراد روز ہی کسی نہ کسی فنکشن پر مدعو ہوتے مگر کبھی کسی نے یعنی کو اپنے ساتھ چلنے کے لیے جھوٹے منہ بھی نہیں پوچھا۔

”کیا میری ساس، نندوں کا چال چلن ٹھیک نہیں ہے یا پھر حد سے زیادہ ماڈرن لوگ ایسے ہی ہوا کرتے ہیں؟ شاید ہماری اماں نے ہی ساری عمر اس طرح اپنے پوٹے تلے دا بے رکھا کہ زمانے کی ہوا ہی نہیں لگنے دی۔“ یعنی اپنی سوچوں میں الجھ کر رہ جاتی۔

ساس سے وعدے کے باوجود یعنی، ابرار سے شکوہ کیے بغیر نہ رہ سکی کہ اس نے اپنی زندگی کے اتنے اہم راز میں یعنی کو شامل نہیں کیا تو کیا اسے یعنی کے خلوص پر شبہ تھا؟ اور ابرار حیران رہ گیا۔

”کون سا راز؟“ اور جوابا یعنی نے اسے اپنی ساس کی کہی ہوئی وہ تمام بات سنا ڈالی جو اس نے ابرار سے متعلق کہی تھیں اور ابرار سوچ میں پڑ گیا۔

”تو یہ کہا گیا تم سے کہ مجھ پر کالا جادو اثر کر چکا ہے جس کی وجہ سے میں تمہارے..... اوہ! خدا!“ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا اور قدرے توقف کے بعد سر اٹھا کے یعنی کی طرف دیکھا۔

”سنو یعنی.....! میں آج تمہارے آگے ایک اہم انکشاف کرنے والا ہوں۔ پییز جب تک میں نہ کہوں اس بات کو کسی سے ڈسکس نہ مت کرنا، ورنہ میری زندگی خطرے میں پڑ جائے گی اور تمہاری عزت بھی محفوظ نہیں رہ سکے گی۔“

یعنی پوری طرح ہمتن گوش تھی۔ ابرار دبے قدموں اٹھا اور کمرے کا دروازہ کھول کر باہر جھانکا..... پھر احتیاطاً بولٹ لگا کر واپس مڑا اور کھڑکی کے پاس جا کر پردہ سرکا کے ادھر ادھر دیکھا اور دوبارہ پردے برابر کرنے کے بعد یعنی کے پاس آ بیٹھا۔

”یعنی! غور سے سنو.....“ اس نے یعنی کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر سرگوشی میں کہا۔ ”میں..... میں..... زریںہ عمران کا سگایا نہیں ہوں بلکہ اس گھر کے کسی بھی فرد سے میرا کوئی رشتہ نہیں۔ میں بے روزگاری کے سبب ان لوگوں کے ہاتھ میں کٹہ پتی کی طرح تاپنے پر مجبور ہوں۔ مجھے آلہ کار بنا کر ان لوگوں نے کئی جگہ میرا نکاح کیا اور غریب گھروں کی لڑکیاں یہاں لا کر ان کو عصمت فروشی کے دھندے پر لگا دیا۔ اس کے بعد یہ لوگ وہ لڑکیاں بیرون ملک سپلائی کر دیا کرتے ہیں جہاں وہ مجبوراً ان لوگوں کے لیے اپنا جسم بیچ کر ڈال رہی ہوتی ہیں جب کہ ان کے گھر والے سمجھتے ہیں کہ ان کی بیٹیاں بیرون ملک اپنے شوہر کے ہمراہ عیش و آرام کی زندگی گزار رہی ہیں اور مجھے افسوس ہے کہ..... تم بھی ان لوگوں کا ”تنازہ“ شکار ہو۔“

<http://kitaabghar.com>
<http://kitaabghar.com>

”کیا.....؟“ دہشت کے مارے یعنی کا چہرہ سفید پڑ گیا۔

”گھبراؤ نہیں..... تم قانوناً اور شریعت کے لحاظ سے میری بیوی ہو اور میں نے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے کہ میں ان لوگوں کے ہاتھوں مزید کھلونا نہیں بنوں گا..... مگر یہ بہت خطرناک گینگ ہے جس کی پشت پناہی بدچلن سیاست دان، حکومتی کارندے اور پولیس افسران کر رہے ہیں مگر یہ صرف چند لوگ ہی ہیں جو مل جل کر یہ ”سیاہ دھندا“ چلا رہے ہیں اور میں نے ٹھان لی ہے کہ اب ان لوگوں کا ساتھ نہیں دوں گا بلکہ انہیں پوری طرح بے نقاب کر کے رہوں گا۔“

”مگر کیسے؟“ یعنی ابھی تک خوف زدہ تھی۔

”ادھر آؤ بتاؤں.....“

<http://kitaabghar.com>
<http://kitaabghar.com>

ابرار نے اُسے پاس آنے کا اشارہ کیا اور یعنی کے کان میں سرگوشی کے انداز میں کچھ بتانے لگا۔ اسی اثنا میں ان کے بیڈروم کا دروازہ زور سے پیٹا جانے لگا اور یعنی دہشت زدہ ہو کر اُچھل پڑی۔

<http://kitaabghar.com>

☆☆☆

<http://kitaabghar.com>

فاصلوں کا زہر

طاہر جاوید مغل کا خوبصورت ناول۔ محبت جیسے لازوال جذبے کا بیان۔ دیارِ غیر میں رہنے والوں کا اپنے دیس اور وطن سے تعلق اور انوث رشتوں پر مشتمل ایک خوبصورت تحریر۔ ان لوگوں کا احوال جو کہیں بھی جائیں، اپنا وطن اور اپنا اصل ہمیشہ یاد رکھتے ہیں۔ ناول **فاصلوں کا زہر** کتاب گھر پر موجود ہے، جسے رومانی معاشرتی ناول سیکشن میں پڑھا جاسکتا ہے۔

اپنے پاکستان آنے کی اطلاع میراب اپنے وفادار ملازم رحیم بخش کو پہلے ہی دے چکا تھا، چنانچہ جب وہ اسلام آباد ایئرپورٹ پر پہنچا تو میراب کا ڈرائیور اُسے ریسیو کرنے وہاں پہلے سے موجود تھا۔ اسلام آباد کا موسم کافی خوش گوار تھا اور میراب کا مزاج بھی۔ چنانچہ وہ جیسے ہی گاڑی سے اتر کر گھر میں داخل ہوا تو رحیم بخش یہ دیکھ کر کافی خوش ہوا کہ میراب کی صحت پہلے کے مقابلے میں کافی بہتر ہو چکی تھی۔ امریکا کی آب و ہوا شاید اسے کافی راس آچکی تھی اور اس کے مزاج کی فطری شوخی بھی لوٹ آئی تھی۔

”کیوں بھی رحیم بخش! کیسا وقت گزرا ہمارے پیچھے؟ ٹھیک تو رہے ناں؟“ میراب نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے ہنس کر پوچھا۔

”جی صاحب! اللہ کا شکر ہے، ہر طرح سے خیریت رہی مگر آپ کے بغیر گھر کافی سونا سا لگتا تھا۔“ رحیم بخش نے اطمینان سے جواب دیا۔

”چلو اب میں واپس آ گیا ہوں تو گھر کا سونا پین خود بخود دور ہو جائے گا..... جو کی باقی رہ جائے گی وہ غنقریب تمہاری بیگم صاحبہ کے آنے سے پوری ہو جائے گی۔“ میراب نے مسکرا کر جواب دیا۔

”سچ صاحب!..... کیا فلکی بی بی واپس آ رہی ہیں؟“ رحیم بخش واقعی خوشی کے مارے پھولے نہ سمایا۔ مگر اگلے ہی لمحے میراب کا چہرہ تاریک ہو گیا۔

”نہیں رحیم بخش! میں تمہاری ہونے والی نئی بیگم صاحبہ کی بات کر رہا تھا۔“

اُس نے جھک کر بوٹ اتارتے ہوئے دھیرے سے کہا اور اس بار رحیم بخش سمجھ سا گیا۔

”مبارک ہو صاحب! آپ کو۔“ وہ بے دلی سے کہہ کر میراب کے اتارے ہوئے بوٹ اٹھائے آگے بڑھ گیا۔

جتنی دیر میں میراب واش روم سے فریش ہو کر باہر آیا، رحیم بخش ٹیبل پر کھانا لگا چکا تھا۔

”صاحب! کھانا لگا دیا ہے۔“ اس نے دروازے پر Knock کر کے اطلاع دی۔

”بس میں ابھی آیا رحیم بخش!“ میراب اُسے جواب دے کر ڈریسنگ ٹیبل کے آگے آیا تاکہ بالوں میں برش کر سکے اور جیسے ہی ہیز برش کی سمت ہاتھ بڑھایا پاس ہی پڑی کالج کی چوڑیاں دیکھ کر چونک اٹھا۔ یہ چوڑیاں فلکی کی تھیں جو نجانب نے کس وقت اس نے کلائی سے اتار کر یہاں رکھ چھوڑی تھیں اور تب سے شاید جوں کی توں یہاں پڑی تھیں۔ انھیں صفائی کے دوران کبھی رحیم بخش نے بھی نہیں بلایا تھا۔

میراب نے لاشعوری طور پر ہاتھ بڑھا کر وہ چوڑیاں اٹھالیں۔ یک دم نجانب نے کیوں اُسے لگا کہ جیسے اس نے فلکی کی چوڑیوں بھری کلائی تمام لی ہو۔ اس نے گھبرا کر چوڑیاں ہاتھ سے چھوڑ دیں۔ جیسے یہ چوڑیاں نہ ہو، دیکتے ہوئے انگارے ہوں۔ تمام چوڑیاں اس کے قدموں کے آس پاس گر کر بکھر گئیں مگر شکر ہوا کہ دیز قالین بچھا ہوا ہونے کی وجہ سے ٹوٹنے سے محفوظ رہیں۔

”رحیم بخش..... رحیم بخش.....“ میراب نے چلا کر اُسے پکارا۔

”جی صاحب!.....!“ رحیم بخش گھبرا کے دوڑ آیا۔

”رحیم بخش! یہ چوڑیاں اٹھا کے فوراً یہاں سے غائب کر دو، ابھی فوراً..... اسی وقت۔“ میراب سخت لہجے میں حکم دے کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

”صاحب..... کیا کچھ غائب کرائیں گے.....! یہاں تو ہر قدم پر فلکی بی بی کی یادیں بکھری ہیں۔“ رحیم بخش نے قالین پر بیٹھ کے فلکی کی چوڑیاں سمیٹتے ہوئے سوچا۔

طویل چھٹیوں کے بعد میراب کا آفس ورک کافی جمع ہو چکا تھا لہذا وہ پاکستان آتے ہی آفس کے کاموں میں بے تحاشا مصروف ہو گیا تھا۔ دن ڈھلے شدید تھکان کے ساتھ وہ جیسے ہی اپنے گھر میں داخل ہوتا، فلکی کی یادیں اُسے چاروں اطراف گھیر لیتیں۔

”کیا مصیبت ہے.....؟“ میراب الجھ سا جاتا۔ تب اس نے فیصلہ کیا کہ وہ بہت جلد اپنا تبادلہ کسی دوسرے بڑے شہر کی برانچ میں کروالے گا تاکہ اس اذیت سے چھٹکارا ملے۔

☆☆☆

”ہیلو.....“ غفی نے ایک روز یونہی بیٹھے بٹھائے خالہ کے گھر کا نمبر ڈائل کر لیا۔ شبو آپی کی شادی کی مبارک باد پلس نشو کے رشتے کی مبارک بھی ڈیو تھی۔ سو، سوچا تھا کہ لگے ہاتھوں آج مبارک باد دے ہی دی جائے۔

”ہیلو.....“ دوسری طرف سے نشو نے ریسپورڈ اٹھایا تھا۔

اور غفی چپ رہ گیا۔ جیسے یک دم ہی اپنی قوت گویائی کھو چکا ہو۔

”ہیلو.....!“ نشو کی ریلی آواز ماؤ تھ پیس پر دوبارہ گونجی۔

اور پل بھر کے لیے دوسری جانب سناٹا چھا گیا جس طرح کوئی اپنی بے ترتیب دھڑکنوں پر قابو پانا چاہ رہا ہو۔

”ہیلو.....“ غفی نے دوبارہ کہا۔

”جی..... گھر پر میرے علاوہ کوئی اور نہیں ہے۔ نمرائے کالج میں کوئی فنکشن تھا، وہ اُدھر گئی ہے۔ کامران بھائی ابھی آفس سے نہیں لوٹے اور امی اور فلکی باجی بازار گئی ہوئی ہیں۔“ اس نے دھیرے سے تفصیل بتائی۔

”اچھا ایسا کرو بھابی سے ہی بات کرادو۔“ غفی بولا۔

”سوری.....! دراصل بھابی ان دنوں اپنے مکے گئی ہوئی ہیں۔“ نشو نے دھیرے سے جواب دیا۔

”خیریت تو ہے ناں؟“ غفی نے چونک کر سوال کیا۔

”ہاں..... وہ دراصل..... کامران بھائی کے ہاں بیٹا ہوا ہے۔“ نشو نے قدرے جھجک کر اطلاع دی۔

”واؤ..... زبردست نیوز ہے یہ تو۔ اچھا تم ایسا کرو کہ خالہ اور کامران بھائی کو میری جانب سے شبو آپی کی بہت بہت مبارک باد دینا۔ ویسے شبو آپی خوش تو ہیں ناں؟“ غفی نے پوچھا۔

”ہاں..... بہت.....“ نشو نے جواب دیا۔

”گڈ.....!“ غفی بولا۔ ”اچھا اور سنو..... کامران بھائی اور بھابی کو ہمیں نئے سال کا تحفہ بھیجنے کی شکل میں دینے پر شکریہ اور مبارک باد کہنا اور

فلکی ٹھیک ہے؟“ اچانک غفی کو فلکی کا خیال آیا۔

”جی سب ٹھیک ہیں۔“ نشو نے مختصر بتایا۔

”اور..... تم.....؟ میرا مطلب ہے..... تمہیں پتا ہے ناں کہ تمہارا رشتہ حادث کے ساتھ طے ہو چکا ہے۔“ غفی نجائے کیا جانا چاہ رہا تھا اور دوسری طرف نشو کی زہر آلود ہنسی سنائی دی۔

”جی غفی بھائی! مجھے پتا ہے کہ میرا رشتہ آپ کے قریبی دوست کے ساتھ طے ہو چکا ہے۔“

”تم خوش تو ہوں ناں نشو؟“ غفی دل میں مچلتا سوال زباں پر لے آیا۔

”میں..... ہاں.....“ وہ پھر ہنسی۔ اس ہنسی میں شاید آنسوؤں کی لرزش تھی۔ ”میں بہت خوش ہوں..... کیوں کہ مجھے معلوم ہے کہ آپ بھی میرے اس اقدام سے خوش ہوں گے۔ یہی چاہتے تھے ناں آپ بھی؟“

”اگر تم دل سے ایسا نہیں چاہتی تھیں تو منع کر دیا ہوتا اس رشتے کے لیے.....“ غفی جانے کیا جتنا چاہ رہا تھا اُسے۔

زندگی میں آپ کی طرف سے مجھے پیار کا پہلا تحفہ ملا، وہ بھی حادث کی شکل میں..... پھر کیسے ٹھکرا دیتی اُسے؟ آپ نہیں سمجھیں گے غفی..... بھائی.....! بھلا کس طرح سمجھ سکتے ہیں آپ یہ سب کچھ..... آپ نے تو شاید کسی سے محبت کی نہیں کبھی۔ آپ نہیں جان سکتے کہ انسان کے اندر اُٹھنے والا یہ طوفان کس طرح ایک سینکڑ کے اندر دل کی دنیا کو تہہ وبالا کر دیتا ہے۔“

”ایسا مت کہو نشو.....!“ غفی بے تاب ہو کر بولا۔ ”تم بھی شاید میرے دل کی کیفیت سے ناواقف ہی رہو گی..... شاید اگر میری کچھ مجبوریاں اور ذمہ داریاں میرا راستہ نہ روکے ہوئے ہوتیں تو تب تمہیں بتاتا کہ تم میرے لیے کیا ہو۔“ غفی بولا تو اسے اپنی ہی آواز اجنبی سی لگی۔

”پلیز..... مجھے بتا دیں..... میں آج وہ سب سننا چاہتی ہوں جو آپ مجھے نہیں کہہ پائے پلیز..... بولے.....“ نشو بے چینی سے بولی۔

”نہیں..... اس کا وقت نہیں آیا ابھی.....“ غفی خود کلامی کے سے انداز میں بولا۔

”تو پھر اس کا وقت کب آئے گا؟“ نشو نے جلدی سے سوال کیا۔

”شاید اب کبھی نہیں.....!“ غفی نے جواب دے کر فون رکھ دیا اور دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کے بیٹھ گیا۔

”یا اللہ.....! مجھے اب صبر و استقامت عطا فرما۔“ اس نے صدقِ دل سے دعا مانگی۔

☆☆☆

یعنی کی والدہ کی طبیعت کی خرابی کا بہانا کر کے ابرار، یعنی کو ضروری سامان کے ساتھ اس کے میکے چھوڑ گیا اور خود غفی کو فون کر کے تمام حقیقت سے آگاہ کر دیا۔ غفی نے کامران بھائی اور احمر کو تمام حالات سے فون پر آگاہ کیا۔ یعنی نے ابرار کی حمایت اور بیان کی تصدیق کی پھر غفی اور کامران بھائی نے اپنا اثر و رسوخ استعمال کیا اور بہت منظم طریقے سے زرینہ بانی اور دیگر کارندوں پر مشتمل گینگ کو چھاپا مار کر ررنگے ہاتھوں گرفتار کر لیا گیا۔

ابراہیم چوں کہ وعدہ معاف گواہ بن چکا تھا اور اسی کی مدد سے اس گینگ کے سرغنہ پکڑ گئے تھے چنانچہ اس پر کسی قسم کی آنچ نہیں آئی۔ بعد میں یعنی کوسا تھ لے کر کمپنی کے معاہدے پر شارجہ چلا گیا۔ ابراہیم کا تعلق ایک بے حد غریب فیملی سے تھا۔ اس کی ماں یعنی جیسی اچھی بہو پا کر بے حد خوش تھی اور یعنی کے گھر والوں کو دعائیں دیتی نہ جھکتی تھی، جن کی کوششوں سے اس کے بیٹے کا مستقبل محفوظ ہو گیا تھا۔ ان دنوں یعنی اور ابراہیم شارجہ میں خوشگوار زندگی گزار رہے تھے۔

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

شبو آپی اپنے گھر میں بے حد خوش تھیں اور ان دنوں ماں بننے کی تیاری میں مصروف ہو چکی تھیں۔

احمر اور رومیہ کی شادی اس سال دسمبر میں ہونا قرار پائی تھی اور غنی کا پلان تھا کہ وہ احمر کی شادی کے انتظامات کے لیے کم از کم پندرہ بیس دن کی چھٹی تو ضرور اپلائی کرے گا تاکہ دل کھول کے خوشیاں منا سکے۔

اُدھر سیاسی بساط پلٹ چکی تھی..... اور شوکت خان اپنے اوپر مقدمات اور گرفتاری سے بچنے کے لیے بیرون ملک بھاگنے کی منصوبہ بندی کر رہا تھا جب کہ اس کا بیٹا ضمیر خان نمر کی جدائی کی آگ میں سلگ رہا تھا۔ وہ دل کی خواہش کے ہاتھوں اس قدر مجبور ہو چکا تھا کہ نمر کی قربت کے حصول کے لیے ہر جائز و ناجائز حربہ آزمانے کے لیے تیار تھا اور ماں سے اس کی بدلتی ہوئی کیفیت چھپی نہ رہ سکی..... تو اس نے اپنا دل کھول کر بیگم سلمیٰ شوکت کے آگے رکھ دیا اور شوکت خان کے شدید اعتراض کے باوجود وہ اپنے بیٹے کی خواہش پر نمر کا ہاتھ مانگنے کا مران بھائی کے پاس گئی تھی مگر ضمیر خان کے باپ کی بری شہرت اور خود ضمیر خان کی محبوب حرکات اُس کا اور خاندانی پس منظر اس رشتے کی راہ میں حائل رکاوٹ بن گیا اور ضمیر خان اس ناکامی پر اگ ان دیکھی آگ میں سلگنے لگا۔

”ذرا حالات بہتر ہو جائیں اور ہم دوبارہ حکومت میں آجائیں تو پھر میں تجھے یہ لڑکی ویسے ہی منگوادوں گا۔“ شوکت خان نے بیٹے کو بے غیرتی سے مشورہ دیا۔

”میں اس وقت تک صبر نہیں کر سکتا۔“ ضمیر خان بھی اسی کا بیٹا تھا، سوکھٹ سے جواب دیا۔

☆☆☆

ہیرے کے آنسو

ہیرے کے آنسو ایک نوجوان کی کہانی ہے، جس کے ساتھ اس کے اپنوں نے ہی ظلم کیا تھا۔ ایک دن اچانک اس کی زندگی میں ایک موڑ آ گیا۔ ایک شخص نے اس کے والد کی کونسل کی کانوں کو قیمتی قرار دیتے ہوئے ثبوت بھی فراہم کر دیا کہ وہاں ہیرے موجود ہیں۔ جھوٹ فریب لالچ اور دھوکہ دہی کے تانے بانے سے نئی جرم و سزا کے موضوع پر ایک دلچسپ کہانی۔ اثر نعبانی کے تخلیق کردہ سرائی نندیم اختر کا کارنامہ۔ **ہیرے کے آنسو** کتاب گھر کے **جاسوسی ناول** سیکشن میں پڑھی جاسکتی ہیں۔

میراب ان دنوں مینٹلی طور پر بے حد ڈسٹرب تھا۔ ابھی پچھلے دنوں می سے فون پر اس کی بات ہوئی تو می نے بتایا تھا کہ وہ اور اس کے پاپا (انکل) غنقریب پاکستان آنے والے ہیں۔

”اور لیزا.....؟ اس کا کیا پروگرام ہے۔“ میراب نے بے تاب سے پوچھا تھا اور می یک دم خاموش ہو گئی تھیں۔

<http://kitaabghar.com>

”بولیے ناں می.....!“ میراب نے بے تاب سے پوچھا۔

”بیٹا! اس نے اپنا پروگرام بدل لیا ہے۔ مارکوس سے ایگریمنٹ ختم ہونے کے بعد نجانے کیا ہوا کہ اس نے مارکوس سے ہی باضابطہ طور پر شادی کر لی اور اس کے ساتھ شکاگو چلی گئی۔“

”امپاسیل۔“ میراب نے تکیے پر گھونسا مارا۔

”یہ حقیقت ہے میرو!“ می نے اسے یقین دلایا۔ ”میں آ رہی ہوں پاکستان..... پھر سوچیں گے کہ آگے کیا کرنا ہے۔ افسوس کہ تم لیزا کے چکر میں پڑ کر فلکی جیسے میرے کی قدر نہ کر سکے۔“ می کے لہجے میں پوشیدہ دکھ میراب سے چھپا نہ رہ سکا۔ می اور بھی نجانے کیا کچھ کہتی رہیں مگر میراب اپنے ہوش و حواس میں ہی کب تھا جو توجہ سے سنتا۔ بس ہوں ہاں کہتا رہا۔

اس کے بعد سے میراب بالکل بچھ کر رہ گیا تھا۔ اس کی حالت دیکھ کر ایک روز رحیم بخش کہے بغیر نہ رہ سکا۔

”صاحب.....! ایک بات کہوں..... اگر بُرا محسوس نہ کریں تو.....؟“

”ہاں..... بولو۔“ میراب نے بے دلی سے کہا۔

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

”آپ..... کوئی ایسا راستہ کیوں نہیں نکالتے جو فلکی بی بی تک جاتا ہو۔ وہی آپ کا صحیح خیال رکھ سکتی ہیں۔“ اور میراب چونک گیا۔

”شاید اب ایسا ممکن نہیں رہا رحیم بخش.....!“

”پھر بھی کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے؟“ رحیم بخش بولا اور میراب ٹھنڈی آہ بھر کے رہ گیا۔

زیادہ کوفت میراب کو اس روز ہوئی جب اسے کمپنی کی طرف سے ایک کام کے سلسلے میں ایک ہفتے کے لیے ملتان جانے کا سندیدہ ملا۔ ملتان فلکی کا شہر تھا اور اسی وجہ سے میراب وہاں جانے سے جھجک رہا تھا اگر کبھی بائی چانس کسی راستے پر فلکی سے آ مناسا منا ہو گیا تو.....! تب میراب کیا کرے گا؟ یہی سوچ کر وہ گھبرا رہا تھا۔ فلکی کا سامنا کرنے کا اُس میں اب حوصلہ نہ تھا۔

☆☆☆

وقت گزاری کے لیے فلکی نے شہر کے مشہور بیوٹی پارلر سے ٹریننگ کرنے کے بعد اپنا بیوٹی پارلر کھول لیا تھا اور آج کل چوں کہ شادیوں کا سیزن تھا اس لیے اس کے پاس کافی رش رہا کرتا تھا۔ یہ پارلر گھر کے ہی ایک حصے میں کھولا گیا تھا اس لیے فراغت میں بھابی اور نرمراؤنٹو بھی فلکی کا ہاتھ بنادیا کرتی تھیں۔ فلکی نے انہیں بھی کافی کچھ سکھادیا تھا۔

اگرچہ فلکی کے لیے بھابی کے دور پار کے رشتے داروں سے ایک دو پیغامات بھی آئے مگر فلکی نے صاف انکار کر دیا کہ وہ دوبارہ کسی تجربے

سے نہیں گزرنا چاہتی۔

☆☆☆

نمرائے اُن دنوں فائل ایگزیم ہو رہے تھے، اس روز جونہی وہ پرچہ دے کر امتحانی مرکز سے باہر نکلی تو ضمیر خان اپنی سیاہ مرسیڈیز میں اس کا منتظر تھا۔ اس سے پہلے کہ نمرائے اس موٹر کشتی کی طرف قدم بڑھاتی جو اسے گھر سے امتحانی مرکز تک پرچوں کے دوران لانے اور لے جانے کے لیے کامران بھائی نے لگوا کر دیا تھا، ضمیر خان نے اسے پکار لیا۔

”اے بلیک چادر والی..... سنو.....“ اور نمرائے چونک کر اُدھر دیکھا چونکہ اس وقت یہاں کالی چادر صرف وہی اوڑھے ہوئے تھی۔ اُس پر نظر پڑتے ہی نمرائے کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔ اس نے رخ بدل کر قدم آگے بڑھائے..... اور ضمیر خان کا رخ سے اُتر کر اس کے پیچھے لپکا۔

”سنو.....!“ وہ اس کے قریب پہنچ کر سامنے آ گیا۔

نمرائے گھبرا کر اُدھر اُدھر دیکھا۔ دور دور سے کئی لڑکیاں کن اکھیوں سے اُدھر دیکھ کر زیر لب مسکرا رہی تھیں۔ شاید وہ ضمیر خان کو نمرائے کا مگتیر یا دوست قسم کی کوئی چیز سمجھ رہی تھیں حالانکہ ایسا کچھ نہیں تھا۔ سب اپنے آپ میں مگن تھے اور نمرائے کی طرف کوئی متوجہ نہیں تھا مگر اُسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے سب اسے ہی دیکھ رہے ہیں۔

”راستہ چھوڑو میرا..... مجھے دیر ہو رہی ہے۔“ وہ غرائی۔

”ہرگز نہیں..... تمہیں پہلے میری بات سننا ہوگی۔“ وہ ضد سے بولا۔

”سمجھا کرو..... سب دیکھ رہے ہیں..... مجھے جانے دو۔“ نمرائے دھیرے سے کہا۔

”چلی جانا، صرف ایک بات سن لو۔“ ضمیر خان مسکرایا۔

نمرائے نظر اٹھا کر دیکھا۔ بلیک پینٹ اور نیلی سفید دھاری دار شرٹ میں ملبوس آنکھوں پر سیاہ گاگلز لگائے وہ اتنا بُرا نہیں لگ رہا تھا کہ اُسے یکسر نظر انداز کر دیا جاتا۔ اس کے وجود سے پرفیسی کی ہلکی سی مہک پھوٹ رہی تھی اور وہ سینے پر دونوں ہاتھ لپیٹنے اس کی طرف متوجہ تھا۔

”اچھا کہو..... مگر جلدی۔“ نمرائے گویا بارمان لی۔

”اؤں ہوں..... یہاں نہیں، میرے ساتھ چلو..... پلیز.....“

”ایسا نہیں ہو سکتا..... میرا راستہ چھوڑو۔“ نمرائے قطعی طور پر انکار کر دیا۔

”پلیز مجھے غلط مت سمجھو..... بس تھوڑی دیر کے لیے..... ساتھ چلو۔“ میں قسم کھاتا ہوں کہ تمہاری حرمت پر کوئی آج نہیں آنے دوں گا۔“ وہ بضد ہو گیا۔

”کہاں ناں کہ نہیں جاسکتی۔ ہنو میرے راستے سے۔“ نمرائے سختی سے کہا تو ضمیر خان نے آگے بڑھ کر غیر محسوس طریقے سے پینٹ کی جب سے پستول نکال کر نمرائے کی پسلیوں سے لگا دیا مگر بظاہر انداز ایسا تھا کہ جیسے وہ اپنی ناراض محبوبہ کو منانے کی سر توڑ کوشش میں مصروف ہے۔ حالات

کی سنگینی کا اندازہ کر کے نمر ا کچھ بدحواس سی ہو گئی۔

”چلو آگے.....“ ضمیر خان نے سختی سے سرگوشی میں اُسے حکم دیا اور ناچار اس کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے نمر نے اس کی کار کی طرف قدم بڑھا دیے۔ اس کی طرف کے دروازے کا لاک لگا کر ضمیر خان نے دوسری طرف سے جلدی سے آ کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور جلدی سے گاڑی آگے بڑھا کر نمر کے رکشے کے قریب روک دی۔ جس کا ڈرائیور آنکھوں میں حیرت لیے نمر کو کار میں بیٹھ دیکھ رہا تھا۔

”سنو بھائی.....!“ اس نے رکشے والے کو مخاطب کیا۔ ”آج ان بی بی کو میں خود گھر چھوڑ دوں گا۔ یہ میرے چچا کی بیٹی اور مگیتز بھی ہیں۔ تم جا سکتے ہو شاباش..... اور ہاں یہ رکھ لو۔“ اس نے والٹ کھول کر سو روپے کا کڑکڑاتا نوٹ رکشہ ڈرائیور کی طرف بڑھایا۔

”اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میرا ان سے روزانہ آنے جانے کا کرایہ طے ہے۔“ رکشے والے نے جواب دیا اور نمر کی سمت دیکھا۔ ”بی بی! کل کس وقت پرچہ ہے آپ کا؟“ اس نے نمر اسے براہ راست پوچھا۔

”آج والے ٹائم پر ہی آ جانا۔“ نمر نے دھیرے سے جواب دیا اور اس کے ساتھ ہی ضمیر خان نے گاڑی زن سے آگے بڑھادی اور مختلف شاہراہوں سے گزرتی یہ کار بالآخر ایمن ہاؤس کے کمپاؤنڈ میں جا رہی۔

”اوشیدے.....! ڈرائنگ روم کھلو۔“ ضمیر خان نے کار سے اترتے ہی کسی کو پکارا اور کسی نے جھٹ سے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ یہ کوشی ایک غیر آبداعلاتی میں تھی اور بالکل خالی پڑی تھی۔ اس ملازم کے جسے ضمیر خان نے پکارا تھا کے علاوہ شاید یہاں کوئی اور نہیں تھا۔

”آؤ.....“ اس نے نمر کا ہاتھ تھاما اور وہ لڑ گئی۔

”نہیں..... نہیں..... میں اندر نہیں جاؤں گی۔ تم جانتے نہیں میرے گھر والوں کو..... وہ میری تلاش میں چپہ چپہ چھان ماریں گے۔ تمہیں اس حرکت کا سخت خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔“ نمر اپنا بازو جھڑانے کی کوشش کرنے لگی۔

”پاگل مت بنو۔ ایسا کچھ نہیں ہوگا جو تم سمجھ رہی ہو۔ صرف دو گھنٹی اطمینان سے بیٹھ کر میری ایک بات سن لو..... پھر میں خود تمہیں جہاں کہوگی واپس چھوڑ آؤں گا۔“ اور نمر اگبر کے رونے لگی..... مگر اب اس کی بات ماننے کے سوا کچھ چارہ بھی نہیں تھا۔ سو مرنی کیانہ کرتی، آگے بڑھ آئی۔

”کیا پیو گی..... چائے یا ٹھنڈا.....؟“

”چائے۔“ نمر نے کہا۔ ٹھنڈے میں تو خدشہ تھا کہ پیپی کے بہانے کچھ اور نہ پلا دیا جائے۔

کچھ دیر بعد چائے ہلکے پھلکے لوازمات کے ساتھ آ گئی۔ اس دوران سامنے والے صوفے پر بیٹھا ضمیر خان، نمر کو اپنی محبت کا یقین دلاتا رہا تھا اور اُسے بات پر رضا مند کرنا چاہتا تھا کہ اگر اس بار ضمیر خان اپنی والدہ کو نمر کے رشتے کے لیے بھجوائے تو نمر اس رشتے کو فیور دے تاکہ اس کی شادی ضمیر خان کے ساتھ طے ہو سکے۔

اس کے بعد اسے یقین دہانی کراتا ہوا کہ وہ نمر کو بے حد خوش رکھے گا اور اپنی لمبی چوڑی جائیداد بھی نمر کے نام کر دے گا اور نمر ابس سر بلاتی رہی۔ چائے ختم کرتے ہی ضمیر خان اٹھ گیا۔

”آؤ چلیں..... تمہیں دیر ہو رہی ہے۔ تمہارے گھر والے پریشان ہو رہے ہوں گے۔“ اس نے گاڑی کی چابی اٹھائی اور اس وقت وہ نمرا کو بالکل بھی برا نہیں لگا تھا اور تبھی پورچ میں کسی گاڑی کے رکنے کی آواز سنائی دی اور ضمیر خان چونک کر ٹھٹک گیا..... پھر اس نے کھڑکی کا پردہ اٹھا کر باہر جھانکا اور گھبرا کے نمرا سے مخاطب ہوا۔

”میرے کچھ دوست آگئے ہیں۔ تم ایسا کرو جلدی سے کہیں چھپ جاؤ۔ میں انہیں جلد ہی چلتا کرنے کی کوشش کرتا ہوں..... ادھر اس طرف آ جاؤ.....“ ضمیر خان نے لوہے کی وارڈروب کی آڑ کی طرف اشارہ کیا جہاں نسبتاً کچھ اندھیرا تھا اور نمرا وہاں چھپ کر کھڑی ہو گئی۔

”اٹھا..... یار! بڑے تیار شیر ہو..... کہیں جانا ہے کیا؟“

”نہیں..... بس ایسے ہی۔“ ضمیر خان نے جواب دیا۔

”آج پینے پینے کا موڈ تھا..... میں نے سوچا چلو ضمیر کے ساتھ چل کر مروج میلہ کرتے ہیں۔ گھر فون کیا تو وہاں تو ملا نہیں، مجھے پتا تھا ادھر ہی آیا ہوگا۔“

ضمیر خان کے تین چار دوست بے تکلفی سے وہی کھول کر صوفوں پر بیٹھ گئے اور رشید کے کوگلاس لانے کا آرڈر دیا۔

”میرا خیال ہے آج مجھے ذرا جلدی ہے..... پھر کبھی سہی۔“ ضمیر خان نے ٹالنے کی کوشش کی۔

”جلدی کس بات کی ہے؟ ذرا سی چسکی تو لگانے والے یار!“ کسی نے کہا۔

”ذرا میں ہاتھ دھوؤں.....“ کسی کی آواز آئی اور نمرا اندر سے لرز اٹھی۔ واش روم اسی طرف تھا جہاں وہ چھپی کھڑی تھی۔

”نن..... نہیں..... ٹھہرو۔ ادھر چلے جاؤ۔“ ضمیر خان نے اسے روکنے کی کوشش کی۔

”او..... ہووو.....!“ ہاتھ دھونے کے لیے جانے والا الماری کی آڑ میں چھپی نمرا پر نظر ڈالتے ہی چونک پڑا۔ ”تو یہ عیش ہو رہے تھے آج

اکیلے اکیلے.....“

باقی تینوں دوست بھی پہلے کی آواز پر نمرا کے سامنے پہنچ گئے اور غلیظ نظروں سے نمرا کا جائزہ لینے لگے۔

”نہیں، نہیں، تم غلط سمجھو۔“ ضمیر خان چلایا۔

”اب ہی تو ٹھیک سمجھ رہے ہیں پیارے.....!“ ضمیر خان کا دوست ہنسا۔ ”ادھر آ جاؤ میری بلبل! ہم بھی کوئی اتنے برے نہیں۔“ اس کے

ایک دوست نے نمرا کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔

”آج ایمان سے بہت موڈ تھا شکار کا..... اور تو نے اہتمام بھی کر ڈالا..... یار! ہو تو تجھ جیسا۔“ ضمیر خان زندہ باد۔ ”دوسرے دوست نے

بھی نعرہ مارا۔

”نہیں، نہیں، چھوڑ دو اسے۔“ ضمیر خان نے سخت لہجے میں تنبیہ کی..... جب کہ نمرا دہشت سے سفید پڑ چکی تھی۔

”ارے کیوں نہیں نہیں..... آج تک جو ملا ہم سب نے مل بانٹ کر کھایا ہے..... پھر آج یہ گریز کیسا.....؟“ اس کے دوست نے نمرا کا

باز مروڑ کر اسے اپنی طرف کھینچا۔

”میں کہتا ہوں چھوڑ دو اسے۔ یہ وہ نہیں جو تم سمجھ رہے ہو۔“ ضمیر خان نے اپنا پستول نکال لیا۔

”چل یار! مذاق بند کر..... اور وہ سکی ڈال گلاس میں.....“ اس کے دوست نے ضمیر خان کو حکم دیا اور خود نمرا پر بھٹکنے لگا۔

اس کے باقی دوست بھی اس کا رخیر میں اپنا حصہ ڈالنے کو بے تاب تھے اور ضمیر خان نے جھنجھلا کر گولی چلا دی۔ یہ گولی اس لڑکے کے بازو میں لگی جو نمرا کو تھامے ہوئے تھا۔ گولی لگتے ہی اس کے بازو سے خون کا فوارہ سا پھوٹ پڑا اور نمرا اس کی گرفت سے نکل گئی۔

”خبردار! جو کسی نے اب اسے ہاتھ لگایا۔“ ضمیر خان غرایا۔ ”سنو نمرا! تم باہر بھاگ جاؤ..... جلدی کرو۔“

اور نمرا دوپٹا سنبھال کر باہر کو بھاگی جب کہ ضمیر خان کے ایک دوست نے موقع پا کر کیک ماری اور پستول ضمیر خان کے ہاتھ سے چھوڑ کر دور جا گری اور اس کے بعد اس کے دوست اُس پر پل پڑے۔

<http://kitaabghar.com>

☆☆☆

<http://kitaabghar.com>

موسم کافی تبدیل ہو چکا تھا مگر ملتان میں ابھی تک سخت گرمی تھی۔ میرا ب نے ہاتھ بڑھا کر اسے سی کے ساتھ ڈیک بھی آن کر دیا۔ غلام علی کی آواز بکھر کے رہ گئی۔

کتاب گھر کی پیشکش

جب تیرے شہر سے گزرتا ہوں

روز جیتا ہوں، روز مرنا ہوں

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

جب تیرے شہر سے گزرتا ہوں

میرا ب کو غزلوں کا چاؤ نہیں تھا۔ یہ شاید گاڑی کی صفائی کے دوران ڈرائیور نے اپنی پسندیدہ کیسٹ یہاں فٹ کر دی تھی مگر اب جوں جوں میرا ب اسے سن رہا تھا اس کے بول اپنی اندرونی کیفیت کے ترجمان لگ رہے تھے۔

کتاب گھر کی پیشکش

حال دل بھی نہ کہہ سکا تجھ سے

تو رہی مدتوں قریب مرے

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

تُو مجھے چھوڑ کر چلی بھی گئی

خیر قسمت میری، نصیب میرے

کتاب گھر کی پیشکش

اب میں کیوں تجھ کو یاد کرتا ہوں

جب تیرے شہر سے گزرتا ہوں

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

وہ زمانہ تیری محبت کا

ایک بھولی ہوئی کہانی ہے

کس تمنا سے تجھ کو چاہتا تھا

کس محبت سے ہار مانی ہے

اپنی قسمت پر ناز کرتا ہوں

<http://kitaabghar.com>

میراب نے انگلی کی پور سے اپنی آنکھوں میں آئی نمی صاف کی۔

☆☆☆

”تم اسے اٹھا کر ہسپتال لے جاؤ..... میں ذرا اس قتالہ کو دیکھوں۔“ ضمیر خان کے دوست نے دوسرے کو ہدایت دی اور زمین پر پڑا ضمیر خان کمزور آواز میں بولا۔

<http://kitaabghar.com>

”ارے باز آبد بخت.....! وہ تیری ہونے والی بھابی.....“

اور اگلے لمحے سر پر چوٹ پڑنے کے باعث وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔

☆☆☆

میراب نے زیادہ ٹریفک ہونے کے سبب مین روڈ چھوڑ کر گیٹ روم تک جانے کے لیے ایک نسبتاً سنسنائی سی براؤن روڈ کا انتخاب کیا تھا، جہاں اکاؤنٹر پارکس بھی تھیں اور تبھی اس نے چونک کر پوری طاقت سے بریک پر پاؤں رکھا۔ سامنے ہی گلابی لباس میں ملبوس ایک دہلی پتلی لڑکی اندھا دھند بھاگی چلی آ رہی تھی۔

<http://kitaabghar.com>

اچانک ہی وہ بدحواسی میں میراب کی کار کے سامنے آ گئی۔ میراب کی گاڑی کے بریکس چرچرائے..... اور لڑکی گاڑی کے بونٹ سے آٹکرائی۔

یہ کوئی اور نہیں بلکہ نرہی تھی.....!!

<http://kitaabghar.com>



انکا

انکا..... چھ انچ کی گولیا، ایک قتالہ عالم، آفت کی پڑیا۔ پراسرار قوتوں کی مالک، خوش قسمتی کی دیوی، جس کے حصول کے لیے بڑے بڑے پجاری اور عالم سرتوڑ کوششیں کرتے تھے۔ ایک ایسی داستان جس نے سالوں تک پراسرار کہانیوں کے شائقین کو اپنے سحر میں جکڑے رکھا۔ انکا..... اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ بہت جلد کتاب گھر پر جلوہ افروز ہو رہی ہے۔

<http://kitaabghar.com>

باب -10

کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

<http://kitaabghar.com><http://kitaabghar.com>

”آپ کو زیادہ چوٹ تو نہیں آئی؟“ میرا ب فوراً کار کا دروازہ کھول کر نمرائے پاس چلا آیا اور تشویش بھرے لہجے میں پوچھنے لگا۔ جانی پہچانی سی آواز پر نمرائے سر اٹھا کر اوپر دیکھا اور اپنے سامنے میرا ب کو پا کر ٹھٹک گئی مگر میرا ب کی آنکھوں میں تو شناسائی کی ہلکی سی رتق بھی نہیں تھی کیونکہ وہ نمرائے کو پہچان نہیں پایا تھا۔ فلکی سے شادی کے بعد ابتدائی دنوں میں اگرچہ فلکی کی چھوٹی بہنیں، میرا ب کے ارگرد منڈلاتی رہتی تھیں اور ہنستی کھلکھلاتی اس سے چھیڑ چھاڑ میں مصروف رہا کرتی تھیں مگر میرا ب نے کبھی اتنی توجہ نہیں دی اور شاید اسی لیے نمرائے سے یاد بھی نہیں تھی۔

نمرائے کے نچلے ہونٹ سے خون بہہ رہا تھا اور کہنی کے پاس بھی کافی گہری چوٹ آئی تھی لیکن اس وقت اُسے اپنی چوٹوں کی فکر سے زیادہ اس بات کا خطرہ لاحق تھا کہ جلد ہی ضمیر خان کے غنڈے دوست اس کا پیچھا کرتے ہوئے اُسے آلیں گے اور تب کیا ہوگا۔ یہی سوچ کر اس کا چہرہ دہشت سے سفید پڑ رہا تھا۔

”آئیے کسی میڈیکل سینٹر سے آپ کی مہم پٹی کرادوں۔“ اچانک میرا ب نے گاڑی اردو میں مسکرا کر کہا اور آگے بڑھ کر کار کا دروازہ کھول دیا اور نمرائے سے امداد منجی سمجھتے ہوئے فوراً کار میں جا بیٹھی۔

دراصل وہ جلد از جلد اس جگہ سے دور ہو جانا چاہتی تھی کہ جہاں کسی بھی لمحے ضمیر خان کے دوست شکاری کتوں کی طرح اس کی بو سونگھتے ہوئے اُسے آدبوچتے اور بچی بات تو یہ تھی کہ بے شک میرا ب اب اُن کے خاندان کے لیے لاکھ غیر سہی مگر قابل بھروسہ ضرور تھا اور یہی سوچ کر نمرائے فیصلے میں دیر نہیں لگائی تھی اور جھٹ سے گاڑی میں آ بیٹھی تھی اور میرا ب نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہی گاڑی آگے بڑھا دی تھی جو اس وقت براؤنچ روڈ سے نکل کر مین روڈ پر دوڑ رہی تھی لیکن ابھی تک میرا ب نے نمرائے سے اس کے گھر کا ایڈریس نہیں پوچھا تھا۔ اس بات کا تو اب ایک ہی مطلب ہے کہ میرا ب بھائی یقیناً مجھے پہچان چکے ہوں گے کہ میں فلکی آپنی کی چھوٹی بہن نمرائے ہوں۔ اسی لیے تو گھر کا ایڈریس نہیں پوچھا کیونکہ انہیں پہلے ہی معلوم ہے۔ شاید دل کی گزرگاہ سے ہر نقش پامنانے کے باوجود بھی گھر کا راستا نہیں بھولے ابھی تک۔ نمرائے سوچ ہی تھی۔

ضمیر خان کے علاقے سے کافی دور نکل آنے پر نمرائے کا خوف اب قدرے کم ہو چکا تھا۔ دفعتاً اُسے یاد آیا کہ اس کا بیگ اور چادر تو ضمیر خان کے گھر ہی پڑے رہ گئے تھے۔ دراصل وہ تو ان نامساعد حالات میں ضمیر خان کی ایک آواز کہ ”نمرائے! بھاگ جاؤ یہاں سے فوراً۔“ کے ساتھ ہی اندھا دھند باہر کو بھاگ اٹھی تھی۔ اس وقت بیگ اور چادر اٹھانے کا ہوش بھلا کس کو تھا؟

”خیر..... بعد میں دیکھا جائے گا۔“ نمرائے نے بے پروائی سے سر جھٹکا۔ یہی بہت تھا کہ وہ وہاں سے اپنا گوبر عصمت بچالائی تھی..... ورنہ تو..... آگے سوچ کر ہی نمرائے کو جھرجھری آگئی۔ دفعتاً کار کا رخ میرا ب نے اچانک سروس لین کی طرف موڑ دیا تھا۔ تب نمرائے اُلجھی نظروں سے اُسے دیکھا۔

”ادھر میڈیکل سینٹر سے تمھاری ڈریسنگ کمرالیں تو تمھارے گھر کی طرف چلتے ہیں۔“ میراب نے قدرے اپنائیت سے کہا تو نمرا انکار نہیں کر سکی اور اسحاق میڈیکل سینٹر کے سامنے گاڑی رکتے ہی نمرا سعادۂ مندی سے میراب کے پیچھے چلی آئی۔ اس کی کہنی سے واقعی ابھی تک ہلکا ہلکا خون برس رہا تھا۔

دس منٹ میں ڈاکٹر نے ابتدائی طبی امداد کے بعد نمرا کو فارغ کر دیا تھا۔ تب وہ دونوں گاڑی میں آ بیٹھے اور میراب نے گاڑی ریورس کر لی۔ ”آپ پوچھیں گے نہیں کہ میں اس طرح اچانک کیوں بھاگی چلی آرہی تھی؟“ نمرا بے اختیار پوچھ بیٹھی۔ ”نہیں..... کیوں کہ مجھے معلوم ہے۔“ وہ اچھتی سی نظر نمرا پر ڈال کر دھیرے سے مسکرایا۔

”کیا..... کیا معلوم ہے آپ کو؟“ نمرا کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا سانس نیچے رہ گیا۔

”یہی کہ جب کوئی تمھاری عمر کی لڑکی بجائے اپنے کالج سے برآمد ہونے کے کسی سناں علاقے کی ایک غیر آباد کوٹھی سے یوں اچانک بھاگ نکلتی ہے تو اس بات کا ایک ہی مطلب ہوا کرتا ہے۔“ اس نے بے نیازی سے کہا۔ ”وہ کیا بھلا؟“ نمرا سانس رکے سننے کی منتظر تھی۔

”یہی کہ لڑکی اس جگہ مہمان تو اپنی خوشی سے بنی تھی مگر پھر اچانک میزبان کی نیت میں فتور دیکھ کر وہاں سے بھاگ نکلی.....“

میراب کے دل میں اسے اس طرح دیکھ کر جو خیال آیا بغیر کسی حیل و حجت کے بیان کر دیا اور جواباً نمرا شرمندگی سے سر جھکا کر یونہی اپنے ہاتھوں کو ملنے لگی۔ تب میراب کو چانک خیال آیا۔

”اوہ سوری.....! میں آپ کا ایڈریس تو پوچھنا ہی بھول گیا..... اور نہ ہی آپ نے بتایا۔ خیر..... کہاں جائیں گی؟“

میراب نے گاڑی کی رفتار کم کرتے ہوئے اس سے سوال کیا۔

”کیا آپ کو یاد نہیں.....؟“ نمرا نے بے یقینی سے اسے گھورا اور میراب الجھ کر رہ گیا۔

”کیا مطلب.....؟“

”واقعی آپ کو کچھ یاد نہیں ہے؟ خیر میں..... فلکی آپ کی چھوٹی بہن نمرا ہوں۔“

اور اگلے ہی لمحے گاڑی کے بریکس چرچائے گویا نمرا نے اس کی سماعت پر ہم گرایا تھا۔ میراب نے پوری قوت سے بریک پیڈل پر دباؤ ڈالا تھا اور گاڑی اگلی وین سے ٹکراتے ٹکراتے بچی تھی۔

”اوہ مائی گاڈ.....!“ میراب کے ہونٹوں سے ایک طویل آہ خارج ہو گئی تھی اور اس کے ساتھ ہی اس نے گاڑی اگلے یوٹرن سے ایک پل کی سمت موڑ لی تھی۔ فلکی کے گھر کو ادھر سے بھی راستہ جاتا تھا۔ فلکی کے گھر کی طرف تو نہ جانے اور بھی کتنے راستے نکلتے ہوں گے مگر اس تک رسائی کے لیے اب کوئی بھی راہ باقی نہ بچی تھی۔ جانے کیوں میراب مجھ سا گیا تھا۔

کافی دیر دونوں کے درمیان ایک ان دیکھی خاموشی حائل رہی پھر میراب نے ہی اس سکوت کو توڑا۔

”کیسی ہے فلکی؟“ وہ پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

”کیسا ہونا چاہیے انہیں؟“ نمرانے الٹا اسی سے سوال کر ڈالا اور جواباً میرا بے بسی سے اپنی سیٹ پر پہلو بدل کر رہ گیا۔

فلکی کا گھر آچکا تھا۔ میرا بے گاڑی گھر کے پاس روک دی اور نمرانے اس کا شکریہ ادا کرتی ہوئی اپنے گھر کی سمت بڑھ گئی۔

اگرچہ بڑی دیر سے فلکی کے دیدار کا متقاضی تھا مگر اب شاید بہت دیر ہو چکی تھی سو مجبوراً میرا بے نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

☆☆☆

گھر کے صحن میں کچھی چار پائی پر فلکی دھوپ تاپنے کے ساتھ ساتھ ہاتھ میں اُون کی سلایاں تھامے کھٹا کھٹ اپنے نومولود بچے کا سوئیٹر

بن رہی تھی۔ نمرانے سلام کر کے آگے قدم بڑھا دیے۔

”آج اتنی دیر لگا دی نمرانے؟ کیا رکشے والا وقت پر کالج نہیں پہنچا تھا؟“ فلکی نے پوچھا اور پہلے سرسری انداز میں اور پھر چونک کر دوبارہ بغور

نمرانے کی طرف دیکھا جو اپنے دھیان میں مگن آگے بڑھی چلی جا رہی تھی۔

”اے نمرانے! تیری چادر کہاں ہے؟“ فلکی نے اسے آواز بلند ٹوکا۔

”آپنی! ایک لڑکی نے شرارت سے الماری میں چھپا دی تھی اور وہ نہ جانے کہاں گم ہو گئی..... تو میں ایسے ہی چلی آئی۔“ نمرانے رک کر

پہلے سے گھڑا بہانا بنا دیا اور فلکی مطمئن ہو کر دوبارہ اُون سلانیوں کی طرف متوجہ ہو گئی۔

”اچھا آئندہ میری چادر لے جایا کرنا۔“ نمرانے فلکی کی اس بات کا کوئی جواب دیے بغیر آگے بڑھ گئی۔

کچن مٹر پلاؤ کی زبردست خوشبو سے مہک رہا تھا۔ نشوونگی کی ناگوں پر وہی مسالے کا لیپ کر کے ڈش مائیکرو ویو اوون میں رکھ رہی تھی۔

وہ ان دنوں امتحانوں سے فراغت کے بعد فارغ تھی اور نئی ڈشز آزمانے تو اتر سے کچن میں نظر آیا کرتی تھی۔

”نمرانے! پیپر کیسا ہوا ہے؟“ نمرانے نظر پڑتے ہی وہ پوچھ بیٹھی۔

”بہت اچھا۔“ مختصر جواب دے کر نمرانے آگے بڑھی اور فریج سے پانی کی بوتل نکال کر ایک میں لگا گلاس اٹھایا اور وہیں کھڑے ہو کر پانی پینے لگی۔

”آج دوپہر جب مابدولت کے ہاتھ کا بہنا ہوا کھانا کھاؤ گے تو سبھی انگلیاں چانتے رہ جاؤ گے بادشاہو!“ نشوونے بڑے فخر سے مسکرا کر کہا

اور جھک کر اوون کا ٹیمپریچر سیٹ کرنے لگی۔

”اس میں کیا شک ہے!“ نمرانے بھی جواباً مسکرا دی۔ ”ہماری نشا کھانا پکائے اور کوئی انگلیاں نہ چاٹے..... مگر پلیز صرف اتنا بتا دو انگلیاں

کس کی چاٹنی ہیں..... صرف اپنی یا.....“ بات ادھوری چھوڑ کر نمرانے شرارت سے مسکرائی۔ اپنے گھر کی محفوظ چار دیواری میں داخل ہوتے ہی اس کا رہا

سہا خوف بھی زائل ہو چکا تھا اور فطری بے اشت لوٹ آئی تھی۔

”لگتا ہے آج کھانے کی بجائے مجھ سے مار کھاؤ گی تم۔“ نشانے دھمکی آمیز انداز میں چیخ ہوا میں لہرایا تو نمرانے دی۔

”اوہو..... سوری میڈم! میں تو بھول ہی گئی تھی کہ آپ اس وقت مسلح بھی ہیں۔“ نمرانے چچے کی طرف اشارہ کیا اور نشوونے بھی ہنس پڑی۔

”امی نہیں آئیں ابھی تک؟“ نمر کو اچانک خیال آیا کہ آج امی کو بھابی کے میکے جانا تھا۔ زچگی کے بعد بھابی ان دنوں اپنے میکے میں قیام پذیر تھیں جہاں سے چلہ نہا کر ہی انہیں لوٹنا تھا۔ امی البتہ دوسرے تیسرے دن اپنے پوتوں سے ملنے اور بہو کو دیکھنے وہاں چلی جایا کرتی تھیں۔ کبھی معاذ بھی کامران بھائی اور امی کے ساتھ پھوپھوں کے پاس چلا آتا اور خوب کھیلنے کے بعد جب بھابی کے پاس جانے کو کہتا تو کامران بھائی اسے جا کر چھوڑ آتے۔

”ہاں..... کامران بھائی آفس سے واپسی پر بھابی کی طرف جائیں گے تو امی کو وہاں سے ساتھ ہی لیتے آئیں گے۔“ نشو نے بتایا۔ ”بس آنے ہی والے ہوں گے۔“

”مجھے تو سخت نیند آرہی ہے۔“ نمرانے وہیں کھڑے کھڑے انگڑائی لی اور نشو بے ساختہ ہنس دی۔

”بھئی یہاں کھڑی ہو کر تم ایسی تو بہ شکن انگڑائیاں نہ لو..... درود پور کے صرف کان ہی نہیں، کبھی کبھار آنکھیں بھی ہوا کرتی ہیں۔“ اور نمر اسے گھور کر رہ گئی۔

”اب ظہر کی نماز ادا کرنے کے بعد ہی کھانا کھا کر لیٹنا..... ورنہ نماز قضا ہو جائے گی۔“ فلکی بھی دھوپ کی تمازت سے گھبرا کر اپنی اون سلاخیاں سمیٹتے اندر آ گئی تھی۔

”جی اچھا آپنی!“ نمرانے سعادت مندی سے کہا۔ ”نشو! میں نماز پڑھ آؤں پھر مل کر کھانا لگالیں گے۔“ نمرانے کہا اور وضو کرنے چل دی۔

امی اور کامران بھائی تو ابھی بھابی کے ہاں سے لوٹے نہیں تھے، شاید آج دوپہر انہیں بھابی کے گھر والوں نے اصرار کر کے وہیں کھانے پر روک لیا تھا۔ ان کا خاصا انتظار کرنے کے بعد جب نشو نے بھابی کو فون کیا تو ان کا خیال درست نکلا۔ وہاں سب کھانا کھا رہے تھے، تب انہوں نے بھی کھانا کھالیا۔

کھانے کے بعد برتن وغیرہ سمیٹ کر نشو تو ذرا کمر سیدھی کرنے کو لیٹ گئی اور فلکی وقت گزاری کے لیے ایک ڈائجسٹ لے کر بستر کی طرف چل دی۔ نمر کافی سوچ بچار کے بعد فلکی کے پاس آ بیٹھی۔

”وہ دراصل آپنی! آپ سے ایک بات کہنا تھی۔“ نمر کافی الجھی الجھی سی لگ رہی تھی۔

”ہاں کہو چندا.....!“ فلکی نے ڈائجسٹ ایک طرف ڈال دیا اور اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

”وہ..... وہ..... دراصل.....“ نمرانے تھوک لگلا۔ ”وہ آپنی.....! دراصل آج..... مجھے..... وہ..... میرا اب بھائی ملے تھے۔“ بالآخر نمر نے ایک دم بات مکمل کر ہی ڈالی۔

”یا.....!“ فلکی اپنی جگہ سے اچھل ہی تو پڑی۔

”جی بلکہ وہ مجھے گھرتک چھوڑنے بھی آئے تھے۔“ نمرانے جلدی سے بتایا۔

”کیوں.....؟“ فلکی نے تیوری چڑھائی۔ ”کیوں آئی تو اس کے ساتھ؟ کیا رشتہ ہے ہمارا اب میرا اب سے؟ بول.....؟“ فلکی نے

ترجہی نظر سے اسے دیکھا اور جواباً خاصا تذنب کے بغیر نمر کو دھیرے دھیرے تمام تفصیل فلکی کے گوش گزار کرنا پڑی اور تمام بات سننے کے بعد فلکی جیسے اپنی جگہ سُن ہو کر رہ گئی۔

”پلیز آپ!..... آپ امی یا کامران بھائی کو کچھ مت بتائیے گا۔“ نمرانے التجا کی۔

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

”ہاں ٹھیک ہے.....“ فلکی نے جواب دیا۔
شکر تھا کہ نمر کے زخم اس شدید نوعیت کے نہیں تھے کہ پہلی یا دوسری نظر میں واضح ہوتے۔ ہونٹ پر جہاں خون بہہ رہا تھا اب پھڑی جم چکی تھی اور کہنی کی چوٹ تو ویسے بھی آستین کے نیچے چھپی تھی اور اس پر سنی پلاسٹ لگنے سے کافی آرام تھا۔

”تم ڈرنا مت..... میں سب سنبھال لوں گی۔“ فلکی نے اپنے خیالوں سے چونک کر نمر کو گلے لگا کر اس کا شانہ تھپتھپایا۔

☆☆☆

گیسٹ روم میں اپنے بیڈ پر لیٹے میراب نے ریپورٹ اٹھا کر ٹی وی آف کر دیا۔ آج اس کا دل کسی چیز میں نہیں لگ رہا تھا۔ وہ نواب تک فلکی کی یادوں سے کئی کتراتا تھا لیکن ہر بار فلکی کا وجود کوئی نہ کوئی نیاروپ دھار کر اس کے سامنے آکھڑا ہوتا۔ کبھی وہ خوابوں میں نظر آتی، کبھی اس کی یادیں میراب کا پیچھا کرتیں اور آج تو حد ہو گئی تھی کہ..... یوں بیٹھے بٹھائے فلکی کی بہن سے ٹاکرا ہو گیا۔ تبھی تو نہ جانے کیوں اسے دیکھتے ہی میراب کو اس کی شکل کچھ جانی پہچانی سی لگی تھی۔ بطور خاص اس کی آنکھیں اور سیاہ بال تو فلکی جیسے تھے۔

عام پاکستانی گھرانوں کے برعکس یورپ میں سیاہ آنکھوں اور سیاہ زلفوں کو پسند کیا جاتا ہے، وہاں گوریاں اپنے براؤن اور سنہری بالوں کو سیاہ رنگت سے بدل کر خوش ہوتی ہیں اور نمکین رنگت تو دیوانگی کی حد تک پسندیدہ سمجھی جاتی ہے۔ تبھی کوئی گورے اور گوریاں ساحل کنارے گھنٹوں ننگے بدن ریت پر دھوپ میں پڑے رہتے ہیں تاکہ کسی طرح ان کی سفید پچھلے شلجم جیسی چمڑی گندمی رنگت اختیار کرے۔ بلاشبہ اگر فلکی میراب کے ہمراہ یورپ چلی جاتی تو وہاں اس کا مشرقی حسن سب کی توجہ اپنی طرف مبذول کروا لیتا اور میراب کی کئی گرل فرینڈز تو جل بھن کر کوئلہ ہو جاتیں اور لیزا!..... اس کا خیال آتے ہی میراب کا حلق تک کڑوا ہو گیا..... اور دل عجب طرح کے غم سے بھر گیا۔

کیا مجھے فلکی کو ٹھکانے کی یہ سزا ملی ہے؟ اس کے اندر ایک سوال ابھرا اور وہ بے کل سا ہو گیا۔ تبھی اس کے سر ہانے رکھا موبائل بج اٹھا۔
”ہیلو!.....!“ میراب نے کال اٹینڈ کی اور اپنی جگہ جامد وساکت رہ گیا۔ دوسری جانب فلکی تھی۔

”فلکی! سچ مجھے تم ہو.....؟“ میراب کو اپنے کانوں پر اعتبار نہیں آ رہا تھا۔

”جی..... میراب صاحب..... اور میرا پورا نام فلک ناز ہے فلکی صرف میرے فیملی ممبرز یوز کرتے ہیں۔“ فلکی جانے کیا جتنا چاہ رہی تھی اور میراب بے بسی سے سر آدھ بھر کے رہ گیا۔

”اوکے..... فلک!.....! کیسی ہو تم؟“ جذبات کی اچانک یلغار سے میراب کے لہجے میں لرزش صاف محسوس کی جاسکتی تھی۔

”ٹھیک ہوں..... میراب صاحب! آپ کو فون کر کے دراصل آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہ رہی تھی کہ آپ نے نمر کو نا صرف بحفاظت گھر

پہنچایا بلکہ راستے میں اس کی ڈریسنگ وغیرہ بھی کرائی۔“

”کیسی باتیں کر رہی ہو فلکی! آئی مین فلک! بالکل غیروں جیسی باتیں ہیں یہ تو.....“ میراب نے کہا۔

”ہمارے ہاں غیروں سے غیریت ہی برتی جاتی ہے مسٹر میراب!.....“ نہ چاہنے کے باوجود بھی فلکی کا لہجہ تلخ سا ہو گیا تھا۔

”تم اتنی سنگ دل کیسے ہو گئیں فلکی! کہ یوں میرے زخموں پر نمک پاشی کرنے لگیں؟“ میراب بے بسی سے بولا۔

”آپ واقعی خوش سمت ہیں کہ شکوہ تو کر سکتے ہیں۔ ہمارے ضبط کا عالم دیکھیے کہ کبھی شکوہ بھی نہ کیا گیا۔“ فلکی رفتہ رفتہ اپنا ضبط کھور ہی تھی۔

اس کا لہجہ دھیرے دھیرے آنسوؤں میں بھگتا جا رہا تھا۔

”آئی ایم سوری..... فلکی! میں غلطی پر تھا۔“ میراب کا لہجہ ندامت سے لبریز تھا۔

”لیکن یہ سوری وہ فاصلے کم نہیں کر سکتا جو ہمارے درمیان حائل ہو چکے ہیں۔“ فلکی نے یاد دلایا۔

”اگر تم چاہو تو کوشش کی جاسکتی ہے.....“ میراب جلدی سے بولا۔

”آپ کو اندازہ ہے کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟“ فلکی نے سوال کیا۔

”ہاں اور اس کی گنجائش تو شریعت میں بھی ہے۔“ میراب فوراً بولا۔

”بہت کٹھن راہ ہے یہ۔“ فلکی خود کلامی کے انداز میں گویا ہوئی۔

”میں ہر کانٹوں بھری راہ سے گزر کر تم تک پہنچنے کے لیے تیار ہوں۔“ میراب بے تابی سے بولا۔

”شاید آپ اس وقت پوری طرح اپنے حواسوں میں نہیں ہیں.....“ فلکی تلخی سے ہنسی۔ ”ورنہ جس پودے کو آپ نے ایک جھٹکے سے اپنی زندگی سے اکھاڑ پھینکا اس کی جڑیں دوبارہ اسی زمین میں دبانے کا کبھی نہ سوچتے..... اور اب تو ویسے بھی اس پودے کا تمام وجود سوکھ چکا ہے..... پھر خشک پتے اور مرجھائے پھول آپ کو دنیا کی بھلا کیا رونق بخشیں گے؟“ فلکی افسردگی سے بولی اور میراب تلخی سے ہنس دیا۔

”خوب کہا تم نے..... تم تو شاعر ہو گئی ہو فلکی! مگر ایک بات بتاؤں..... میں اب اتنی ہمت رکھتا ہوں کہ اپنے لہو سے اس پودے کو پہنچ کر تناور درخت کی شکل دے سکوں۔“ میراب مضبوط لہجے میں بولا۔ ”اور میں اس وقت اپنے مکمل ہوش و حواس میں ہوں۔ دراصل تم سے لا تعلقی کی بہت سزا جھیلی ہے میں نے..... اور لگتا ہے کہ..... سکون تمہیں بھی نہیں ملا..... تو کیا ہم پھر سے ایک ساتھ نہیں جی سکتے؟“ میراب کا رواں رواں سوال بن گیا۔ ”بولو فلکی!.....“ اس کا لہجہ التجا میں ڈوبا ہوا تھا۔

”میں..... سوچوں گی۔“ فلکی تھکے تھکے سے لہجے میں بولی۔

”میں کل ہی کسی عالم دین سے ملوں گا اور اس بارے میں تفصیل معلوم کروں گا۔“ میراب نے کہا۔

”او کے میراب صاحب! ایک بار پھر آپ کا بے حد شکریہ۔“ فلکی نے کہا اور خدا حافظ کہہ کر فون رکھ دیا۔

”فلکی..... فلکی!.....“ میراب ہاتھ میں ریسیور تھا مے بیٹھا رہ گیا۔

☆☆☆

فون رکھتے ہی فلکی اپنے ضبط کا بندھن کھوٹ گئی اور دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رو دی۔

”فلکی! تم رورہی ہو.....؟“

”آں.....“ فلکی چونکی۔ وہ یہ تو بھول ہی گئی تھی کہ آج شام ہی تو شبو آپی چند روز رہنے کے لیے میکے آئی تھیں اور جانے کب سے فلکی کے پیچھے کھڑی اس کی میراب سے فون پر ہونے والی تمام گفتگو سن رہی تھیں۔ ”شبو آپی.....!“ فلکی دوڑ کر ان سے لپٹ گئی۔ اس کا تمام بدن شبو آپی کے بازوؤں میں سسکیوں سے لرز رہا تھا اور وہ پیار سے اس کے بال سلجھا رہی تھیں۔ اس کی کمر سہلا رہی تھیں۔

نمر اوجا چانک ہی کمرے میں داخل ہوئی تھی یہ صورت حال دیکھ کر بھاگی گئی اور پانی کا گلاس لے آئی۔ پانی پی کر فلکی کے کچھ حواس بحال ہوئے تو اس نے تفصیل کے ساتھ شبو آپی کو اپنے اور میراب کے درمیان ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتایا۔ نمر اور نشو بھی پاس آ کر بیٹھ گئی تھیں اور بڑی توجہ سے ساری بات سن رہی تھیں۔ فلکی نے اس دوران نمر کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا تھا، وہ بھی شبو آپی کے گوش گزار کر دیا اور ساری بات سننے کے بعد شبو آپی کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی تھیں۔

☆☆☆

ملازم کی کافی کوششوں کے بعد ضمیر خان کو ہوش آیا تھا مگر سر پر پڑنے والی ضرب نے اس کی سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیتیں سلب کر ڈالی تھیں۔ جسم پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا اور دائیں آنکھ کے پاس بڑا سانپل پڑ گیا تھا۔ اس نے اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کی کوشش کی مگر لڑکھڑا کر رہ گیا۔ تب اس کے وفادار ملازم نے اسے سہارا دے کر صوفے پر بٹھایا اور ہلدی ملے دودھ کا گلاس ضمیر خان کے ہونٹوں سے لگا دیا۔

”کیا ہے یہ؟ ہٹاؤ پرے.....“ ضمیر خان نے عجیب شکل بنائی۔ ایک گھونٹ بھرتے ہی اسے کسی اجنبی ذائقے کا احساس ہوا تھا۔

”چھوٹے خان جی.....! سانس روک کے ایک دفعہ میں سارا گلاس چڑھا جائیں۔ مولا پاک نے چاہا تو ہلدی ملا دودھ جسم کی تمام چوٹیں چن لے گا۔“ شیدے نے خلوص سے تاکید کی اور بچوں کی طرح بہلا پھسلا کر اسے دودھ پلا کر پی دم لیا۔ دودھ پینے کے کچھ ہی دیر بعد ضمیر خان کو اپنی توانائی بحال ہوتی محسوس ہوئی اور ذہن پر چھائی وحند بھی چھٹنے لگی اور اس کے ساتھ ہی اسے نمر کا خیال آیا تو وہ بے قرار ہوا تھا۔

”شیدے.....! میری کار کی چابی پکڑا یا!“ اس نے اپنی جگہ سے اٹھنے کی کوشش کی۔

”چھوٹے خان جی! آپ کی طبیعت ابھی اس قابل نہیں کہ کار چلا سکیں۔“ رشید منمنایا۔ ”بہتر ہوگا کہ ذرا دیر آرام کر لیں۔“ اس نے خوشامد انداز میں مگر خلوص سے کہا۔

”اونٹیں یاد.....! ادھر ایک ایک پل بھاری ہے.....“ ضمیر خان تمام تر ہمت یکجا کر کے فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔

”تو پھر دلشاد آپ کو چھوڑ آتا ہے۔“ شیدہ جلدی سے بولا۔

”کون دلشاد.....؟“ ضمیر خان نے پوچھا

”میرا دوست ہے جی! چیچہ وطنی سے دو روز پہلے ہی مجھ سے ملنے کے لیے آیا تھا۔ یہاں آتے ہی اسے بخار نے آلیا تو میں نے اسے یہیں

روک لیا۔ بڑا اچھا ڈلیور (ڈرائیور) ہے جی۔ فوج میں ملازم ہے، جیپ چلاتا ہے..... بڑی اسے ون قسم کی۔“

”مگر اسے بھی تو بخار ہے۔“ ضمیر خان نے کہا۔

”اب پہلے سے کافی بہتر طبیعت ہے اس کی۔ آپ رکیں میں بلاتا ہوں اسے۔“ شیدا الپک کراپنے ساتھ دوست کو لے آیا جس نے ضمیر خان کے ہاتھ سے چابی لے کر فوراً پورچ میں کھڑی گاڑی اسٹارٹ کر لی۔

”رشیدے.....!“ ضمیر خان نے چلتے ہوئے رک کر پکارا۔

”جی خان جی.....!“ شیدا فوراً واپس آ گیا۔

”یار..... وہ.....“ ضمیر خان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیسے پوچھے۔ ”وہ..... آج میرے ساتھ جوڑ کی آئی تھی..... تمہیں کچھ پتا ہے کہ وہ کس طرف گئی ہے.....؟“ بالآخر اس نے پوچھ ہی لیا۔

”وہ..... مجھے سو فیصد تو علم نہیں ہے..... میں تو یہی سمجھتا رہا کہ شراب کے نشے میں مدہوش آپ کے ساتھی یونہی خرمستیاں کر رہے ہیں اس لیے اتنا غل غپاڑا ہے مگر جب میں نے پستول چلنے کی آواز سنی اور باہر بھاگتے قدموں کی آواز، توپکن کی کھڑکی سے باہر جھانکا..... وہ بی بی مین روڈ کی طرف اندھا دھند دوڑی چلی جا رہی تھیں۔“

”پھر..... پھر کیا ہوا.....؟“ ضمیر خان نے بے تابی سے پوچھا۔ ”اس کے تعاقب میں کوئی میرا دوست تو نہیں گیا تھا؟“ ضمیر خان کے چہرے سے پریشان ہو رہی تھی۔

”جی آپ کے دو دوست چند لمحوں بعد ان کے پیچھے نکلے تھے۔ ایک کی نظر مجھ پر پڑی تو اس نے مجھ سے لڑکی کے بارے میں پوچھا تو.....“ وہ قدرے جھجک سا گیا۔

”تو.....؟“ ضمیر خان کی پیشانی پر بل آ گئے۔

”مجھے معاف کر دیں سرکار! ہمیں بعض اوقات سب کچھ دیکھ کر بھی اندھا گونگا اور بہرا بننا پڑتا ہے اور نمک حلائی کا تقاضا بھی یہی ہے مگر..... نہ جانے کیوں مجھے اس لمحے لڑکی پر رحم آ گیا اور..... میں نے آپ کے دوستوں کو دائیں ہاتھ کی طرف اشارہ کر دیا..... حالاں کہ وہ لڑکی تو ناک کی سیدھ میں بھاگی تھی۔ مجھے معاف کر دیں سرکار.....! مجھ سے بڑی بھول ہو گئی جو میں اپنے آقاؤں کی خوشی کا خیال نہ رکھ سکا۔ آپ نے شاید اپنے دوستوں کی دعوت کا اہتمام کیا تھا مگر میں نے شکار بھگادیا۔“ شیدا رو دینے کو تھا۔

”شیدے! تم نے زندگی میں پہلی بار اتنی عقلمندی کا کام کیا ہے۔ تم تو بڑے انعام کے حق دار ہو کیوں کہ تم نے نہ جانے میں اپنی ہونے والی مالکن کی عزت بچائی ہے۔“ ضمیر خان کے چہرے پر یک دم ہی خوشی کی سرخی دوڑ گئی۔ ”یہ رکھ لو.....“ اس نے اپنے والٹ سے ہزار ہزار کے دو نوٹ نکال کر رشیدے کی طرف بڑھائے..... اور اسے یونہی حیران و پریشان کھڑا چھوڑ کر گاڑی میں جا بیٹھا مگر اس سے پہلے وہ نمرا کی چادر اور بیگ ساتھ لینا نہیں بھولا تھا۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ نمرا ان بد بختوں کے ہاتھ نہیں لگی اور یہ بات باعث اطمینان تھی۔

☆☆☆

نمر اُجب اگلا ہیرو دینے کے لیے جانے لگی تو کسی انجانے خطرے کے پیش نظر شبو آپی بھی اس کے ساتھ ہو لیں۔

”آپ وہاں تین گھنٹے تک باہر لان میں بیٹھی کیا کریں گی؟“

”تمہارا انتظار.....!“ شبو آپی نے جوڑے میں نہیں لگاتے ہوئے اطمینان سے جواب دیا۔

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

”مگر اتنی دیر خواہ مخواہ بور ہوں گی۔“ نشو بولی۔
 ”نہیں ہوتی میں بور..... اسی لیے تو ڈائجسٹ لے جا رہی ہوں ساتھ۔ یہ پڑھتے ہوئے وقت گزرنے کا پتا بھی نہیں چلے گا۔“ شبو نے انہیں مطمئن کیا۔

جیسے ہی نمر اُجب دے کر ہال سے نکلی تو سامنے برآمدے کے ستون سے لگی ایک درمیانی عمر کی عورت اس کے قریب چلی آئی۔

”پٹر! تیرا ناں نمر اے؟“ اس نے چھوٹے ہی نمر اے سے سوال کیا۔

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

”جی..... مگر آپ کو کیسے پتا؟“ نمر احیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

”میں نے تیرے شناختی کارڈ پر تیری تصویر دیکھی تھی۔ یہ تیری چیزیں ہیں ناں؟“ اس نے نمر کی چادر اور بیگ اس کے سامنے کر کے پوچھا اور نمر احیرت سے گم صم ہو گئی۔

”میں ضمیر خان کی والدہ ہوں.....“ اس نے اپنا تعارف کرایا۔ ”مجھے ضمیر خان نے سب کچھ بتا دیا ہے۔ یہ تیری چادر اور بیگ بھی مجھے اسی نے دے کر کہا تھا کہ یہ چیزیں تجھے کالج پہنچا دوں۔ میں بچھے دو دن سے روزانہ کالج آتی ہوں مگر شاید بچھے دنوں تیرا پرچہ نہیں تھا اس لیے تو نہیں آئی۔ تو ضمیر خان کو جانتی ہے ناں.....؟“ اس نے محبت سے نمر ا کو دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

”آں.....“ نمر ا چونکی۔ ”جی..... جی ہاں۔“

”تیری بہت تعریفیں کرتا ہے وہ۔ بس ہر وقت مجھ سے تیری ہی باتیں کرتا رہتا ہے۔ میں ضمیر خان کی ماں ہو مگر اس کی دوستوں کی طرح ہوں۔ میں نے اسے یہی سکھایا ہے کہ دنیا میں ماں ہی سب سے زیادہ مخلص دوست ہوا کرتی ہے لہذا اس سے اپنے دل کی کوئی بات نہیں چھپانا چاہیے اور یوں وہ اپنے دل کی ہر بات مجھ سے کر لیتا ہے۔ میں نے ہی اسے یہ بھی کہا تھا کہ زندگی میں کبھی کوئی لڑکی پسند آ جائے تو بغیر جھجک کے مجھے بتا دے، میں خود جا کر اس لڑکی کو اپنی بہو بنا لاؤں گی۔ چاہے کچھ بھی کرنا پڑے اور مجھے خوشی ہے کہ ضمیر خان کا انتخاب واقعی اتنا سوہنا ہے۔“ اس نے محبت پاش نظروں سے نمر ا کو دیکھتے ہی چٹ پٹ اس کی بلائیں لے ڈالیں اور تبھی اچانک شبو آپی یہاں آ پہنچیں اور نظروں ہی نظروں میں نمر ا سے ان خاتون کے متعلق استفسار کیا۔

”ضمیر خان کی والدہ ہیں.....“ نمر ا نے تعارف کرایا۔ ”اور یہ میری بہن شبنم فخر ہیں۔“ اس نے ضمیر خان کی والدہ کو بتایا۔

”ہاں میں ایک بار پہلے تمہارے ہاں جا چکی ہوں مگر اس روز اتفاق سے گھر پر نہ تھیں نہ ان سے ہی ملاقات ہو سکی تھی..... خیر اللہ نے چاہا تو اب یہ آنا جانا لگا رہے گا۔“ ضمیر خان کی ماں مسکرائی۔

”جی..... ضرور آپ آئیے گا ناں نمر کی شادی پر۔“ شبوآپی بھی معنی خیزی سے مسکرائیں۔ ”ہم بہت جلدی نمر کی شادی کر رہے ہیں۔ رشتہ تو اس کا بچپن سے ہی طے تھا۔ بس اب وہ لوگ بہت زور دے رہے ہیں۔“ ضمیر خان کی ماں کا چہرہ بگھ گیا۔ ”سینے آنٹی! ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر سوچے کہ اگر نمر اجتنی بیٹی آپ کی اپنی ہوتی تو آپ کا رد عمل ضمیر خان جیسے غنڈے کے رشتے پر کیا ہوتا؟“

ضمیر خان کی ماں پتھرائی ہوئی آنکھوں سے شبوآپی کی طرف دیکھنے لگی۔ شاید اسے نرم و نازک سی شبوآپی سے ایسی بے رحمی کی امید نہیں تھی۔

”کبھی بھی آپ اپنی معصوم بیٹی کا ہاتھ ایسے شرابی و کبابی کے ہاتھ میں نہ تھامتیں..... ہیں ناں.....؟“ شبوآپی نرمی سے مگر سر دلچے میں بولی۔

خیر..... جو ہوا..... مگر اب آپ اپنے بیٹے کو سمجھا دیں کہ نمر کا چچا چھوڑ دے..... ورنہ پہلے ہی اس کے باپ کی شہرت کے جواشتہاد یواروں پر لگے ہیں، ضمیر خان کو چھوڑی لگنے کے سبب ان میں چار چاند لگ جائیں گے۔ ہم لوگ شریف ضرور ہیں مگر اتنے کمزور ہرگز نہیں ہیں کہ اپنے گھروں کی چار دیواری کی حفاظت نہ کر سکیں۔“

”کیا مطلب.....؟“ ضمیر خان کی ماں ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولی۔

جوابا شبوآپی نے اس کا ہاتھ تھاما اور ایک طرف لے جا کر نمر کے ساتھ پیش آنے والا تمام واقعہ کہہ سنایا۔

”اچھا.....؟“ تمام بات سن کر ضمیر خان کی ماں حیران رہ گئی۔ ”مجھے تو ضمیر بتا رہا تھا کہ نمر خود اپنی مرضی سے اس کے ساتھ گھومتی رہی تھی اور ایسے ہی کسی وقت اپنا بیگ اور چادر اس کے پاس بھول گئی تھی۔“

”جھوٹ بول رہا ہے وہ۔“ شبوآپی نے دانت پیسے۔ ”آپ جا کر آج اس سے پوچھیں کہ سچ کیا ہے اور پلیز اسے کہیں کہ نمر کا خیال دل سے نکال دے۔ اس کی شادی ہونے والی ہے۔ میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔“ شبوآپی نے لجاجت سے کہا۔ نمر حیران ہو رہی تھی کہ شبوآپی آخر اس کی شادی کی بار بار کیوں بات کر رہی ہیں حالاں کہ اس کا تو رشتہ بھی ابھی تک طے نہیں ہوا تھا۔

”تم فکر مت کرو..... اور اس کی شادی کی تیاری کرو..... اگر اللہ نے چاہا تو ضمیر خان اسے بھائی بن کر رخصت کرے گا۔“ ضمیر خان کی ماں نے کہا اور پلٹ گئی اور شبوآپی ایک گہرا سانس لے کر رہ گئیں۔

☆☆☆

دل پھولوں کی بستی

خواتین کی مقبول مصنفہ **نگفت عبداللہ** کا انتہائی خوبصورت اور طویل ناول، **دل پھولوں کی بستی**، جس نے

مقبولیت کے نئے ریکارڈ قائم کیے، جلد کتاب گھر پر آ رہا ہے۔ اسے کتاب گھر پر **ناول** سیکشن میں دیکھا جاسکتا ہے۔

ادھر دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر ایک روز غمی لانگ ویک اینڈ پر حارث سے ملنے رحیم یار خان جا پہنچا اور اسے جھپکتے جھپکتے تمام ماجرا کہہ سنایا، جسے سن کر کافی دیر حارث کچھ بولنے کے قابل ہی نہ رہا اور پھر اس کے حلق سے ایک طویل تہتہ برآمد ہوا۔

”حیف ہے یا راجتھ پر..... اتنا بزدل نکلا..... خیر ابھی بھی شکر ہے کہ تجھے عقل آگئی ورنہ تیرے ہاتھوں تین زندگیاں خراب ہوتیں۔“

<http://kitaabghar.com>

”مجھے معاف کر دینا حارث!“ غمی چچ چچ شرمندہ تھا۔

”ارے چل ناں بس کر..... اتنی بے چارگی تیرے چہرے پر ویسے بھی سوٹ نہیں کرتی۔ خواہ مخواہ چندہ دینے کو دل چاہتا ہے۔“ حارث

نے شرارت سے اسے دیکھا۔

”گمراہ ہوا کیا.....؟“ غمی نے فکر مندی سے سوال کیا۔

”سچ بتاؤں.....؟“ حارث نے سنجیدگی سے سے دیکھا۔ ”میرے گھر والوں کو نشو سے بڑی بہن..... کیا نام ہے اس کا.....؟“ حارث

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

نے ذہن پر زور دیا۔

”نمرا.....؟“ غمی نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

”ہاں..... وہی..... وہ زیادہ پسند آتی تھی اور تمام گھر والے میرا رشتہ اس سے کرنے کے لیے مصر تھے مگر میں نے ہی تیرے کہنے پر اس کی

کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

چھوٹی بہن کے لیے اصرار کیا تھا۔“

”تو اب کیا ہوگا؟“ غمی پریشانی سے بولا۔ ”رشتہ تو طے ہو چکا ہے۔“

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

”ارے ابھی کہاں پوری طرح طے ہوا ہے، بس زبانی بات چیت ہوئی تھی۔ میرے گھر والوں نے ایک ستم چھوڑ دیا تھا کہ ہماری طرف

سے بات پکی ہے بس ذرا استخارہ بھی کروالیں۔“ حارث نے تفصیل سے بتایا۔

”تو.....؟“ غمی بے تابی سے بولا۔

کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

”تو کہہ دیں گے کہ استخارے میں نشو کی بجائے نمرا کا نام نکلا ہے کہ اس سے رشتہ مبارک رہے گا۔“

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

”اور اگر سچ سچ استخارے میں نمرا سے تیرا رشتہ مبارک نہ نکلا تو.....؟“ غمی کی پریشانی بدستور قائم تھی۔

”ضرور نکلے گا یا ر..... اللہ تعالیٰ بھی نیک نیت لوگوں کی مدد کرتا ہے۔“ حارث نے وثوق سے کہا۔

”اور تو.....؟“ انجانے خدشات غمی کی زبان پر آتے آتے رہ گئے۔

”ارے میرا کیا ہے..... نشو نہ سہی نمرا سہی۔ میرا کون سا نشو سے کوئی لوافیر تھا۔ مجھے تو ہر صورت گھر والوں کی مرضی سے شادی کرنا ہے۔

کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

گھر والوں کو ہی نمرا پسند ہے تو میں بھی اسی میں خوش ہوں۔ نشو کو اپنی بھابی کے ہی روپ میں دیکھنا چاہوں گا۔“ اس نے بڑے خلوص سے غمی کو گلے لگا

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

کے کہا اور نا صرف ایک بوجھ گویا غمی کے کندھوں سے اتر گیا بلکہ رگ و پے میں ان دیکھی سرت کی لہر دوڑ گئی۔

☆☆☆

جانے قسمت کو کیا منظور تھا کہ اگلے مراحل بڑی تیزی کے ساتھ طے ہوئے۔ میراب کی بار بار التجا پر فلکی اس سے ملنے لگی اور اس کی حالت دیکھ کر فلکی کا دل مٹھی میں آ گیا۔ میراب کی صحت گر گئی تھی اور اس کے لہجے میں وہ زعم اور فخر و غرور خاک ہو چکا تھا بلکہ اس کی جگہ عاجزی و انکساری نے لے لی تھی۔ اس کی وہ خوش لباسی بھی گویا ختم ہو چکی تھی اور اس کے گرد خوشبوؤں کا وہ حصار ٹوٹ چکا تھا۔ اگرچہ اس سے علیحدگی کے بعد فلکی نے اپنا بہت کچھ کھو دیا تھا مگر حاصل تو میراب کو کبھی کبھانہ ہوسکا تھا۔ دونوں اپنی اپنی جگہ تہی داماں رہ گئے تھے۔ دونوں کی روح داغ داغ اور جسم جیسے صدیوں کی تھکن سے چورتھا اور چہروں پر نا کام طویل سفر کی گرد جی ہوئی تھی اور اسی لمحے فلکی نے فیصلہ کر لیا زندگی کے باقی سفر میں پھر سے میراب کی شریک سفر بننے کا۔

اس مقصد کے لیے میراب نے اپنے ایک پرانے دوست سے مدد کی درخواست کی تھی کیوں کہ شرعی اعتبار سے اب فلکی براہ راست اس کی نہیں ہو سکتی تھی اور اس مقصد کے لیے اسے حلالہ کے مرحلہ سے گزرنا تھا اور میراب کو کسی ایسے با اعتماد شخص کی ضرورت تھی جو نکاح کے اگلے روز فلکی کو طلاق دے دے۔ تبھی ایک مخصوص مدت کے بعد فلکی دوبارہ اس کے نکاح میں آ سکتی تھی اور وہ دونوں نئے سرے سے اپنی زندگی کی شروعات کر سکتے تھے اور جی پر میراب کو پورا اعتماد تھا۔ اس نے فلکی کو کبھی منایا تھا مگر اصل مرحلہ فلکی کے گھر والوں کا اعتماد حاصل کرنے کا تھا اور اس کی بھی میراب کو اتنی فکر نہیں تھی کیوں کہ چند روز بعد امی اور پاپا انگلینڈ سے پاکستان آرہے تھے۔ وہ دونوں یقیناً فلکی کے گھر والوں کو منا ہی لیتے۔

☆☆☆

آج فلکی وغیرہ کے گھر میں بڑی رونق تھی، کیوں کہ بھابی چلہ نہا کے نو مولود کے ساتھ سسرال آئی تھیں، کامران بھائی کسی نو بیہتا دولہا کی طرح ادھر سے ادھر شرمائے لپٹے پھر رہے تھے۔ بھابی کا وجود ماما کے نور سے دھلا لگ رہا تھا۔ امی بار بار ان کی بچوں سمیت نظر اتار رہی تھیں اور قل شریف پڑھ پڑھ کر پھونک رہی تھیں۔

نہنے میاں کا نام معوذ رکھا گیا اور معاذ میاں بھی اپنے ننھے بھائی کے گرد طواف کر رہے تھے اور پھوپھوں کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانہ ہی نہ تھا۔ کبھی ایک بھتیجے کو گود میں لیتیں تو کبھی دوسرے کو۔ امی کے حکم پر شبو آپی نے بھابی کو گولے کناری والے کپڑے پہنا کر میک اپ کر دیا تھا اور وہ زیورات کا بھاری سیٹ پہنے سچ مچ نو بیہتا دلہن لگ رہی تھیں۔ امی نے بھابی کے گھر میں آنے سے پہلے مٹھائی کے نوکرے منگوا لیے تھے اور اب وہ پورے محلے میں مٹھائی تقسیم کر رہی تھیں اور محلے میں بھی جس جس نے بھابی کے گھر آنے کا سنا، مبارک باد کے لیے چلا آیا۔ آنے جانے والوں کی تواضع کے لیے نمر اور نشو نے کچن سنبھال رکھا تھا۔ چولہے پر دھری کشمیری چائے کی خوشبو پورے گھر میں پھیلی ہوئی تھی اور تبھی خالہ بھی احمر بھائی کے ہمراہ گھر چلی آئیں اور ان کے پیچھے ہاتھ میں کیک اور مٹھائی کا ڈبہ تھا۔ غمی بھی ساتھ تھا۔ نشو، خالہ سے ملنے کچن سے باہر نکلی تو غمی کو دیکھ کر ٹھٹک گئی..... اور اس کا چہرہ تاریک ہو گیا مگر آج غمی کی شوخ نگاہیں مسلسل اس کا حصار کیے ہوئے تھیں اور اس تبدیلی پر نشو گڑبڑا کر رہ گئی تھی۔

”آپ کب آئے غمی بھائی؟“ نمر اچکی۔

”بس دیکھ لو..... تم نے یاد کیا اور ہم چھٹی لے کر دوڑے چلے آئے۔“ اس نے کن اکھیوں سے نشو کی طرف دیکھ کر نشو سے کہا اور ہال کمرے کی طرف بڑھ گیا جہاں امی اور بھابی وغیرہ بیٹھی تھیں۔

ہیٹر کی وجہ سے کمرے میں خوشگوار حرارت پھیلی ہوئی تھی۔ سب سے سلام دعا کرنے کے بعد غفی دونوں ہتھیلیاں رگڑتا ہیٹر کے عین سامنے کچھی کرسی پر جا بیٹھا۔

”بھئی! مبارک باد کے لیے تو یہ مٹھائی ہی کافی تھی پھر یہ اتنا بڑا سا ایک کس لیے آخر؟“ فلکی نے ٹیبل پر دھرے ایک کے ڈبے کی طرف دیکھا۔

”بھئی آج اس گھر میں کسی کی سالگرہ ہے، اسی لیے تو اعفان صاحب یوں ایک سے لدھے پھندے تشریف لائے ہیں۔“ احمر نے کہا جسے غفی اپنا رازدار بنا چکا تھا، شرارت سے نشو کی طرف دیکھ کر بولا جو امی کے پاس تخت پر بیٹھی کشمیری چائے کے لیے پستہ کاٹ رہی تھی۔

”بھئی ہم کیوں یاد دلائیں جب اسی کو یاد نہیں کہ جس کی آج سالگرہ ہے۔“ غفی مسکرایا۔

”آں..... ہاں..... آج تو نشا کی برتھ ڈے ہے۔“ نمر اچک اٹھی۔

”لو بھلا بتاؤ.....“ امی ماتھے پر ہاتھ مار کے کہا۔ ”دیگر مصروفیات میں یہ بات تو کسی کو یاد ہی نہیں تھی۔ نشا! پڑی برتھ ڈے.....“ بھابی نے اسے خلوص سے مبارک باد دی۔

”بھئی یہ تو کوئی بات نہ ہوئی..... تم پہلے پنے ہاتھوں سے ایک کا ٹوٹب مبارک باد بھی وصول کرو۔“ شیوآپنی نے کہا۔

”جی بالکل..... ہمارا تو ووٹ بیگم کے ساتھ ہے۔“ شیوآپنی کے میاں نے جو آج اپنے بچوں کے ہمراہ شام سے ادھر آئے ہوئے تھے، مسکرا کر کہا۔

”چلو نشو! جا کر فری ہو آؤ..... اور پھر کیک کاٹ لو۔ کشمیری چائے کے ساتھ مزہ دے گا۔“ فلکی نے ہاتھ کھینچ کے نشو کو اٹھایا

”میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔“ وہ بے دلی سے بولی۔

”کوئی ٹھیک نہیں ہو..... چلو کپڑے وغیرہ بدل کے آؤ۔“ خالہ نے اسے لاڈ سے گھر کا تو وہ اٹھ گئی۔

”مگر سارا کام رہ جائے گا۔“ اس نے خواہ مخواہ کی تاویل پیش کی۔

”میں ہوں ناں.....“ نمر نے اس کے ہاتھ سے چھری، بادام پستے کی پلیٹ لے لی اور مجبوراً نشو کو سب کی بات ماننا پڑی۔

ذرا دیر بعد نشو تیار ہو کے کمرے میں داخل ہوئی تو غفی پلکیں جھپکاتا بھول گیا۔ سیاہی مائل بلیو ستاروں بھرے لباس میں وہ آکاش کا چاند لگ رہی تھی۔ بلیو گینگنوں والے جڑاؤ سیٹ میں اس کی رنگت دمک اٹھی تھی۔ ہلکا ہلکا برائے نام میک اپ اس پر خوب کھل رہا تھا۔

”خدا کا شکر ہے کہ میں نے بروقت فیصلہ کر لیا ورنہ اتنے حسین ساتھی کی رفاقت سے محروم رہ جاتا۔“ غفی نے سوچا۔

تالیوں کی گونج میں نشو نے کیک کاٹا۔

”بھئی تمہارا تھکھ کل تک کے لیے ادھار رہا۔“ کامران بھائی نے نشو کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

”نہیں بس اس کی کوئی ضرورت نہیں۔“ نشو ممتنا کی۔

”کمال ہے بھئی آج تو بڑی شرافت کا مظاہرہ ہو رہا ہے۔“ کامران بھائی کیک کا بڑا سا ٹکرا منہ میں رکھتے ہوئے مسکرائے۔

”حالاں کہ پچھلے سال تو یہ تھے کے لیے زبردستی جیسیں تک جھڑوا لیا کرتی تھی۔“ احمر بھائی شرارت سے ہنسے۔

”تو آج بھی اسے تحفہ ملے گا..... اور یہ تحفہ اس کی زندگی کا سب سے حسین تحفہ ہوگا۔“ خالہ جواتی دیر سے امی اور بھابی کے ساتھ سر جوڑے نہ جانے کون سی گٹ پٹ میں مصروف تھیں، اچانک ہی اپنی جگہ سے اٹھ کر نشو کے قریب چلی آئیں اور اپنے پرس سے ایک بلیہ نکالی اور پھر ڈبیہ کھول کر اس میں سے بے حد خوبصورت ڈائمنڈ رنگ نکال کر ہکا بکا کھڑی نشو کی انگلی میں پہنا دی اور جھک کر اس کی پیشانی چوم لی۔

”مبارک سلامت۔“ کے شور میں ہونق سی بنی نشو کی سمجھ میں تمام معاملہ آ گیا تو وہ بے اختیار شرمائی۔

”مگر وہ حارث.....!“ اچانک یاد آنے پر نشو کے منہ سے نکلا۔

”میں ہوں ناں.....“ نمرانے فرضی لالچ لکھڑے کیے اور سب کا مشترکہ قبضہ بلند ہوا۔ نشو نے شرمناکراپنا آنچل سر پر ڈال لیا اور غفی شرارت سے اس کے کچھ اور قریب ہو گیا اور نشو کی بوکھلاہٹ سے لطف اندوز ہونے لگا جب کہ احمر کمرے سے کھٹاکھٹ تصویریں بنارہا تھا۔

☆☆☆

چند ہی روز بعد نمران اور حارث کی منگنی بڑی دھوم دھام کے ساتھ ہو گئی۔ اس منگنی پر میراب کے مئی اور ڈیڈی بھی موجود تھے۔ میرو کی مئی نے اپنی پرانی دوستی کے واسطے دے کر فلکی کی امی کو ایک بار پھر فلکی کو میراب کی دلہن بنانے پر رضامند کر لیا تھا۔ میراب نے بھی کامران بھائی کو منت سماجت کے بعد منا لیا تھا۔ واقعی اب میراب وہ پرانا میراب نہیں رہا تھا۔ بھابی اور نمران، میراب کا اس گھر میں سب سے براوٹ تھے۔ یہی وجہ تھی کہ قسمت کا پلڑا ایک بار پھر میراب کے حق میں جھک گیا تھا۔

یوں ایک شام نہایت سادگی کے ساتھ فلکی کا نکاح میراب کے دوست جمشید سے کر دیا گیا۔ طے تھا کہ اگلی صبح جمشید سب کی موجودگی میں فلکی کو طلاق دے دے گا۔ ایک شب کی رفاقت کے لیے جی نے ایک فانیو اشار ہوٹل میں کمرہ کرایا تھا۔ دستور کے مطابق نصف شب کے قریب بھابی اور شبو آپی، فلکی کو دلہن کا روپ دے کر اس کے جلہ عروسی میں چھوڑ گئی تھیں۔ سادی سے آسمانی لباس میں وہ ہلکا سا چاندی کا سیٹ پہنے فلکی کو نا لگے سادہ سے دوپٹے کا رسمی گھونٹ نکالے اپنے ”ایک رات کے دولہا کی منتظر تھی اور تھجی دروازے پر بھاری قدموں کی آواز ابھری اور فلکی کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

وہ جو بھی تھا اسے کسی بات کی کوئی غلت نہیں تھی۔ تھجی واش روم سے نائٹ گاؤن پہننے کے بعد کافی دیر تک دانت برش کر کے کمرے میں واپس آیا تھا پھر ایک کونے میں پڑے صوفے پر بیٹھ کر اس نے ریوٹ اٹھا کے ٹی وی آن کر لیا اور بی بی سی سے تازہ ترین نیوز سن کر جانے کیا خیال آیا کہ انٹرکام پر کافی کا آرڈر دے بیٹھا اور اس کے بعد وہ مرے مرے قدموں سے فلکی کی طرف بڑھا..... اور چند لمحوں بعد کھٹکھار کر بولا۔

”اس طرح تو آپ بیٹھے بیٹھے تھک جائیں گی۔ پلیز! یزی ہو جائیں۔“ اور اس آواز پر فلکی نے تڑپ کر سر اٹھایا۔ یہ آواز تو لاکھوں میں پہچان سکتی تھی۔ یہ جمشید کی آواز تھی۔ فلکی نے اپنا گھونٹ اتار پھینکا اور جمشید بھی اسے دیکھ کر گویا اپنے حواسوں میں نہیں رہا تھا۔

اگرچہ برسوں گزر چکے تھے مگر گویا کل ہی کی بات تھی کہ جمشید وغیرہ فلکی کے پڑوس میں آ کر نئے آباد ہوئے تھے۔ پہلے وہ محلے میں آباد ہوا

طرح نہ جانے کب دونوں کی آنکھ لگ گئی۔

صبح فلکی کی آنکھ دروازے پر ہونے والی دستک کی آواز سے کھلی۔ اس نے جمشید کو جگایا اور اٹھ کر دروازہ کھولا تو سامنے بھابی اور شبو آپی منتظر تھیں۔

”چلو فلکی.....! جلدی سے تیار ہو کر نیچے لاؤنج میں آ جاؤ۔ ہم سب وہیں تم دونوں کا انتظار کر رہے ہیں۔“ بھابی نے سنجیدگی سے کہا۔ ”اور ہاں..... تمام کاغذات تیار ہیں..... صرف تم دونوں کے دستخط ہونا باقی ہیں۔ میرا اب بھی نیچے منتظر ہے۔“ جواباً فلکی صرف سر ہلا کر رہ گئی۔

کچھ دیر بعد دونوں نہادھو کے تیار ہونے کے بعد نیچے ہوٹل کے لاؤنج میں پہنچے تو وہاں فلکی کے تمام گھر والوں کے علاوہ میرا اب بھی می اور پاپا کے ساتھ ان کا منتظر تھا۔ میرا اب کی آنکھوں سے صاف ظاہر تھا کہ وہ رات بھر سو نہیں سکا اور خاصا ڈسٹرب رہا تھا۔ فلکی نے سب سے سلام دعا کے بعد جمشید کے ساتھ والی ایک نشست سنبھال لی۔

”میرا خیال ہے کاغذات پر دستخط کروالیے جائیں۔“ میرا اب کو خاصی جلدی تھی۔

”کون سے کاغذات؟“ فلکی نے انجان بن کے پوچھا۔

”طلاق کے کاغذات بھی اور کون سے کاغذات.....! کیا تم بھول گئیں؟“ میرا اب نے جھنجھلا کر جواب دیا۔ جواباً فلکی معنی خیز انداز میں مسکرائی اور کامران بھائی کی طرف دیکھا۔

”میں کوئی طلاق نہیں لے رہی کامران بھائی! اپنے شوہر سے۔ کوئی پاگل لڑکی ہی ہوگی جو ایک فرشتے کو چھوڑ کر کسی معمولی سے انسان کو اپنائے گی۔ مجھے تو اس رشتے کی خوبصورتی کا احساس ہی اب ہوا ہے۔“ اس نے محبت پاش نظروں سے جمشید کی طرف دیکھا، جب کہ باقی سب حیران پریشان ہو کر کبھی فلکی اور کبھی جمشید و میرا اب کو دیکھ رہے تھے۔

”یہ زیادتی ہے جی.....!“ میرا اب نے براہ راست جمشید کو الزام دیا۔ ”جو پہلے سے طے ہو چکا تھا ہمارے درمیان..... اب وہی ہونا چاہیے۔“

جمشید نے ابھی ہوئی نظروں سے فلکی کی طرف دیکھا۔ وہ عجیب کشمکش کا شکار تھا۔ ایک طرف دوستی تھی تو دوسری طرف محبت۔

”اگر جمشید مجھے طلاق دیں گے تو میں اسی وقت خودکشی کر لوں گی۔“ فلکی نے مضبوط لہجے میں کہا۔ چند لمحے سناٹا چھایا رہا اور تب میرا اب نے ہی سکوت توڑا۔

”ٹھیک کہتی ہو فلکی.....! زیادتی شاید میری ہی ہے اور آزمائے ہوئے کو دوبارہ آزمانا نادانی ہے، سو مجھے تمہارے فیصلے سے اتفاق ہے۔“ اور پھر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور جمشید کی طرف بڑھا۔ ”میری دعا ہے کہ تم دونوں ہمیشہ اسی طرح محبت و اتفاق سے اکٹھے رہو۔ زرد خانیں کبھی تمہارے گھر کا رخ کریں تو انہیں میرا راستہ دکھا دینا.....! اوکے..... میں چلتا ہوں۔“ میرا اب نے می اور پاپا کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتے ہوئے آگے قدم بڑھا دیے۔

”میرو.....! سنو“ جمشید اس کے پیچھے لپکنے لگا تو نہ جانے کیسے فلکی کے اندر ہمت آگئی کہ اس نے آگے بڑھ کر جمشید کو روک لیا اور اس کا ہاتھ تھام کے کھڑی ہوگئی اور جمشید بے بسی سے مسکرا دیا۔

فلکی اسے دنیا میں سب سے بڑھ کر عزیز تھی۔ اسی کے لیے تو اس نے اتنا طویل عرصہ بن باس کا ٹاٹھا اور اب جب کہ قدرت نے اسے خود جمشید کی جھولی میں ڈالا تھا تو وہ کیوں کفرانِ نعمت کا مرتکب ہوا۔

سب لوگوں پر سکتہ طاری ہو گیا۔ میراب کی ممی، فلکی کی پیشانی چوم کر باہر جا چکی تھیں۔

تب بھابی آگے بڑھیں اور فلکی کو گلے لگا کر نئے بندھن کی مبارک باد دی۔ کامران بھائی بھی بھابی کی دیکھا دیکھی آگے بڑھے اور جمشید سے بغلیں ہو گئے اور امی نے بھی آگے بڑھ کر دونوں کو دعائیں دی۔ شبو آپا اور ان کے شوہر بھی آگے بڑھ آئے۔ اس وقت سب کے چہروں پر سچی خوشیوں کا رنگ چمک رہا تھا اور تبھی خالد، احمر بھائی اور عفی کے ہمراہ قدرے افسردہ سی ہال میں داخل ہوئیں مگر وہاں کا بدلا ہوا ماحول دیکھ کر ان کے چہرے پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ سب کو آگے بڑھ چڑھ کر مبارک باد دیے لگیں۔ نشو ابنت عفی کو دیکھ کر شرمائی اور نمرائے کے پیچھے پھپھنے کی کوشش کرنے لگی۔

”اب کیوں چھپ رہی ہو میرے پیچھے.....؟ مگنی کے وقت تو بڑا چمک رہی تھیں۔“ نمرائے اس کی چٹکی بھری۔

”فکر نہ کرو..... تمہارا بندوبست کرنے والے بھی آگئے ہیں اور کل شام تک تمہاری بھی باری آجائے گی شرمائے کی..... کیوں کہ حارث کے گھر والے شادی کے لیے تاریخ مقرر کرنے آرہے ہیں۔“ عفی نے سرگوشی میں نمرائے کو چھیڑا تو وہ ہلش ہوگئی۔

☆☆☆

شام کے دھندلکے میں جمیل کنارے بیٹھا میراب بے حد شکستہ دکھائی دے رہا تھا۔ وہ دکھ کے ایسے سمندر میں گھر چکا تھا جہاں سے کوئی بھی کشتی خوشیوں کے ساحل کی طرف نہیں جاتی تھی۔

جب کشتی ثابت و سالم تھی

ساحل کی تمنا کس کو تھی؟

ساحل کی تمنا کون کرے.....

جمیل کے کنارے بنے ریسٹورنٹ سے ڈیک کی آواز ابھر رہی تھی..... اور میراب آنکھوں میں آنسو لیے ان دھندلکوں کی طرف دیکھ جا رہا تھا، جہاں اس کے لیے تنہائیوں کے سوا کچھ بھی نہیں تھا.....!!

ختم شد

ادارہ علم و عرفان پبلشرز کی دیگر کتب

34- اُردو بازار لاہور (فون 042-7352332-7232336)

کتب کی خریداری کے وقت کتاب گھر کا حوالہ دیجئے اور خصوصی ڈسکاؤنٹ حاصل کیجئے۔

اسلامی کتب

2200/-	علامہ عماد الدین ابن کثیر	تفسیر ابن کثیر (اعلیٰ)	1
1800/-	علامہ عماد الدین ابن کثیر	تفسیر ابن کثیر	2
600/-	محمد شریف بقاء	قرآنی موضوعات	3
600/-	محمد شریف بقاء	Quranic Topics (Vol:1)	4
600/-	محمد شریف بقاء	Quranic Topics (Vol:2)	5
70/-	محمد شریف بقاء	قرآن کی 20 سورتیں	6
70/-	محمد شریف بقاء	قرآن کی 2 عظیم سورتیں	7
300/-	مولانا الیاس قادری	قرآن اور ہماری زندگی	8
250/-	مورس بوکائے/ مترجم: مسعود مفتی	قرآن، بائبل اور سائنس	9
160/-	ڈاکٹر برہان احمد فاروقی	قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل	10
150/-	ڈاکٹر برہان احمد فاروقی	منہاج القرآن	11
80/-	ڈاکٹر افتخار احمد فاروقی	نباتات قرآن	12
100/-	مترجم: مولانا فتح محمد جالندھری	ہدایات قرآنی	13
300/-	پروفیسر محمد جاوید	کعبہ پر پڑی جو پہلی نظر	14
150/-	مترجم: پروفیسر محمد جاوید اقبال	قرآن حکیم اردو منظومات کے آئینے میں	15
60/-	خولیا نیس اقبال	دینا (قرآن میں مذکور انبیاء کرام کی دعائیں)	16
120/-	محمد شریف بقاء	قرآنی دعاؤں کا انسائیکلو پیڈیا	17
120/-	محمد شریف بقاء	قرآنی معجزات کا انسائیکلو پیڈیا	18
400/-	مسعود مفتی، منصور احمد بٹ	سیرت النبیؐ اعلان نبوت سے پہلے	19
1660/-	ترجمہ و تشریح: مولانا ظہور الباری اعظمی	بخاری شریف	20
500/-	مترجم: ابو یحییٰ امام خان نوشہروی	حیات محمد ﷺ	21
850/-	شبلی نعمانی	سیرت النبیؐ	22

23	معجزات محمد کا مکمل انسائیکلو پیڈیا	مسعود مفتی	600/-
24	انوار اسماء الحسنی	قیصرہ حیات	500/-
25	سیرت ہادی برحق	گوہر ملیانی	400/-
26	حضرت محمد ﷺ بطور ماہر معاشیات	حکیم ایم۔ اے قاسم	300/-
27	طیب اعظم ﷺ	حکیم ایم۔ اے قاسم	300/-
28	سیرت سید البشر ﷺ	چوہدری غلام رسول چیمہ	500/-
29	مذہب عالم کا تقابلی مطالعہ	چوہدری غلام رسول چیمہ	550/-
30	اسلام کا عمرانی نظام	چوہدری غلام رسول چیمہ	300/-
31	اسلام کا سیاسی نظام	چوہدری غلام رسول چیمہ	300/-
32	اسلامی کا معاشی نظام	چوہدری غلام رسول چیمہ	300/-
33	اسلامی ریاست کے خدو خال	انور صدیقی	150/-
34	عشق مصطفیٰ ﷺ	کرٹل سید سلیمان سرور گیلانی	100/-
35	آخرت کا خزانہ	کرٹل سید سلیمان سرور گیلانی	150/-
36	طب نبویؐ اور اکیسویں صدی (جلد اول)	سیف اللہ سیکو	250/-
37	طب نبویؐ اور اکیسویں صدی (جلد دوم)	سیف اللہ سیکو	250/-
38	احادیث میں مذکورہ نباتات، ادویہ اور غذائیں	ڈاکٹر اقتدار احمد فاروقی	100/-
39	منتخب احادیث	مولانا محمد یوسف کاندھلوی	300/-
40	شمال ترمذی	حضرت مولانا زکریا صاحب	250/-
41	درود لامحدود (حضور ﷺ کی شان میں پیش کئے گئے درود و سلام کا انسائیکلو پیڈیا)	خواجه محمد انیس بھیروی	300/-
42	لاشریک (حمدیہ کلام)	مظفر وارثی	130/-
43	صاحب التاج (نیانعتیہ مجموعہ)	مظفر وارثی	150/-
44	سیدنا ﷺ (نیانعتیہ مجموعہ)	سلیم گیلانی	130/-
45	بیٹھا بیٹھا ہے میرے محمد ﷺ کا نام (نعتیہ انتخاب)	عمران چوہدری	150/-
46	صل علی کہتے کہتے	عبدالرزاق	100/-
47	تاجدار حرم ﷺ (نعتیہ مجموعہ)	فرحت عباس شاہ	120/-
48	میرے آقا آئے جموں	فرحان قادری	150/-
49	بزرگند کے سائے تلے	اولیس رضا قادری	150/-
50	بزرگند کے سائے تلے (پہرہ یک)	اولیس رضا قادری	100/-
51	تخلیق کائنات	محمد اسلم لودھی	200/-

52	کارگل سے واپسی کیوں	محمد اسلم لودھی	120/-
53	رؤف بغیر صدیق اکبرؒ	ساجد الرحمن اکمل	100/-
54	حضرت ابو بکر صدیق اکبرؓ	محمد حسین ہیکل	250/-
55	حضرت عمر فاروق اعظمؓ	محمد حسین ہیکل	330/-
56	فقد عمرؓ	مترجم: ابو یحییٰ امام خان نوشہروی	300/-
57	حضرت عمرؓ کے سیاسی نظریے	ابو یحییٰ امام خان نوشہروی	150/-
58	زندگی کے نمونے	ابو یحییٰ امام خان نوشہروی	75/-
59	مکالمات نبوی ﷺ	ابو یحییٰ امام خان نوشہروی	70/-
60	الفاروق (حضرت عمر فاروقؓ کی سوانح حیات)	علامہ شبلی نعمانی	200/-
61	تفہیم اسلام	سلیم گیلانی	150/-
62	حضرت بلال رضی اللہ عنہ	سلیم گیلانی	300/-
63	سیرت عائشہؓ	سید سیدمان ندوی	200/-
64	خطبات ذاکر نائیک		300/-
65	غازی علم الدین شہید	خولہ متین	150/-
66	عشرہ مبشرہ	عبدالرشید عراقی	400/-
67	زیر دستوں کی آقائی	مولانا عبدالرحمن	100/-
68	صلاح الدین ایوبی	ہیر الدلیم	350/-
69	سکندر اعظم	مقصود شیخ	250/-
70	چنگیز خان	مقصود شیخ	180/-
71	ہٹلر	مقصود شیخ	250/-
72	دہشت زدہ گرد (ناول)	علی نواز شاہ	120/-
73	نمیل (ناول)	علی نواز شاہ	120/-
74	کالک (ناول)	(علی نواز شاہ)	150/-
75	مجاہد اسلام شیخ سلطان	شیم علی خان	120/-
76	احمد شاہ ابدالی	قیصر علی آغا	80/-
77	محسن پاکستان ناکردہ گناہوں کا قیدی	فضل حسین اعوان	250/-
78	محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان	عمران چوہدری	300/-
79	ڈاکٹر عبدالقدیر خان نیٹ ورک کا عروج و زوال	گورڈن کوریہ مترجم: قاضی اختر جونگڑھی	150/-
80	عزم کے کوہ گراں	فضل حسین اعوان	250/-
81	نپولین بونا پارٹ	روبینہ ناز	150/-

300/-	امیر علی خان	اکبر بادشاہ اور بیرمل کی داستانیں	82
300	امیر علی خان	اکبر بادشاہ کے 9 رتن	83
200/-	مسعود مفتی	اکبر نامہ	84
200/-	ڈاکٹر محمد اقبال بھٹہ	پنجاب کے آثار قدیمہ	85
2500/-	ڈاکٹر محمد اقبال بھٹہ	لاہور اور خطاطی (5 کٹر آرٹ پیپر)	86
300/-	سید انصاری علی کرمانی	جموئے نبیوں کا انجام	87
150/-	عمران چوہدری	20 صدی کی 100 مسلم شخصیات	88
250/-	ابوعلی عبدالوکیل	اسلام، سائنس اور مسلمان	89
100/-	ابو عبدالوکیل	داستان سرائے کا مسافر (اشفاق احمد)	90
250/-	حمیر ہاشمی/اسلم انصاری	100 عہد ساز شخصیات	91
60/-	ڈاکٹر برہان احمد فاروقی	حضرت محمد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ توحید	92
120/-	اختر حمازی	مولانا مودودی سے مولانا نعمانی کے اختلافات کا علمی جائزہ	93
100/-	عبدالرشید عراقی	برصغیر پاک و ہند میں علماء ماجدیہ کے علمی کارنامے	94
220/-	موسیٰ خان جلال زئی	مولانا رومی کا نظریہ عشق	95
100/-	موسیٰ خان جلال زئی	فلسفہ روح انسانی	96
400/-	ڈاکٹر نایک (مترجم سید امتیاز احمد)	خطبات ڈاکٹر ڈاکٹر نایک	97
150/-	حافظ محمد نجفی	نجومیوں کی کارستانیوں	98
280/-	حضرت علی ججویری رحمہ اللہ تعالیٰ: مولانا میاں محمد رمضان علی	کشف المحجوب	99
36/-	(حکیم سید امین الدین دہلوی)	تذکرہ حضرت علی ججویری رحمۃ اللہ علیہ	100
150/-	خالد پرویز ملک	پنجاب کے عظیم صوفی شعراء	101
200/-	خالد پرویز ملک	پنجاب اور اہل پنجاب	102
180/-	خالد پرویز ملک	ذکر وارث شاہ	103
100/-	خالد پرویز ملک	حیات و تعلیمات اور کلام بابو محمد علی شاہ	104
100/-	خالد پرویز ملک	حیات و تعلیمات اور کلام فرید محمد علی شاہ	105
100/-	خالد پرویز ملک	حیات و تعلیمات اور کلام وارث شاہ محمد علی شاہ	106
100/-	خالد پرویز ملک	حیات و تعلیمات اور کلام بیسے شاہ محمد علی شاہ	107
100/-	خالد پرویز ملک	حیات و تعلیمات اور کلام محمد بخش محمد علی شاہ	108
80/-	علامہ محمد جاوید	حقیقت تصوف اور حضرت بوعلی قلندر	109
120/-	پروفیسر اویس لطیف عبداللہ	روحانیت کے تاجدار	110
120/-	احمد مصطفیٰ صدیقی	شان اولیاء	111

112	اڑھائی قلندر	حکیم لیاقت علی سہروردی	200/-
113	درویش	حکیم لیاقت علی سہروردی	160/-
114	الہدٰی نیک پیمیاں	عبدالرب درویش	160/-
115	حسین، منصور علاج حیات و کلام	شیماء مجید	280/-
116	حضرت رابعہ بصریؒ	مسعود مفتی	120/-
117	آثار زندگی	قلب حسین وڑائچ	150/-
118	ریزہ فکر	قلب حسین وڑائچ	200/-
119	افکار صداقت	قلب حسین وڑائچ	200/-
120	زندہ لمحوں کا احساس	قلب حسین وڑائچ	250/-
121	انسان اور حقیقت	قلب حسین وڑائچ	350/-
122	ضمیر شب کا سفر	قلب حسین وڑائچ	300/-
123	نوید صبح	میاں عبدالحمید	300/-
124	ترتیب اولاد کا اسلامی نظام	السید عبداللہ تاحی علوان	250/-
125	تحدہ خواتین (اعلیٰ)	مولانا محمد عاشق الہی بلند شہری	250/-
126	نایاب ذخیرہ		120/-
127	تاریخ اسلام (جلد مکمل سیٹ)	شاہ معین الدین ندویؒ	550/-
128	تاریخ اسلام (جلد مکمل سیٹ)	مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی	600/-
129	بہشتی زیور (مدل)	مولانا اشرف علی تھانوی	380/-
130	تاریخ اندلس	حامد مختار مدح پوری	300/-
131	تاریخ ایران قدیم	محمد حیات خان	150/-
132	تاریخ ملت اسلامیہ	محمد حیات خان	500/-
133	فضائل اعمال	مولانا محمد زکریاؒ	250/-
134	غنیۃ الطالبین (حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ)	ترجمہ: علامہ ظہیر الدین بدایونیؒ	280/-
135	تعبیر الرویا	علامہ ابن سیریں	250/-
136	لیک	ممتاز مفتی	180/-
137	حج و عمرہ پاکٹ	استیاز طلوی	45/-
138	سرزمین آسمان میں چند روز	جمیل احمد عدیل (سفر نامہ عمرہ)	126/-
139	رواداری اور مغرب؟	ڈاکٹر محمد صدیق شاہ بخاری	200/-
140	رواداری اور پاکستان	ڈاکٹر محمد صدیق شاہ بخاری	200/-
141	قوم یہود اور ہم قرآن کی روشنی میں	مولانا حضرت عبدالکریم پاریکھ	200/-

142	پاکستان کی اسلامی اساس اور جدید تقاضے	کے ایم۔ اعظم	400/-
143	قوی ہیروز (حصہ اول)	محمد اسلم لودھی	250/-
144	قوی ہیروز (حصہ دوم)	محمد اسلم لودھی	250/-
145	افواج پاکستان	محمد اسلم لودھی	300/-
146	رشتے محبتوں کے	محمد اسلم لودھی	200/-
147	وطن کے پاسبان	محمد اسلم لودھی	150/-
148	محترمہ فاطمہ جناح حیات و افکار	پروفیسر ڈاکٹر ایم اے صوفی	200/-
149	محترمہ فاطمہ جناح حیات و افکار (کارڈ)	پروفیسر ڈاکٹر ایم اے صوفی	15/-
150	بلوچ تاریخ کے آئینے میں	مظہر علی لاشاری	150/-
151	پارلیمنٹ میں قادیانی شکست	مولانا اللہ وسایا	300/-
152	نگاہ عشق دل زندہ	مہر نگاری مصطفوی	100/-
153	نزول مسیح آ کر کیوں؟	نور محمد قریشی ایڈووکیٹ	60/-
154	تعلیم الاسلام	مولانا مفتی کفایت اللہ	60/-
155	کامیابی کیا ہے؟	مولانا محمد عمر پانپوری	24/-
156	مجموعہ علم و حکمت	سید مسعود رحمن شاہ	100/-
157	تحفۃ العروس	علامہ محمود مہدی	250/-
158	تحفہ برائے دلہن	مولانا حافظ محمد اسلم زاہد	250/-
159	A Pound of Flesh	S-Hamgah Saleem Gilan	80/-
160	اسائے الحسنى واسائے نبی (بڑی)	فورکلر آرٹ پیپر	180/-
161	اسائے النبی ﷺ	فورکلر آرٹ پیپر	60/-
162	اسائے الحسنى واسائے نبی (اکٹھی)	فورکلر آرٹ پیپر	60/-
163	کامیاب زندگی کا تصور	پروفیسر انور دل	100/-
164	گھریلو آلودہ نضوں کا انسائیکلو پیڈیا	مرتبہ: سید امتیاز علی تاج	150/-
165	اسلامی حکومت کا فلاسفی تصور	مولانا سعید الرحمن علوی	120/-
166	فیضِ غوث (مجموعہ افادات مولانا ہزاروی)	مولانا غلام غوث ہزاروی	80/-
167	انوارِ خطابت	پروفیسر مولانا ہارون الرشید	150/-
168	سفر حج و عمرہ مع اہم فتاویٰ	حافظ مظفر محسن	150/-
169	مسلمان خواتین کے میں سبق	مولانا محمد عاشق الہی صاحب	24/-
160	تحفۃ الزکاح	حضرت مولانا ابراہیم صاحب پالن پوری	120/-
161	آدابِ مباشرت	ڈاکٹر آفتاب احمد شاہ	20/-

162	سجدہ سہو کے مسائل	مفتی حبیب الرحمن مراد آبادی	20/-
163	خطبات بمبئی	مولانا محمد منظور نعمانی	100/-
164	روشنی	مولانا محمد متین ہاشمی	250/-
165	مشاہیر اسلام کی فصیحیں (وصایا)	افتخار فریدی	70/-
166	اسلام میں غلامی کی حقیقت	مولانا سعید احمد اکبر آبادی	200/-
167	1857ء پہلی جنگ آزادی	میاں محمد شفیع	250/-
168	ہزارہ گزٹینئر	ڈی۔ ایچ۔ واٹسن / پروفیسر افتخار احمد	250/-
169	تاریخ ہزارہ	ڈاکٹر شیر بہادر خان پٹی	250/-
170	دولت غزنویہ	مولانا محمود الرحمن ندوی	250/-
171	نبی کریم ﷺ کی مبارک سنتیں	مولانا ابوالمظفر ظفر احمد قادری	120/-
172	بہار شباب	حکیم غلام محمود خاں	120/-
173	قرب الہی (عبادت کی روشنی میں)	مسز جوہر	150/-
174	وادی کاغان	منصف خان سحاب	200/-
175	مشرق کا سونہرا لینڈ..... وادی سوات	محمد پرویش شاہین	80/-
176	کافرستان کے رسم و رواج	محمد پرویش شاہین	80/-
177	سوات..... کوہستان	محمد پرویش شاہین	80/-
178	دریہ..... کوہستان	محمد پرویش شاہین	100/-
179	وادی چترال	محمد پرویش شاہین	100/-
180	ہماری حقیقت (سائنس انسان اور کائنات)	محمد آفتاب	200/-
181	شیخ اکبر - محمدی الدین ابن عربی	محمد شفیع بلوچ	300/-
182	پرفیشنل بیوٹیشن بننے	آسید آرزو	130/-
183	فضائل درود شریف	مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ	120/-
184	آداب الدعا	مولانا محمد اجمل خان	150/-
185	اسلامی حکومت کا فلاحی تصور	مولانا سعید الرحمن علوی	150/-
186	فضائل رمضان	مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ	80/-
187	آئینہ سلوک (یعنی شرح سیف الملوک)	میاں محمد بخش / محمد خلیل غائب	350/-
188	مجموعہ مسائل، علم شریعت و علم تصوف	خوشی محمد عاصی	500/-
189	قلم خدا کے لئے (ایک بھیا تک سازش)	رضوان یوسف	150/-

مولانا محمد حنیف ندوی رحمہ اللہ

☆ لسان القرآن (3 جلد)	480/-	☆ عقلیات ابن تیمیہ	200/-
☆ مطالعہ قرآن	180/-	☆ چہرہ نبوت قرآن کے آئینے میں	150/-
☆ مطالعہ حدیث	200/-	☆ مسلمانوں کے عقائد و افکار (مکمل سیٹ)	400/-
☆ افکار ابن خلدون	200/-	☆ تعلیمات غزالی	300/-
☆ افکار غزالی	250/-	☆ سرگزشت غزالی	100/-
☆ مسئلہ اجتہاد	200/-	☆ تہافتہ الفلاسفہ	140/-

حکیم محمد طارق محمود چغتائی کی شہرہ آفاق کتب

☆ 1947ء کے مظالم خود مظلوموں کی زبانی	250/-	☆ مشاہیر کی آپ بیتی	150/-
☆ جذبات اور خیالات کے روگ نبوی ﷺ	120/-	☆ پرسکون زندگی کی تلاش نبوی ﷺ طریقے اور طریقے اور جدید سائنس	120/-
☆ پرکشش زندگی گزارنے کے گر علاج نبویؐ	120/-	☆ نوجوانوں کی جنسی الجھنیں علاج نبویؐ اور جدید سائنس	150/-
☆ قدرتی ٹائیک اور علاج نبویؐ	120/-	☆ معالجات نبویؐ اور جدید سائنس (جلد اول تا چہارم)	800/-
☆ کینسر کو شکست	140/-	☆ جادو جنات، اسلام اور جدید سائنس	200/-
☆ آسان نیکیوں کے حیرت انگیز فضائل (انگلش)	200/-	☆ پیمانائش کا سائنسی اور روحانی علاج	80/-
☆ شوگر کا سائنس اور روحانی علاج	120/-	☆ گفتہ باتیں بکھرے موتی، انمول بیادیں	120/-
☆ مہلک عادات نبویؐ طریقے اور جدید سائنس	90/-	☆ صحت مند عادات نبویؐ طریقے اور جدید سائنس	90/-
☆ مہلک غذائیں نبویؐ غذائیں اور جدید سائنس	90/-	☆ مہلک دوائیں نبویؐ دوائیں اور جدید سائنس	80/-
☆ ہائی بلڈ پریشر کا سائنسی اور روحانی علاج		☆ جنید حبیب گھوکار سے پرہیز گاری تک	70/-
☆ نوجوانوں کے جنسی مسائل علاج نبویؐ اور جدید سائنس	150/-	☆ از دواچی مسائل علاج نبویؐ اور جدید سائنس	150/-
☆ شاداب زندگی کے راز		☆ بدترین خصلتوں کا بہترین علاج	120/-
☆ امراض معدہ علاج نبویؐ اور جدید سائنس	200/-	☆ شوگر کا کامیاب علاج	80/-
☆ روحانی پاکیزگی	200/-	☆ کولیسٹرول کا سائنسی اور روحانی علاج	120/-
☆ گھریلو الجھنوں کا روحانی علاج	120/-	☆ موٹاپے سے نجات علاج نبویؐ اور جدید سائنس	120/-
☆ بدترین خصلتوں کا بہترین علاج	120/-	☆ کمالات اولیاء	120/-
☆ روحانی عامل کی خفیہ ڈائری	150/-	☆ خواتین کے حسن و جمال کے قیمتی راز	200/-
☆ آداب معرفت	120/-	☆ شاداب زندگی کے راز	120/-
☆ ہارٹ ایٹک سے بچاؤ کی سائنسی اور روحانی ترکیب	120/-		

محرمین خالد کی ایمان افروز کتب

☆ احمدی دوستو تمہیں اسلام بلاتا ہے۔	250/-	☆ قادیانیت کے خلاف عدالتی فیصلے (انگلش)	
☆ مراۃ سیر محمد ﷺ (نعتیہ انتخاب)	180/-	☆ شہیدان ناموس رسالت ﷺ	250/-
☆ معرفت اسم محمد ﷺ	150/-	☆ جب حضور ﷺ آئے	180/-
☆ ثبوت حاضر ہیں؟	400/-	☆ قادیانیت کے خلاف عدالتی فیصلے	200/-
☆ اسلام کا سفیر (قائد اعظم محمد علی جناح رحمہ اللہ)	250/-	☆ قادیانیت سے اسلام تک	200/-
☆ علامہ اقبال رحمہ اللہ قادیانیت	400/-	☆ مولانا وحید الدین خاں۔ اسلام دشمن شخصیت	200/-
☆ غازی عارجمند (رحمہ اللہ)	200/-	☆ قادیانیت اُس بازار میں	180/-

مسعود مفتی کی بصیرت افروز کتب

☆ خواتین کا مکمل اسلامی انسائیکلو پیڈیا	350/-	☆ غزوۃ الحبیب ﷺ	500/-
☆ صلح حدیبیہ	100/-	☆ غزوہ خندق	100/-
☆ غزوہ موتہ	100/-	☆ غزوہ أحد	100/-
☆ جنگ بدر	100/-	☆ فتح مکہ	150/-
☆ ملحقہ پیش کش کیوں کی اسلام دشمنی	150/-	☆ سورہ توبہ سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	60/-
☆ سورہ بقرہ سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	60/-	☆ سورہ آل عمران سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	60/-
☆ سورہ فاتحہ سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	60/-	☆ ہمارے بچوں کے پیارے نام	150/-
☆ سیرت نبی کا انسائیکلو پیڈیا (سوال جواب)	300/-	☆ زندہ اقوال	250/-
☆ برجوں پر مکمل کتاب	120/-	☆ دنیا کے تمام ممالک کا انسائیکلو پیڈیا	500/-
☆ اسلامی ناموں کی دشمنی	240/-	☆ بیوی محبت کیوں کرے!	60/-
☆ صلی علی کتبہ کہتے (نعتیہ مجموعہ)	75/-	☆ تاریخ کی کرپٹ ترین عورتیں	150/-
☆ اسلامی ناموں کا گلدستہ	150/-	☆ برجوں کا مکمل انسائیکلو پیڈیا	250/-
☆ اسلامی ناموں کا انسائیکلو پیڈیا	100/-		

روحانی کتب سید علی حسین شاہ

☆ بچوں اور بڑوں کے برکت والے نام	240/-	☆ مفیض العملیات و تعویذات	250/-
☆ جادو کا آسان اور شرطیہ علاج (حصہ اول)	200/-	☆ جادو کا آسان اور شرطیہ علاج (حصہ دوم)	200/-
☆ سورہ الکافرون سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	60/-	☆ سورہ یسین سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	75/-
☆ شرائط چلہ	60/-	☆ سورہ اخلاص سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	60/-
☆ بسم اللہ سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	60/-	☆ سورہ الفلق سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	60/-
☆ سورہ الناس سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	60/-	☆ سورہ یسین آرٹ پیپر (مجلد)	80/-

روحانی کتب علامہ محمد جاوید

☆	جنات آسب جادو کا توڑ	200/-	حقیقت تصوف اور حضرت بوعلی قلندر رحمہ اللہ	80/-
☆	سورہ ق سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	60/-	سورہ حم السجدہ سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	60/-
☆	سورہ مریم سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	60/-	سورہ قاتحہ سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	60/-
☆	سورہ الکہف سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	60/-	سورہ شریف سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	60/-
☆	سورہ رحمن سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	60/-	سورہ مزمل سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	60/-
☆	آیت الکرسی سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	60/-	نفل نمازوں سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	60/-
☆	سورہ جنت سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	60/-	سورہ ملک سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	60/-
☆	اسمائ محمدیہ علیہ السلام سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	60/-	اسمائ الہی سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	60/-
☆	سورہ یوسف سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	60/-	مختصر کلمات سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	60/-

روحانی کتب خواجہ انیس اقبال

1-	درد و لامحدود	300/-	خواجہ انیس اقبال	300/-
2-	دینا (قرآن میں مذکور انبیاء کرام کی دعائیں)	60/-	خواجہ انیس اقبال	60/-
3-	دل کے حجرے میں	60/-	خواجہ انیس اقبال	60/-
4-	فقیر کی دنیا	50/-	خواجہ انیس اقبال	50/-
5-	فقیر کی حاضری	60/-	خواجہ انیس اقبال	60/-
6-	دعائے سیفی سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	60/-	خواجہ انیس اقبال	60/-
7-	اللہ اللہ کرتے رہیے	60/-	خواجہ انیس اقبال	60/-
8-	استعارہ اور بد نظری کا علاج	120/-	خواجہ انیس اقبال	120/-

طبی و روحانی کتب

1-	روحانی تعویذات کی ڈائری	250/-	صوفی محمد ندیم	250/-
2-	پنج سورۃ و تلیف مفتی	70/-	امام احمد رضا خاں بریلوی رحمہ اللہ	70/-
3-	قرآنی دعاؤں سے روحانی علاج	50/-	امام احمد رضا خاں بریلوی رحمہ اللہ	50/-
4-	سورہ یٰسین (معرا) بڑی	10/-	سورہ یٰسین (معرا) چھوٹی	8/-
5-	جواہرات ستارے اور طبی علاج	120/-	علیم اقبال	120/-
6-	ہومیو میڈیسن اور صحت	80/-	ڈاکٹر آ۔ اے امتیاز	80/-
7-	امراض اور ہومیو پاتیات	80/-	ڈاکٹر آ۔ اے امتیاز	80/-
8-	طیب عظم	250/-	حکیم ایم۔ اے قاسم	250/-
9-	بلڈ پریشر	40/-	حکیم ایم۔ اے قاسم	40/-
10-	شوگر کا علاج خود کریں	36/-	حکیم ایم۔ اے قاسم	36/-

40/-	حکیم ایم۔ اے قاسم	تشیخ کا علاج خود کریں	11-
50/-	حکیم ایم۔ اے قاسم	ہیپاٹائٹس میں آپ تھپائیں	12-
100/-	ہومیو ڈاکٹر محمد اشرف قریشی	نوجوانوں کے جنسی و نفسیاتی مسائل (علاج مردانہ)	13-
100/-	عابد خاں	اپنا پرائز بانڈ خود نکالیں	14-
300/-	ڈاکٹر آصف محمود چاہ	دوا غذا اور شفا	15-
250/-	ڈاکٹر آصف محمود چاہ	زلزلہ زیارت اور زندگی	16
300/-	ڈاکٹر جاوید اقبال	میرج گائیڈ	17
200/-	ڈاکٹر جاوید اقبال	نسوانی حسن	18
150/-	ڈاکٹر جاوید اقبال	آزادی نسوان زوال نسوان	19
300/-	الحاج مسعود احمد خان درانی	خطرناک بیماریوں کا قدرتی علاج	20
300/-	الحاج مسعود احمد خان درانی	قدرتی غذاؤں کا انسائیکلو پیڈیا	21
200/-	اے صد مسافر	ماورائی علوم کا خلاصہ اور عمل	22
120/-	اے صد مسافر	ڈپریشن کا جدید طریقہ علاج (یوگا مراقبہ)	23
100/-	اے صد مسافر	سمہ ہیلتھ انرجی	24
120/-	اے صد مسافر	ٹرین سائنسز	25
170/-	حکیم کبیر الدین	مخزن المفردات	26

اقبالیات پر بہترین کتب

40/-	☆ کامیابی کے سات اصول (مفکر اسلام علامہ اقبال کی تفہیمات کی روشنی میں) حسن رازی	
150/-	☆ اسلامی فکر کی نئی تشکیل (خطبات اقبال) مترجم: شہزاد احمد	
150/-	The Reconstruction of Religious thought In Islam (علامہ اقبال کے 7 مشہور و معروف خطبات)	
300/-	☆ اقبال کا نور بصیرت (اقبال کی تین طویل نظمیں مسجد قرطبہ، الہیاس کی مجلس شوریٰ، پیر و مرید)	
300/-	☆ کلیات اقبال (فرہنگ کے ساتھ) ☆ کلیات اقبال (کلاں)	700/-
150/-	☆ کلیات اقبال (پاکٹ) ☆ بانگ درا	200/-
120/-	☆ ضرب کلیم ☆ بال جبریل	120/-
180/-	☆ شکوہ جواب شکوہ (فرہنگ اور شرح کے ساتھ) از علامہ اقبال۔ شرح: محمد شریف بقاء	
200/-	☆ شکوہ جواب شکوہ ☆ کلیات اقبال (عوامی ایڈیشن)	15/-
40/-	☆ ذکر حسینؑ اور اقبال (محمد شریف بقاء) ☆ اقبال کے تصور اسلام کا نچوڑ (حصہ اول)	100/-
40/-	☆ اقبال کے تصور اسلام کا نچوڑ (حصہ دوم) ☆ ” ” ” از: حسن رازی	60/-

نثر، شاعری، افسانہ

150/-	علویہ فیصل	گلاب سے ہونٹ (آرٹ پیپر + فورکلر)	1-
150/-	علویہ فیصل	دل جسے اپنا کہتا ہے	2-
150/-	علویہ فیصل	کا جل تیری آنکھوں کا	3-
150/-	علویہ فیصل	پیار کا پہلا سال (فورکلر)	4-
150/-	علویہ فیصل	خوشبو اُداس کرتی ہے	5-
140/-	علویہ فیصل	ہونٹ غزل کے دو مصرعے	6
250/-	وسی شاہ	میرے ہو کے رہو	7
300/-	وسی شاہ	میرے ہو کے رہو (اعلیٰ)	8
150/-	حنا شیخ	چاہتوں کی بارش	9
150/-	خالد بن حامد	ابھی یہ خواب مت دیکھو (شعری مجموعہ)	10
150/-	حنا شیخ	رنگ حنا (شعری مجموعہ)	11
150/-	خالدہ رشید	بچ رہا ایسا ہو جائے	12
130/-	ضیاء اللہ قریشی	پہلی سانس محبت کی	13
250/-	ناصر دہلوی	شرح دیوان غالب	14
200/-	مرزا اسد اللہ خاں غالب	دیوان غالب	15
100/-	مرزا اسد اللہ خاں غالب	دیوان غالب (پاکٹ)	16
250/-	ساغر صدیقی	دیوان غالب (فرہنگ کے ساتھ)	17
180/-	ساغر صدیقی	کلیات ساغر صدیقی	18
220/-	ساحر لدھیانوی	کلیات ساحر لدھیانوی	19
150/-	انتخاب: ندیم رضا	نیم کو صندل کر دو	20
150/-	بشیر بدر	انتامت چاہو اُسے	21
300/-	معاذ حسن	ٹاپ 10 شاعر	22
300/-	معاذ حسن	ٹاپ 10 شاعرات (نیا اضافہ شدہ ایڈیشن)	23
200/-	مسعود مفتی	ٹاپ 20 کلاسیک شاعر	24
150/-	معاذ حسن	100 مشہور و معروف غزلیں	25
120/-	علیم اقبال	شاہکار شاعری (ظہیں، غزلیں، گیت)	26
120/-	ایمان علی	تیرے پیار کا موسم (انتخاب غزلیات)	27
150.-	انتخاب شہباز اشرف	کہو تو اک شام چرالوں	28
150/-	ایم۔ نعیم	دو چار دن کا ساتھ	29

30	بیسویں صدی کی عشقیہ غزلیں	عاصمہ مشتاق	120/-
31	دیوان میر تقی میر	علامہ اقبال	75/-
32	التباس	شناور اسحاق	150/-
33	جلتے ہاتھ	محمد جمیل پرواز	160/-
34	موسم امرا آلودہ تھا (غزلیات)	افتخار احمد عاطر	150/-
35	کچھ دیر پہلے سحر سے (غزلیات)	افتخار احمد عاطر	180/-
36	گلاب آغوش	افتخار احمد عاطر	
37	تیرے وجود کی ٹھنڈی چھاؤں	افتخار احمد عاطر	
38	ٹپٹے بول میں جادو	ذیل کار نیگی	250/-
39	تتلیوں کے شہر میں	فیصل محمود	130/-
40	پل دوپل کی چاہت میں	صابر ظفر	250/-
41	پھول میرے گلشن کا	سلیم احمد صدیقی	120/-
42	محبت جب سے وہ کرنے لگے ہیں	شہزاد احمد انتخاب گلزار احمد	150/-
43	آپ سانہیں کوئی (شعری مجموعہ)	اختر شمار	130/-
44	دیکھا جو تیر کھا کے (شعری مجموعہ)	مظفر وارثی	120/-
45	اردو افسانے میں رومانی رجحانات	ڈاکٹر محمد عالم خان	200/-
46	مقالات اجمل	ڈاکٹر محمد اجمل	200/-
47	نا قابل فراموش	دیوان سنگھ مفتوح	400/-
48	مقالات محمد حسن عسکری (حصہ اول)	مرتبہ: شیمابجید	300/-
49	مقالات محمد حسن عسکری (حصہ دوم)	مرتبہ: شیمابجید	300/-
50	مراۃ العروس	ڈپٹی نذیر احمد	90/-
51	باغ و بہار (فرہنگ کے ساتھ)	میر امن دہلوی	180/-
52	فردوس بریں	عبدالحلیم شرر	80/-
53	مسدس حالی (جدید ایڈیشن)	مولانا الطاف حسین حالی	100/-
54	مضامین شورش	مرتبہ: پروفیسر ڈاکٹر محمد اقبال	250/-
55	وحدت ملی		80/-
56	خون جگر ہونے تک	صاحبزادہ خورشید گیلانی	250/-
57	محاکمہ دیوان غالب نسخہ لاہور مسروقہ	پروفیسر جعفر بلوچ / رفاقت علی شاہد	200/-
58	آج کی بات	توصیف احمد خان	150/-
59	برجستہ (کالم)	جمیل احمد عدیل	200/-

60	حرف ملاقات (نامور ادیبوں کے انٹرویوز)	عمران نقوی	200/-
61	اک جبر جو ہم کو لاحق ہے (لازوال عشقیہ خطوط)	جواز جعفری	150/-
62	اپنے چاند کے لئے	اشتیاق احمد صاحب	150/-
63	تجہا مسافر	امیز حزن لون	175/-
64	شام تنہائی	محمد زاہد نواز دندہاوا	150
65	زمانے کی ٹھوکریں	اصغر شاہ اصغر	200/-
66	جب بھی دیکھا اداس دیکھا	حافظ مظفر محسن	120/-
67	پیار کے پیچھے دوپل	حافظ مظفر محسن	180-
68	محبت مرنے نہیں سکتی	ندیم گیلانی	140/-
69	میرے لفظ	حسن ساحل	200/-
70	تذکرہ الشعراء	عبدالرشید عراقی	200/-

پاکستان کے نامور کالم نگار جاوید چوہدری کی کتب

☆	زیر پوائنٹ نمبر 3	350/-	زیر پوائنٹ نمبر 4	350/-
---	-------------------	-------	-------------------	-------

نوجوان نسل کے شاعر سعید واثق کی کتب

☆	دل میں تم مہکتے ہو (نیا شعری مجموعہ)	150/-	☆	محبت ہو گئی تم سے	150/-
---	--------------------------------------	-------	---	-------------------	-------

منفرد لہجے کے شاعر اعتبار ساجد کی کتب

☆	مجھے اس قدر نہ چاہو (نیا شعری مجموعہ)	180/-	☆	روز یاد کرتے ہیں	150/-
☆	سرخ گلابوں کا موسم	180/-	☆	اک عشق ضروری ہے	120/-
☆	محبت ہو تو ایسی	150/-	☆	ترے انتظار کے شہر میں (کلیات)	600/-
☆	یہ موسم یونہی بیت گیا	150/-	☆	تمہیں کتنا چاہتے ہیں	150/-
☆	یہ شام تمہارے نام	180/-	☆	کوئی بات کرنی ہے چاند سے	150/-
☆	وہی اک زخم گلاب سا	150/-	☆	یہ تنہائی مجھے دے دو	180/-
☆	مجھے کوئی شام اُدھار دو	200/-	☆	دل کی دہلیز پر	150/-
☆	وہ سنہری دھوپ کہاں گئی	150/-	☆	محبت پھول جیسی ہے	150/-
☆	گلوب پرا جیسی	180/-	☆	ابھی آگ سرد نہیں ہوئی	150/-
☆	مرے خط مجھے واپس کر دو	130/-	☆	شاعری کیسے کریں؟	150/-

پاکستان کے مقبول ترین شاعرانہ قدیری کی کتب

☆	ہم نہ ملے تو اچھا تھا	150/-	تم اداس مت ہونا	150/-
☆	کب آؤ گے	180/-	مجھے تم سے محبت ہے	150/-
☆	تم اکثر یاد آتے ہو	150/-	میری آنکھیں نیند سے بھر دو	180/-
☆	تمہیں کیسے مناؤں؟	150/-	کیا ہے پیار تمہارے	200/-

طُور و مزاج

1	واہ بھئی واہ	150/-	انتخابِ ساجد	150/-
2	ہاؤس فل	150/-	انتخابِ ساجد	150/-
3	اُردو کی درمیانی کتاب	200/-	ڈاکٹر مشتاق احمد سحر	200/-
4	پطرس کے مضامین	60/-	پطرس بخاری	60/-
5	چکن فالودہ (بہترین مزاحیہ شاعری کا انتخاب)	150/-	انتخاب: گل فراز احمد	150/-
6	لطیف A (دنیا بھر کے انعام یافتہ لطیفے)	150/-	گل فراز احمد	150/-
7	ٹاپ 10 مزاح گو شاعر	250/-	گل فراز احمد	250/-
8	مکمل مزاحیات	250/-	معاذ حسن	250/-
9	مزاح نگار حاضر ہوں	250/-	پروفیسر جمیل احمد عدیل	250/-
10	شرطیہ بیٹھے (دنیا بھر کے انعام یافتہ لطیفے)	200/-	ایم۔ ایم۔ خالد	200/-
11	خوبصورت لطائف	80/-	ستار طاہر	80/-
12	منتخب لطائف	80/-	ستار طاہر	80/-
13	دل کے آس پاس (طُور و مزاج)	150/-	انجم انصار	150/-
14	خوبصورت مسکراہٹیں (لطائف)	70/-	محمد قیصر چوہان	70/-
15	قلمی دشمنی (طُور و مزاج)	120/-	اشفاق احمد ورک	120/-
16	مابدولت (طُور و مزاج)	150/-	عارف صبح خان	150/-
17	شٹ آپ (طُور و مزاج)	120/-	عارف صبح خان	120/-
18	کر کرے کردار (طُور و مزاج)	120/-	عارف صبح خان	120/-
19	تجاہل عارفانہ	300/-	عارفانہ صبح خان	300/-
20	بوٹا مائی فرینڈ	120/-	حافظ مظفر محسن	120/-
21	بہشت لاف اور سیاسی آلودگی	150/-	حافظ مظفر محسن	150/-
22	چڑیا گھر (مزاحیہ شاعری)	100/-	مہذب چشتی	100/-

معلومات عامہ، اقوال و زریں

200/-	Ch. Mushtaq Ahmad (بنگلہ کے امتحان کیلئے رہنما کتاب)	Management & People in Banking	1
150/-	Prof. Muhammad Akram Tahir	PLEASING VOICES (انگریزی تقریر)	2
180/-	منصور احمد بھٹی	علم الاعداد کا مکمل انسائیکلو پیڈیا	3
250/-	محمد زاہد گوگی	دست شناسی کا انسائیکلو پیڈیا	4
120/-		بہترین انعامی تقریریں	5
100/-	خان اکبر علی خان	اپنا انٹرویو خود کیجئے!	6
100/-	خان اکبر علی خان	اقوال و محبت کا انسائیکلو پیڈیا	7
200/-	ملک زاہد محمود اعوان	اسرار الخوم	8
200/-	پروفیسر محمد نصیر خان	حقیقتوں کا سفر (اقوال و زریں)	9
200/-	فیصل بٹ	عالمی معلومات کا انسائیکلو پیڈیا	10
600/-	شاہدہ لطیف	دنیا کے 70 عجوبے (4 کھر)	11
300/-	قیصر چوہان	100 عظیم مہمات	12
40/-	کاامران امجد	سٹارز (12 کتب کا سیٹ برج)	13
300/-	زاہد گوگی	قلمی دنیا پر حکمرانی کرنے والے خوبصورت چہرے	14
400/-	اعظم شیخ	بیسویں صدی کا انسائیکلو پیڈیا	15
200/-	اجمل سعید پراچہ	ناٹکا پرست کے حضور (سفر نامہ)	16
400/-	مترجم: اعظم شیخ	گنزبک آف ورلڈ ریکارڈز 2002 (اُردو)	17
150/-	قیصر علی آغا	کون کب اور کیا؟	18
40/-	یا سر فراز	کون بے گار وڑ پتی!	19
200/-	مترجم: مقصود شیخ	عقلوں کا انچوڑ	20
100/-	اورنگزیب تنویر سہروردی	انسانی و قدرتی وسائل کا استعمال	21
150/-	عمران چوہدری	علمی تقریریں	22
120/-	نجمہ منصور	فن خطابت	23
90/-	حافظ مظفر محسن	ستارے اپنی اپنی قسمت کے	24
120/-	فرحت عباس، نجمہ منصور	بیت بازی	25
130/-	حافظ مظفر محسن	ضرب المثل اشعار	26
120/-	اشتیاق الرحمن چوہدری	جدید تقریریں	27
300/-	ابوعلی عبدالوکیل	عقل والوں کے لیے حکایات	28

عالمی شہرت یافتہ پامسٹ ایم۔ اے ملک کی کتب

350/-	اسرار دوست شناسی	ایم۔ اے ملک
150/-	بیسویں صدی کی پیشین گوئی	ایم۔ اے ملک

سعادت حسن منٹو کی کتب

600/-	کلیات منٹو 1- (افسانے)	سعادت حسن منٹو
600/-	کلیات منٹو 2- (افسانے)	سعادت حسن منٹو
600/-	کلیات منٹو 3- (کہانیاں)	سعادت حسن منٹو
600/-	کلیات منٹو 4- (ڈرامے)	سعادت حسن منٹو
600/-	کلیات منٹو 5- (ڈرامے)	سعادت حسن منٹو
50/-	ٹھنڈا گوشت	سعادت حسن منٹو
15/-	نور جہاں سردر جاں	سعادت حسن منٹو
100/-	سکینے فرشتے	سعادت حسن منٹو
200/-	منٹو کے 10 بہترین افسانے	سعادت حسن منٹو

تاریخی و رومانوی ناول

250/-	1 حجاج بن یوسف	الماس ایم۔ اے
200/-	2 سلطان شہاب الدین غوری	الماس ایم۔ اے
140/-	3 پنجاب کی رومانوی داستانیں	الماس ایم۔ اے
150/-	4 رومیو جولیٹ	شیکسپیئر
250/-	5 سلطان محمود غزنوی	مبین رشید
200/-	6 بہادر شاہ ظفر کے شب و روز	ضیاء الدین لاہوری
120/-	7 1857ء کے چنڈا ہم کردار	ضیاء الدین لاہور
250/-	8 تاوان عشق	محمد فیاض مای
250/-	9 کاغذ کی کشتی	محمد فیاض مای
400/-	10 شہر دل کے دروازے	شازیہ چوہدری
150/-	11 تم آخری جزیرہ ہو	آمنہ ریاض
150/-	12 خدا دور نہیں ہے	محمد عرفان رامے
300/-	13 راجکمار	ڈاکٹر کرم حسین شاہ راہی
225/-	14 دلی	خسرو ننگ، مترجم: عرفان احمد خان
100/-	15 مدہوش	عرفان احمد خان

120/-	شاہد رزاق کوہلر	اجل کاروپ	16
300/-	مقصود شیخ	سکندر اعظم	17
150/-	ایم۔ اسلم	خواب جوانی	18
150/-	ایم۔ اسلم	تیرنگہ	19
120/-	ایم۔ اسلم	اشک ندامت	20
250/-	غلام سرور	امر جیت	21
200/-	اے۔ زیٹسید	کاشانیہ نور	22
100/-	اکرم خان نیازی	کالج کلیاں اور بھنورے	23
100/-	عمران چوہدری	تیرے پاس ہے اک حصہ	24
60/-	عرفان نوید	سایہ	25
120/-	شیخ الیاس	شیطانوں کی جنت	26
80/-	ایم۔ انور صدیقی	عشق اور آزادی	27
120/-	ایم۔ انور صدیقی	خزائن کے بعد	28
400/-	بشری رحمن	بے ساختہ	29
100/-	شکیلہ شرارت	شہر زاد	30

مشہور ناول نگار علیم الحق حق کے ناول

250/-	دوبوندیں ساوان کی	180/-	عشق کا عین	1
120/-	سانبان	500/-	عشق کا شین	2
120/-	تیل کی آگ	400/-	عشق کا شین پارٹ II	3
100/-	شب احتساب	250/-	دجال (اول)	4
200/-	سنگ حیات	250/-	دجال (حصہ دوم)	5
150/-	سلطانی جمہور	250/-	دجال (حصہ سوم)	6
150/-	اماوس کا دیا	120/-	قصہ ایک داماد کا	7
250/-	بساط	150/-	پاتال کی بلائیں	8
120/-	ضمیر کے اسیر	150/-	ضمیر کے اسیر	9
120/-	زندگی 40 کلومیٹر	120/-	ملک برائے فروخت	10
140/-	دوسری فصل	150/-	مٹی سے عشق	11

پاکستان کی نامور ناول نگار عمیرہ احمد کی بہترین کتب

1	من و سلوی	عمیرہ احمد	600/-
2	امر تیل	عمیرہ احمد	600/-
3	تھوڑا سا آسمان	عمیرہ احمد	700/-
4	حسنہ اور حسن آراء	عمیرہ احمد	250/-
5	در بارہ دل	عمیرہ احمد	250/-
6	ہم کہاں کے سچے تھے	عمیرہ احمد	250/-
7	میں نے خوابوں کا شجر دیکھا ہے	عمیرہ احمد	250/-
8	سحراک استعارہ ہے	عمیرہ احمد	250/-
9	میری ذات ذرہ بے نشاں	عمیرہ احمد	250/-
10	لا حاصل	عمیرہ احمد	250/-
11	زندگی گھڑا رہے	عمیرہ احمد	250/-
12	واپسی	عمیرہ احمد	300/-
13	میرے پچاس پسندیدہ سین	عمیرہ احمد	150/-
14	حرف سے لفظ تک	عمیرہ احمد	100/-
15	حاصل	عمیرہ احمد	200/-
16	ایمان، امید اور محبت	عمیرہ احمد	200/-

نگہت عبداللہ کے نئے ناول

1	محبت کا حصار	نگہت عبداللہ	200/-
2	محبوبوں کے ہی درمیاں	نگہت عبداللہ	250/-
3	دل پہلوں کی ہستی	نگہت عبداللہ	400/-
4	انتظار فصل گل	نگہت عبداللہ	150/-
5	مجھے روٹھے نہ دینا	نگہت عبداللہ	250/-
6	بس تم لوٹ آنا	نگہت عبداللہ	200/-
7	کوئی لمحہ گلاب ہو	نگہت عبداللہ	400/-

شاہدہ لطیف کی خوبصورت کتب

1	7 قدم عشق (ناول)	شاہدہ لطیف	350/-
2	محبت نہ ہو جائے	شاہدہ لطیف	200/-
3	دنیا کے 70 عجوبے	شاہدہ لطیف	600/-

قیصرہ حیات کی خوبصورت کتب

1	انوار اسائے النبی (تفصیلی شرح)	قیصرہ حیات	500/-
2	ذات کا سفر (ناول)	قیصرہ حیات	200/-
3	سایہ دیوار بھی نہیں (ناول)	قیصرہ حیات	300/-
4	گلاب چاہتیں	قیصرہ حیات	220/-
5	وقت جو ٹھہر گیا	قیصرہ حیات	200/-

رفعت سراج کی خوبصورت کتب

1	رشتوں کے ریشم	رفعت سراج	250/-
2	ایک گلاب	رفعت سراج	200/-

ملک کی مشہور ناول نگار ماہ ملک کی کتب

1	جو چلے تو جاں سے گزر گئے	ماہ ملک	150/-
2	یہ بلبلیں یہ تتلیاں	ماہ ملک	250/-
3	اک دیا جلانے رکھنا	ماہ ملک	350/-
4	میرے خواب ریزہ ریزہ	ماہ ملک	350/-

خواتین کی مقبول ترین رائٹرز رخسانہ نگار

1	دل آئینوں کا شہر	رخسانہ نگار عدنان	200/-
2	خوشبو کا گھر کوئی نہیں	رخسانہ نگار عدنان	180/-
3	دیوار سنگ سے آگے	رخسانہ نگار عدنان	200/-
4	میرے چارہ گھر	رخسانہ نگار عدنان	300/-
5	پارس (نیا ناول)	رخسانہ نگار عدنان	250/-
6	زندگی اک روشنی	رخسانہ نگار عدنان	500/-
7	گر مجھ سے محبت ہے	رخسانہ نگار عدنان	200/-

تنزیلہ ریاض کی مشہور کتب

1	خواب گھر وندہ ٹوٹ نہ جائے	تنزیلہ ریاض	200/-
2	احدنا الصراط المستقیم	تنزیلہ ریاض	200/-

عصمت چغتائی کی کتب

1	ایک قطرہ خون (واقعہ کربلا پر ایک شاہکار تحریر)	عصمت چغتائی	200/-
2	خمدی	عصمت چغتائی	100/-
3	لجاف	عصمت چغتائی	80/-

گہت سیما کے بہترین ناول

250/-	گہت سیما	زخم سفر ہے محترم	1
250/-	گہت سیما	روشنی کے عذاب	2
200/-	گہت سیما	کتنا سہل جانا تھا	3
200/-	گہت سیما	محبت ابر کی صورت	4
	گہت سیما	راہ جنوں	5

نازیہ کنول نازی کی بہترین کتب

600/-	نازیہ کنول نازی	جوریک دشت فراق ہے (ناول)	1
250/-	نازیہ کنول نازی	خواب نگر کی مسافتیں (ناول)	2
170/-	نازیہ کنول نازی	اے مڑگان محبت	3
150/-	نازیہ کنول نازی	تجا چاند (شاعری)	4

میونہ خورشید علی کے مشہور ناول

250/-	میونہ خورشید	اے جنوں دشت ہے کہ منزل ہے	1
180/-	میونہ خورشید	تیری راہ میں زل گئی وے	2

سباس گل کے نئے ناول

200/-	سباس گل	میں محبت اور تم	1
250/-	سباس گل	تم ایسی شرارت مت کرنا	2

عائشہ سحر مرثی کے نئے ناول

200/-	عائشہ سحر مرثی	مجھے بکھرنے مت دینا	1
250/-	عائشہ سحر مرثی	تیری چاہ میں	2

نازیہ فرحت مایہ کے ناول

150/-	نازیہ فرحت مایہ	مجھ چھو کر تیری آنکھیں	1
200/-	نازیہ فرحت مایہ	ہوں درد عشق سے جہاں بال	2

روشانے سبعین کے نئے ناول

200/-	روشانے سبعین	کیسی یہ رسم دنیا.....!	1
-------	--------------	------------------------	---

مقبول ترین رائٹر امجد جاوید کی کتب

200/-	امجد جاوید	جب عشق سمندر اوڑھ لیا	1
150/-	امجد جاوید	چہرہ	2

400/-	احمد جاوید	عشق کا شین (حصہ دوم)	3
400/-	احمد جاوید	عشق کا شین (حصہ سوم)	4
250/-	احمد جاوید	عشق کا قاف	5
200/-	احمد جاوید	جب عشق سمندر اوڑھ لیا	6
250/-	احمد جاوید	تاج محل	7
120/-	احمد جاوید	لکھاری کیسے بنتا ہے	8
150/-	انتخاب: احمد جاوید	انقلابی شاعری	9
150/-	احمد جاوید	تمہیں چاہوں گا شدت سے (نیا شعری مجموعہ)	10
150/-	مترجم: احمد جاوید	کاسیا بی 30 دنوں میں (ترجمہ)	11

صحت و تندرستی

250/-	مترجم: مقصود شیخ	دل توانا رکھنے کے 50 طریقے	1
150/-	ڈاکٹر آصف محمود جاہ	فیملی ہیلتھ	2
200/-	ڈاکٹر آصف محمود جاہ	ٹین ایج گائیڈ (اردو)	3
200/-	ڈاکٹر آصف محمود جاہ	TEENAGE TINGLING	4
150/-	ڈاکٹر آصف محمود جاہ	زلزلہ، زخم اور زندگی	5
250/-	ڈاکٹر آصف محمود جاہ	زلزلہ زیارت اور زندگی	6
300/-	ڈاکٹر آصف محمود جاہ	دواء، غذا اور شفاء	7
120/-	پروفیسر ڈاکٹر ایم اے صوفی	دانتوں کی حفاظت و علاج	8
100/-	خواجه سلطان عارف	قیام حمل سے پرورش تک	9
150/-	اعظم شیخ	بسی زندگی اور آسان یوگا	10
100/-	ماجد رسول طاہر	بیوٹیشن گائیڈ	11
120/-	حنّا شیخ	کامیاب گھریلو نوکروں کا انسائیکلو پیڈیا	12

کھانا پکانا

400/-	زیب النساء	اوون کے کھانوں کا انسائیکلو پیڈیا	1
600/-	ساجد حسین قریشی	کھانے پکانے کا مکمل انسائیکلو پیڈیا	2
250/-	ساجد حسین قریشی	آرٹ آف مغل کزین (بہترین کھانے)	3
200/-	ساجد حسین قریشی	آرٹ آف سب کا پیچیدہ (بہترین کھانے)	4
250/-	ساجد حسین قریشی	Art of Mughal Cuisine (بہترین کھانے)	5
200/-	ساجد حسین قریشی	Art of sub continental	6

7	سبزیاں اور پھل کا انسائیکلو پیڈیا	ساجد حسین قریشی	100/-
8	انسائیکلو پیڈیا آف پاست (مائیکرو ویڈیو اور ایڈون کے کھانے)	ساجد حسین قریشی	300/-
9	شیف ڈاکٹر کا دسترخوان	شیف ڈاکٹر	220/-
10	راحت کا دسترخوان	راحت بیگم	300/-
11	ڈالڈا کھانوں کا انسائیکلو پیڈیا		600/-
12	منفرد چائیز کھانے	شمینہ سہیل نذر	130/-
13	ڈالڈا کھانے خواں	سعدیہ عابد	150/-
14	پگن بک	(پگن کے خوبصورت ڈیزائن)	380/-
15	مچھلی کے پکوان	نمل مسعود	150/-
16	شوگر فری کھانوں کا مکمل انسائیکلو پیڈیا	جویریہ کامران	150/-
17	تکے کباب چائیز کو فٹے پسندے	نمل مسعود	150/-
18	منفرد کھانوں کی منفرد ترکیبیں	روبینہ شاہ	150/-
19	بیکری کا انسائیکلو پیڈیا	روبینہ شاہ	150/-
20	200 ذائقوں میں مچھلی پکائیں مع چائیز کھانے	روبینہ شاہ	150/-
21	نئے چائیز کھانے	بیگم سید	120/-
22	سبز یوں کے پکوان	شمینہ شاہ	150/-
23	چاول کے پکوان	شمینہ شاہ	80/-
24	بیکری گائیڈ (اردو انگلش)	اعجاز شیخ	150/-

فرحت عباس شاہ

☆	شام کے بعد (جلد اول)	☆	شام کے بعد (جلد دوم)	165/-
☆	شام کے بعد (جلد سوم)	☆	یاد آؤں اگر اداسی میں	120/-
☆	ہم اکیلے ہیں بہت	☆	محبت خوبصورت ہے	150/-
☆	تم اداس مت ہونا	☆	مرا انتظار قدیم ہے	120/-
☆	آوارہ مزاج	☆	دکھ بولتے ہیں	150/-
☆	جم گیا صبر مری آنکھوں میں	☆	کہاں ہو تم	120/-
☆	خٹوں میں دفنایا ہوا جیون	☆	میرے دیران کمرے میں	120/-
☆	ملو ہم سے	☆	اُداس شامیں اجاڑتے	350/-
☆	محبت کی آخری ادھوری لقم	☆	مت بول بیا کے لہجے میں	120/-
☆	آکسی روز کسی دکھ دیکھ پائے کٹھے روئیں	☆	اک بار کہو تم میری ہو	120/-

120/-	☆ ایک سو بیس صدی کی پہلی نظم	300/-	☆ Sarabi
300/-	☆ Love	150/-	☆ After Evening
110/-	☆ الوداع پاکستان	150/-	☆ America My Friend
90/-	☆ تیرے دکھ نے رستہ بنادیا	110/-	☆ موت زدہ
120/-	☆ بارشوں کے موسم میں	90/-	☆ باغی شاعر
100/-	☆ میرے ساتھ چل	120/-	☆ اور تم آؤ
120/-	☆ من بچھی بے چین	150/-	☆ روگ
120/-	☆ آگ جنگل درود یار سے	200/-	☆ محبت ذات ہوتی ہے
120/-	☆ ساتھ دینا ہے تودے	120/-	☆ چاند پر زور نہیں
150/-	☆ سرائی	120/-	☆ روز ہوں گی ملاقاتیں
120/-	☆ آنکھوں کے پار چاند	120/-	☆ محبت گمشدہ میری
120/-	☆ ابھی خواب ہے	120/-	☆ اے عشق ہمیں آزاد کرو
150/-	☆ دن نکلتا نہیں	200/-	☆ سوال درد کا ہے
450/-	☆ یہ عجیب میری محبتیں	200/-	☆ ہم جیسے آوارہ دل

کمپیوٹر و درسی کتب

240/-	اعجاز احمد	جاوا 2 (سرٹیفکیشن گائیڈ)	-1
180/-	ارشاد محمود	انفارمیشن ٹیکنالوجی	-2
300/-	ارشاد محمود	C++ اور وژ یول Ver.6	-3
300/-	ارشاد محمود	1A+ سے پلس مکمل ہارڈ ویئر گائیڈ	-4
180/-	محمد متین خالد۔ محمد ارشد عرش	پریکٹیکل نوٹ بک (23 فوٹ میں ICS)	-5
60/-	محمد متین خالد۔ رضوان احمد شاہ	پرنسپلز آف کمپیوٹر سائنس (21 فوٹ میں ICS)	-6
70/-	محمد متین خالد۔ ارشد محمود شاہ	کمپیوٹر وائرس	-7
100/-	محمد متین خالد	کمپیوٹر خود سیکھیں	-8
150/-	محمد متین خالد۔ مقصود شیخ	کمپیوٹر کے مسائل اور ان کا حل	-9
60/-	ارشاد محمود شاہ	مائیکروسافٹ ونڈوز انسٹالیشن گائیڈ	-10
60/-	ارشاد محمود شاہ	مائیکروسافٹ ونڈوز نیٹ ورکنگ	-11
60/-	ارشاد محمود شاہ	فراز آسان ونڈوز 98	-12
140/-	ارشاد محمود شاہ	فراز آفس 4-2003	-13
60/-	ارشاد محمود شاہ	فراز آؤٹ لوک 4-2004	-14
60/-	ارشاد محمود شاہ	فراز ایکسل 4-2003	-15

75/-	ارشاد محمود شاہ	عالمی انٹرنیٹ ڈائریکٹری	-16
100/-	اعظم شیخ	انٹرنیٹ گائیڈ مع ویب ڈیزائننگ	-17
130/-	اعظم شیخ - محمد متین خالد	انٹرنیٹ ڈائریکٹری (بڑی)	-18
60/-	اعظم شیخ - محمد متین خالد	انٹرنیٹ ڈائریکٹری (پاکٹ سائز)	-19
120/-	محمد متین خالد	اسلام انٹرنیٹ پر	-20
120/-	اعظم شیخ - محمد متین خالد	پاکستان انٹرنیٹ پر	-21
100/-	اعظم شیخ - محمد متین خالد	SCIENCE ON NET	-22
180/-	مقصود شیخ	ای کامرس (کھل گائیڈ)	-23
100/-	فرحان ڈار	ان چے 2000	-24
120/-	اعظم شیخ	فلپس 5	-25
300/-	محمد متین خالد - مقصود شیخ	انٹرنیٹ اور کمپیوٹر کی جدید دشمنی (اُردو اور انگریزی میں)	-26
180/-	راہدہ ارم شاہ - ڈاکٹر بشیر احمد شاہ	فوٹوشاپ 7	-27
150/-	ارشاد محمود شاہ	کورل ڈرا 11 مکمل گائیڈ	-28
150/-	ارشاد محمود شاہ	کورل ڈرا 12 مکمل گائیڈ	-29
160/-	ارشاد محمود شاہ	فرازا آسان کمپیوٹر گائیڈ	-30
60/-	ارشاد محمود شاہ	مائیکروسافٹ ورڈ XP	-31
130/-	ارشاد محمود شاہ	مائیکرو میڈیا ڈریم ویور 2004	-32
150/-	رضوان احمد شاہ - نعمان احمد شاہ	مائیکروسافٹ ایکسس ڈیٹا بیس	-33
120/-	مقصود خالد	انڈین انٹرنیٹ ڈائریکٹری	-34
120/-	مقصود خالد	آٹو بیکنیشن	-35
150/-	سمیرا شاہ	اپنا موبائل فون خود مرمت کریں	-36
120/-	سمیرا شاہ	3/D سٹوڈیو میس 6	-37
60/-	سمیرا شاہ	ڈاس مکمل گائیڈ	-38
150/-	M.MATEEN KHALID	ENCYCLOPEDIA OF FAQ COMPUTER/ INTERNET PROBLEMS & SOLUTIONS	-39
130/-	Noman A. Shah, Rizwan A. Shah	Visual Basic 6.0	-40
150/-	Noman A. Shah, Rizwan A. Shah	Window XP Professional	-41
120/-	نوید سنیل (For B.A, B.Com, B.Sc, BCS)	British English Grammar & Composition	-42

210/-	اعجاز احمد	(M.C.S) S.Q.L	-43
225/-	اعجاز احمد	PL/S.Q.L (Oracle 6i)	-44
210/-	M.Rizwan Jameel Qureshi	Introduction to Information Technology (C,C++, Java, ASP)	-45
210/-	Khalid Mahmood Mughal	Self Paced Training	-46
80/-	ڈاکٹر سکندر حیات خیات	Introduction to Numerical Analysis	-47
150/-	محمد سہیل	ادویول اردو (مکمل سیلےبس اے پیج II)	-48
120/-	میاں عصمت اللہ	مطالعہ معاشیات (برائے ڈی کام O ڈی بی اے)	-49
سیاسی کتب			
250/-	چوہدری غلام رسول چیمہ	فصل جمہوریت	1
250/-	رائے نواز کھرل	اورزنجیر ٹوٹ گئی	2
300/-	چوہدری غلام رسول چیمہ	ذوالفقار علی بھٹو (ایسی پاکستان کا بانی)	3
600/-	مقدور اقبال	سقوط بغداد	4
500/-	مقدور اقبال	طالبان کی واپسی	5
200/-	فضل حسین احوان	شہید جمہوریت کا قاتل کون	6
200/-	ستار چوہدری	لندن پلان	7
500/-	میجر (ر) امیر افضل خاں	پاکستان کی کہانی (حضور پاک کے سپاہی کی زبانی)	8
200/-	مبین رشید	اگر ایران پر حملہ ہوا.....؟	9
250/-	کامران راجپوت	پارلیمنٹ کے خوبصورت چہرے	10
200/-	اعظم شیخ	دنیا کی نامور شخصیات کے معاشقے	11
400/-	قیصر چوہان	پاکستان لوٹنے والے ہاتھ	12
200/-	قیصر چوہان	ناموں کا گلدستہ	13
40/-	قیصر چوہان	SMS بڑا سائز (6 ٹائٹل)	14
300/-	قیصر چوہان	پارلیمنٹ سے بازار حسن تک پارٹ I	15
300/-	قیصر چوہان	پارلیمنٹ سے بازار حسن تک پارٹ II	16
250/-	عارف صبح خان	اماں حواسے اماں کو ستر تک	17
200/-	حافظ شفیق الرحمان	نواز شریف جیتی بازی ہار گیا	18
250/-	ظہیر احمد باہر	پاکستان میں جمہوری حکومتیں قیام سے انجام تک	19

200/-	مرنٹنی انجم	بیسویں صدی کے فوجی حکمران	20
300/-	محمد نواز کھرل	تمازہ ترین شخصیت پروفیسر طاہر القادری کی شخصیت کا تنقیدی جائزہ	21
200/-	محمد جاوید	پاک امریکہ تعلقات	22
200/-	مرنٹنی انجم	سیاست آئین اور عدالت	23
200/-	زاہد گوگی	ادیبوں اور دانشوروں کے محاشقے	24
150/-	طاہر انجم	یہ ہیں ہمارے حکمران؟	25
120/-	طاہر انجم	پاکستان جانی کے دہانے پر	26
200/-	خالد چوہدری	سیاستدانوں کے محاشقے	27
250/-	مقبول ارشد	خفیہ رپورٹیں	28
100/-	منظر غنی چوہدری	جنسی لذت	29
150/-	نواز کھرل	شرافت کاستون (میاں محمد شریف)	30
180/-	میاں علاؤ الدین	جکی نوکری؟	31
350/-	بل کلنٹن (مترجم: زاہد گوگی)	میری زندگی	32
150/-	لئیق احمد	مائیکل جیکسن پاپ یا پانی گلوکار	33
220/-	سید ناصر علی	بد معاش امریکہ	34
220/-	سید ناصر علی	پاکستان میں امریکی سازشیں	35
160/-	ڈاکٹر ندیم احمد	صدام حسین	36
160/-	ڈاکٹر ندیم احمد	چیف جسٹس کی معطلی	37
150/-	انتخاب: احمد جاوید	انقلابی شاعری	38

ملک کے نامور قانون دان ایس۔ ایم۔ ظفر کی بہترین کتب

650/-	ایس۔ ایم۔ ظفر	میرے مشہور مقدمے	1
150/-	ایس۔ ایم۔ ظفر	پاکستان بنام کرپشن عوام کی عدالت میں	2
200/-	ایس۔ ایم۔ ظفر	ڈکٹیٹر کون	3
250/-	ایس۔ ایم۔ ظفر	عوام پارلیمنٹ اسلام	4
175/-	ایس۔ ایم۔ ظفر	عدالت میں سیاست	5

انگریزی کتب

500/-	Muhammad Sharif Baq	Quranic Topics (Vol:1)	-1
500/-	Muhammad Sharif Baq	Quranic Topics (Vol:2)	-2
60/-	Fateh Muhammed Jallendhri	Quranic Advices	-3
80/-	S-Hamgah Saleem Gilani	A Pound of Flesh	-4
150/-	Allama Muhammad Iqbal (کے 7 مشہور و معروف خطبات)	The Reconstruction of Religious thought In Islam	-5
220/-	Zia-ud-Din Lahori	Hijra of Christian Calendars	-6
200/-	Ch. Mushtaq Ahmad (بنگلہ کے امتحان کیلئے رہنما کتاب)	Management & People in Banking	-7
120/-	Dr. Asif Mahmood Jafar	TEENAGE TINGLINGS	-8
120/-	Naveed Abdullah Khan Sumbal (For B.A, B.Com, B.Sc, BCS)	British English Grammar & Composition	-9

مکتبہ جمال

250/-	مولانا عبدالرازق طلیح آبادی	ذکر آزاد (مولانا ابوالکلام کی رفاقت میں ۳۸ سال)	1
100/-	مرتبہ: ڈاکٹر سید عبداللطیف	تصویرات قرآن (مولانا ابوالکلام آزاد)	2
100/-	مرزا اسد اللہ خاں غالب	دیوان غالب (پاکٹ)	3
250/-	مرزا اسد اللہ خاں غالب	دیوان غالب (فرہنگ کے ساتھ)	4
700/-	علامہ محمد اقبال	کلیات اقبال (فرہنگ کے ساتھ)	5
200/-	پروفیسر ڈاکٹر محمود سعید عالم قاسم	عصر حاضر میں اسوہ رسول اکرم کی معنویت	6
100/-	مولانا محمد منظور نعمانی	خطبات بمبئی	7
200/-	مولانا سعید احمد اکبری آبادی	اسلام میں غلامی کی حقیقت	8
200/-	محمد مظہر الدین صدیقی	اسلام کا نظریہ تاریخ	9
250/-	میاں محمد شفیع	1857ء کی پہلی جنگ آزادی (واقعات و حقائق)	10
300/-	ڈی۔ ایچ۔ واٹسن / پروفیسر افتخار احمد	ہزارہ گزٹینئر	11
250/-	ڈاکٹر شیر بہادر خان پٹی	تاریخ ہزارہ	12
200/-	مولانا محمود الرحمن ندوی	دولت غزنویہ (سلطان محمود غزنوی اور ان کے جانشین)	13
200/-	پروفیسر محمد عارف	کشمیر تاریخ کے آئینے میں	14

15	پاکستان سے اقبالستان تک	پروفیسر محمد عارف	250/-
16	نبی کریم ﷺ کی مبارک سلیں	مولانا ابوالمظفر ظفر احمد قادری	120/-
17	فضائل درود شریف	مولانا محمد زکریا	100/-
18	فضائل رمضان	مولانا محمد زکریا	60/-
19	آداب الدعاء	مولانا محمد اجمل خان	150/-
20	کامیاب زندگی کا تصور	پروفیسر انور دل	100/-
21	اسلام کی دنیا	ایڈیٹر تھ ہارڈر / بشری سمیل	100/-
22	گھر ملیو از مودہ نسوں کا انسائیکلو پیڈیا (قدیم حکماء کی تحقیقات کا مجموعہ)	سید امتیاز علی تاج	150/-
23	پروفیشنل بیوٹیشن بنیے	آسیہ آرزو	130/-
24	بہار شباب	حکیم غلام محمود خان	120/-
25	وادئ کاغان (تاریخ، لوگ، ثقافت، سیاحت)	منصب خان صاحب	200/-
26	مشرق کا سویٹزر لینڈ (وادئ سوات)	محمد پرویش شاہین	80/-
27	کافرستان کے رسم و رواج	محمد پرویش شاہین	80/-
28	سوات (کوہستان)	محمد پرویش شاہین	80/-
29	وادئ دیر..... کوہستان (تاریخ، ثقافت، سیاحت)	محمد پرویش شاہین	100/-
30	وادئ چترال (تاریخ، ثقافت، سیاحت)	محمد پرویش شاہین	100/-
31	جہاں تین سلطنتیں ملتیں ہیں	ای ایف نائٹ / ظفر حیات پال	500/-
32	بروشو قبائل اور بروشال	سید محمد یحییٰ شاہ الحسینی	300/-
33	ہماری حقیقت (سائنس انسان اور کائنات)	محمد آفتاب	200/-
34	چمیل ہلے	محمد صدیق تنہا	250/-
35	پہلا قدم	ڈاکٹر سائرہ محبوب	100/-

کتب مولانا ابوالکلام آزاد

☆	تذکرہ	☆ 250/-	☆	مسلمان عورت	120/-
☆	قول فیصل	☆ 120/-	☆	قرآن کا قانون عروج و زوال	100/-
☆	انسانیت موت کے دروازے پر	☆ 120/-	☆	صدائے حق	90/-
☆	رسول اکرمؐ اور خلفائے راشدینؓ کے آخری لمحات	☆ 70/-	☆	ام الکتاب	180/-
☆	غبار خاطر	☆ 250/-	☆	حقیقت الصلوٰۃ	80/-
☆	فیضان آزاد (منتخب ابوالکلام آزاد)	☆ 70/-	☆	شہادت حسین رضی اللہ عنہ	120/-

☆	☆	☆	☆	☆	☆
300/-	100/-	☆	☆	☆	☆
90/-	140/-	☆	☆	☆	☆
50/-	70/-	☆	☆	☆	☆
100/-	70/-	☆	☆	☆	☆
120/-	250/-	☆	☆	☆	☆

کلاسیک شعراء کے دیوان

☆	☆	☆	☆	☆	☆
50/-	50/-	☆	☆	☆	☆
50/-	50/-	☆	☆	☆	☆
50/-	50/-	☆	☆	☆	☆
75/-	50/-	☆	☆	☆	☆
50/-	50/-	☆	☆	☆	☆
50/-	50/-	☆	☆	☆	☆

صفہ فاؤنڈیشن

20/-	عمر حیات قادری	1- مسلمان خواتین کے نام اہم پیغام
35/-	مفتی محمد اقبال سعیدی	2- جرم توہین رسالت (فقہ حنفی کی روشنی میں)
18/-	حمید الاسلام امام محمد غزالی رحمہ اللہ	3- قرآن اور روحانی علوم
25/-	تصنیف: شیخ عبداللہ سراج الدین شامی ترجمہ: مفتی محمد خان قادری	4- وسعت علم نبوی
35/-	تصنیف: شیخ زبیری دحلان شافعی رحمہ اللہ ترجمہ: مولانا یونس اختر مصباحی	5- مسائل توکل و زیارت
25/-	مصنف: ڈاکٹر یحییٰ ابن عبداللہ مانع الحمیری ترجمہ: حضرت مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری	6- خواب میں دیدار مصطفیٰ ﷺ کی بہاریں قیامت تک جاری ہیں

متفرق کتب

150/-	الحاج سراج احمد عادل	1 قصص الانبیاء مجلد
150/-		2 قصص الانبیاء مجلد
24/-	(مصنف: سبیل ٹولے) (مترجم: آغا شرف)	3 شہد حسن و صحت کیلئے
24/-	ڈاکٹر اقبال کاردار	4 شہد سے علاج
25/-	حافظ اکرام الدین صاحب واعظ	5 طب نبوی

6	رسول اللہ ﷺ کے تین سو معجزات	سبحان الہند حضرت مولانا احمد سعید دہلوی	28/-
7	خزینہ مشکل کشا	محمد حبیب قادری	200/-
8	چهار قل سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	سید آفاق حسین	60/-
9	کلمہ طیبہ سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	سید آفاق حسین	60/-
10	آیت کریمہ سے دینی و دنیاوی بیماریوں کا علاج	سید آفاق حسین	60/-
11	موت کا منظر	خواجہ محمد اسلام	100/-
12	اصولۃ الرسول	مولانا امتیاز احمد علوی	120/-
13	کتاب الشفا	مسعود مفتی	60/-
14	منفرد کھانوں کی منفرد ترکیبیں	روبینہ شاہ	150/-
15	بکیری کا انسائیکلو پیڈیا	روبینہ شاہ	150/-
16	200 ذائقوں میں چھلکی پائیں معہ چائیز کھانے	روبینہ شاہ	180/-
17	گھر لیٹو ٹکے	ثمینہ شاہ	130/-
18	پیوٹی کوٹیکشن	ثمینہ شاہ	120/-
19	بوڑھا اور سمندر (ناول)	ارنست ہمنگواے مشہور عالم ناول	90/-
20	جادو اور سحر کا قرآنی علاج	ڈاکٹر گلزار احمد	90/-
21	نئے چائیز کھانے	مولفین: بیگم سید	120/-
22	بزیروں کے پکوان	ثمینہ شاہ	150/-
23	چاول کے پکوان	ثمینہ شاہ	80/-
24	ستارے اپنے اپنی قسمت کے	حافظ مظفر محسن	100/-
25	دہشت زدہ گرد (ناول)	علی نواز شاہ	120/-
26	فیمل (ناول)	علی نواز شاہ	120/-
27	خوشگوار زندگی کے اصول	کاشف فراز احمد	100/-
28	اپنا علاج خود کریں	کاشف فراز احمد	120/-
29	کامیاب مستقبل کے راز	کاشف فراز احمد	150/-
30	شعر اور فن شعر	ثارا کبیر آبادی	120/-
31	وارث لیکھا	عزیز فقیر ویرسپائی	150/-
32	تاریخ کا سفر	ذوالفقار راشد گیلانی	250/-
33	حکایات کا انسائیکلو پیڈیا	منصور بیٹ	300/-
34	اسلام میں عورت کا مقام	ڈاکٹر ذاکر نایک مترجم: سہیل بابریگ	120/-
35	خواتین کی اسلامی زندگی کے سائنسی حقائق	حکیم محمد طارق محمود چٹھائی	200/-

300/-	عبدالحمید شرر	تاریخ سندھ	36
200/-	کے آر کرپانی	مہاتما گاندھی	37
180/-	ضیاء الدین اکمل	قدیم تاریخ	38
180/-	ڈاکٹر میر ولی الدین	قرآن اور تصوف	39
180/-	کرمل ملین	شہنشاہ اکبر	40
150/-	کرمل سچا پیٹرن ترجمہ: سید علاؤ الدین	تساو کے آدم خور	41
200/-	آصف حسن	خدا اور سائنس	42
200/-	ایس ایچ علوی	روحانیت اور علم الاعداد	43
130/-	محسن اسحاق ورک	بہترین مزاحیہ شاعری	44
200/-	ایچ رائیڈ ریگر ترجمہ: سید علاؤ الدین	حضرت سلیمان کا فزانہ	45
200/-	ایس ایچ علوی	روح کا سفر	46
250/-	ڈاکٹر حشمت جاہ	قرآن اور جدید سائنس	47
300/-	زُئی کانپوری	ذکر جب چھیڑا گیا	48
300/-	مفتی شوکت علی فہمی	ہندوستان پر مغلیہ حکومت	49
120/-	اقبال احمد	اولیاء سندھ	50
300/-	مفتی شوکت علی فہمی	ہندوستان پر اسلامی حکومت	51
300/-	مرزا محمود علی	ارواح الجحیر	52
180/-	زینبدر کرشن سنہا ترجمہ: کیلاش چند چوہدری	مہاراجہ رنجیت سنگھ	53
300/-	شفیع عقیل	سرخ سفید سیاه	54
450/-	ڈاکٹر محمد اسماعیل دہلیوی شہری	بلوچ تاریخ اور عرب تہذیب	55
200/-	قرقریشی	محمد شاہ رگیلا	56
300/-	زُئی کانپوری	داستان کہتے کہتے	57
250/-	ہر ہولنس دلائی لامہ ترجمہ: سید علاؤ الدین	خوش رہنے کا فن	58
350/-	ڈاکٹر ڈاکرنا نیک ترجمہ: سمیل بابر بیک	خطبات (والیم 1) ڈاکرنا نیک	59
150/-	علی نواز شاہ	کالک (ناول)	60

مکتبہ داستان کے تاریخی ناول

840/-	عنایت اللہ	داستان ایمان فروشوں کی (تین جلد)	1
440/-	عنایت اللہ	شمشیر بے نیام (دو جلد)	2
280/-	عنایت اللہ	ایک اور بت شکن پیدا ہوا (اول)	3
200/-	عنایت اللہ	ایک اور بت شکن پیدا ہوا (ادوم)	4

220/-	عنایت اللہ	ستارہ جٹوٹ گیا	5
250/-	عنایت اللہ	حجاز کی آمدی	6
150/-	عنایت اللہ	چار دیواری کی دنیا	7
150/-	عنایت اللہ	کشمیر کے حملہ آور اور پنڈی سازش کیس	8
200/-	عنایت اللہ	دشمن کے قید خانے میں	9
170/-	احمد یار خان	کار، شلووار اور دوپٹہ	10
170/-	احمد یار خان	ایک رات کی شادی	11
170/-	احمد یار خان	داستان ایک داماد کی	12
160/-	عنایت اللہ	لہو گرم رکھنے کا ہے اک بہانہ	13
150/-	عنایت اللہ	لہو جو ہم بہا کے آئے	14
180/-	عنایت اللہ	استانی اور ٹکسی درانیور	15
170/-	عنایت اللہ	جب میں تھمہ بنی	16
170/-	عنایت اللہ	دو پلو کی کہانی	17
180/-	عنایت اللہ	ہماری شکست کی کہانی	18
170/-	عنایت اللہ	لاہور کی دہلیز پر	19
120/-	شمیر حسین	روحانی مسرت جسمانی قوت	20
120/-	کیپٹن ڈاکٹر نصیر اے شیخ	زندہ رہو جوان رہو	21
180/-	عنایت اللہ	میں کسی کی بیٹی نہیں	22
170/-	عنایت اللہ	بہرے کا جگر	23
170/-	عنایت اللہ	الکھے راستے	24
200/-	عنایت اللہ	طاہرہ	25
150/-	عنایت اللہ	خاک و ردی لال ہو (اول)	26
150/-	عنایت اللہ	خاک و ردی لال ہو (دوم)	27
180/-	عنایت اللہ	بی آربی بہتی رہے گی	28
270/-	عنایت اللہ	ڈوب ڈوب کے ابھری ناؤ	29
180/-	عنایت اللہ	پرچم اڑتا رہا	30
طارق اسماعیل ساگر			
250/-	☆ بے نام سی عقیدت	☆ 300/-	☆ میں ایک جاسوس تھا
250/-	☆ چٹاروں کے آئسو	☆ 300/-	☆ وطن کی مٹی گواہ رہنا
250/-	☆ کریک ڈاؤن	☆ 250/-	☆ کمانڈو

200/-	☆ فالگن کون تھا	250/-	☆ کفارہ
250/-	☆ گرفت	250/-	☆ ذیل کراس
250/-	☆ سازش	250/-	☆ را
200/-	☆ دھویں کی دیوار	180/-	☆ آپریشن بلیوٹار
100/-	☆ جب دشمن نے لٹکایا	200/-	☆ ریڈارٹ
200/-	☆ بیس کمپ	250/-	☆ ٹارگٹ پاکستان تھا
250/-	☆ کورٹ مارشل	200/-	☆ شیریں کانت
200/-	☆ الاؤ	250/-	☆ محاصرہ
250/-	☆ مسافت	300/-	☆ اے راہ حق کے شہیدوں
200/-	☆ اسامہ بن لادن	300/-	☆ جاسوس کیسے بنتا ہے
300/-	☆ حمود الرحمن کمیشن رپورٹ	250/-	☆ وادی لہورنگ
200/-	☆ کٹ آؤٹ	250/-	☆ کارگل کراس
250/-	☆ ڈرگ مافیا	250/-	☆ کراس فائر
250/-	☆ وادی لہورنگ	200/-	☆ بھارت ٹوٹ جائے گا
200/-	☆ پھندہ	200/-	☆ ٹارگٹ کھوٹ
250/-	☆ بھٹکا ہوا راہی	250/-	☆ اور حصار ٹوٹ گیا
250/-	☆ فکلیج	250/-	☆ دہشت گرد
300/-	☆ پاکستان عالمی سازش کے زرخے میں	120/-	☆ دیوتا کی موت

نامور ناول نگار ایم۔ اے۔ راحت

1	گرین فورس	ایم۔ اے۔ راحت
2	بھید	ایم۔ اے۔ راحت
3	آتش زدہ	ایم۔ اے۔ راحت
4	دیوتا کی واپسی	ایم۔ اے۔ راحت
5	نشیب	ایم۔ اے۔ راحت
6	زہر	ایم۔ اے۔ راحت

مطبوعات SKY 7 پبلی کیشنز

1	میری زندگی	بلی کلنٹن (زاہد گوئی)	350/-
2	بابا گرو نانک (تعلیمات، کلام اور حالات زندگی)	سردار جی سنگھ (مترجم: امیر علی خان)	250/-
3	مشہور عالمی شخصیات	کامران احمد۔ اورنگزیب	250/-

4	کباب پسندے چاہیے	نمل مسعود	150/-
5	بہت یاد آنے لگے ہو	نجمہ مسعود	150/-
6	روحانیت اور جنسی لذت	گر وادشو	120/-
7	تمہارے اداس ہونے کے دن نہیں	نجمہ منصور	200/-
8	تاریخ فرعون	خواجہ حسن نظامی	250/-
9	SMS پاکت سائز (12 ٹائٹل)	محمد قیصر چوہان	25/-
10	قصص الانبیاء	حاجی سراج احمد عادل	130/-
11	سچا خواب نامہ	شیخ محمد حسین آزادی اجیری	80/-
12	سیرت عائشہؓ	علامہ سلیمان ندویؒ	120/-
13	پاکستان ٹریول گائیڈ	مسعود مفتی	200/-
14	منفرد پیکر سٹائل	نادیہ عامر	150/-
15	ناموں کا گلدستہ	محمد قیصر چوہان	200/-
16	SMS بڑا سائز (6 ٹائٹل)	محمد قیصر چوہان	40/-
17	تذکرہ الاولیاء	حضرت شیخ فرید الدین عطاء	150/-
18	کتاب الحج و عمرہ	الحاج اویس عمر	150/-
19	عورت کی حکمرانی اسلام کے آئینہ میں	علامہ فلک شیر	
20	لندن پلان	ستار طاہر	200/-
21	حج و عمرہ پاکت سائز	علامہ امتیاز احمد علوی	40/-
22	انسائیکلو پیڈیا آف اسلام	نجمہ منصور۔ مسعود مفتی	300/-
23	بیوٹی کیر	صائمہ خالد	120/-
24	عورت اور مرد میری زندگی میں	خسونت سنگھ۔ زاہد گوگی	160/-
25	لبیک	ممتاز مفتی	120/-
26	مسائل بہشتی زیور	مولانا اشرف علی تھانوی	70/-
27	سلام قائد اعظم (سوالا جوابا)	نجمہ منصور	60/-
28	تحفہ العروس	علامہ محمود مہدی استنبولی	180/-
29	ہنر	مقصود شیخ	250/-
30	پاکستانی کھانوں کا انسائیکلو پیڈیا	نفسیہ بیگم	150/-
31	قدیم ترین، مجموعہ روحانی تعویذات	مسعود مفتی	200/-
32	ایس۔ ایم۔ ایس (چار بکس)	ادارہ	20/-

کتب ابلاغ پبلشرز

350/-		سیرت ابن ہشام	1
200/-		بزرگ شہری	2
150/-		دیوان غالب	3
150/-		چادر صحرا	4
350/-		جلال و جمال	5

عالمی شہرت یافتہ کتب کے مترجم

250/-	مترجم: حافظ مظفر محسن	کامیابی اور روحانی مسرت (ڈورس پوزی)	
250/-	مترجم: حافظ مظفر محسن	الفاظ کا جادو (جے۔وی۔سرنی)	
200/-	مترجم: حافظ مظفر محسن	ٹال مول کی عادات سے نجات (ریٹائٹ)	
150/-	مترجم: حافظ مظفر محسن	ہندومت (شکتیلاجن ناتھ)	
300/-	قیصر چوہان	چارلی چپلن کی آپ بیتی	
250/-	مترجم: حافظ مظفر محسن	با اصول لیڈر شپ (سٹیفن آر۔کووے)	
200/-	مترجم: حافظ مظفر محسن	اعتماد کی قوت (سٹیفن آر۔کووے)	
250/-	مترجم: حافظ مظفر محسن	اہم کام پہلے (سٹیفن آر۔کووے)	
190/-	مترجم: حافظ مظفر محسن	اپنے گھر کا جم خانہ	
150/-	مترجم: مسعود مفتی	میتار کی پکار	
	مترجم: مسعود مفتی	اسلامی معاشروں کی تاریخ	
	مترجم: قیصر چوہان	راہول ڈریوڈ (آپ بیتی)	
150/-	اے۔پی۔پریرا مترجم: امجد جاوید	کامیابی 30 دنوں میں بچ	
300/-	شیمامجید	شیکسپیر کے مشہور ڈرامے	
300/-	مترجم: حافظ مظفر محسن	مثالی کوچنگ	
300/-	مترجم: حافظ مظفر محسن	گڈ بزنس	
	ہارون میاں	انسانی تخلیق	

